

مَجْمُوعَةُ الْفَتَاوَى

افادات

حضرت مولانا سید محمد امین حسنی محدث نصیر آبادی

(المولود ۱۲۷۵ھ - المتوفی ۱۳۴۹ھ)

تحقیق و تعلیق

محمد نجم الدین ندوی



مدینة الجملة شھید اکبر علی
دار عرفات، تکیہ کلان، رائے پور

مَجْمُوعَةُ الْفَتَاوَى

افادات

حضرت مولانا سید محمد امین حسنی محدث نصیر آبادی

(المولود ۱۲۷۵ھ - الہبتوفی ۱۳۴۹ھ)

تحقیق و تعلیق

محمد نجسم الدین ندوی

ناشر

سَيِّدُ الْاَحْمَدِ شَيْخُ الْاِيْمَانِ

دار عرفات، ہکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۶ء
سید احمد شعیب اکیڈمی
دار عرفات ٹکیہ کلاں رائے بریلی

نام کتاب	:	مجموعۃ الفتاویٰ
مصنف	:	حضرت مولانا سید محمد امین حشی محدث نصیر آبادی
تحقیق و تعلیق	:	محمد نجم الدین ندوی
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
صفحات	:	۴۰۸

ملنے کے پتے :

- ☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی
- ☆ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء
- ☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ
- ☆ مکتبۃ الشباب العلمیہ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

فہرست

۹	عرض ناشر
۱۱	مقدمہ
۱۳	پیش لفظ
۲۴	حرفے چند
<h3>حضرت مولانا سید محمد امین حسنی محدث نصیر آبادیؒ</h3>	
	احوال و آثار، خدمات و تصانیف، خاندان، اساتذہ اور تلامذہ
۳۳	امیر کبیر سید قطب الدین محمد بن احمد الدہلوی کی برصغیر ہند آمد
۳۵	نصیر آباد میں سادات کی آمد اور قیام
۳۶	ولادت اور تعلیم و تربیت
۳۸	تعلیم و تدریس
۴۱	بیعت و سلوک اور اجازت
۴۳	تبلیغ و اصلاح اور تربیت
۴۷	فقہی بصیرت اور خدمات
۴۹	مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ اور ان کا مقام
۵۱	فقہی مناظرہ
۵۳	مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۵۸	تالیفات و تصنیفات
۶۲	وفات و تدفین
۶۷	صاحب فتاویٰ کا مسلک

کتاب العقائد والبدعات

۶۸	آخرت میں دیدار الہی کیسے ہوگا
۷۱	خدا کو جوہر یا عرض ماننا
۸۵	غیر اللہ کے واسطے ذبح کا شرعی حکم
۹۵	ایصال ثواب
۹۶	محفل میلاد میں قیام
۱۰۷	میلاد کی شرعی حیثیت
۱۱۱	میلاد اور قیام تعظیسی کی شرعی حیثیت

کتاب الطہارۃ

۱۱۸	چرمی ڈول اور کنواں کی تطہیر کیسے ہو
۱۲۰	ناپاک کنویں کو کس طرح پاک کریں
۱۲۴	طہارت نسوان

کتاب الصلاۃ وأحكامها

۱۲۸	شب باشی اور مباشرت والے مکان میں نماز پڑھنا
۱۳۱	تخیل و تاخیر صلوٰۃ
۱۳۷	قرأت سورۃ فاتحہ
۱۴۰	حرف ضاد کا مخرج اور اس کا حکم
۱۴۴	ضاد کا مخرج کیا ہے

- ۱۴۵ نماز میں سورت خاص کرنا
- ۱۴۶ فرض نماز و جمعہ کے بعد دعا میں آمین کہنا
- ۱۷۴ تارک صلوٰۃ کا حکم
- ۱۸۷ نماز باجماعت ترک کرنا
- ۱۸۸ ترک جماعت اور اشیاء مسجد سے انتفاع
- ۱۸۹ امامت کون کرے
- ۱۹۱ امامت کا مستحق کون
- ۱۹۳ کون لائق امامت ہے
- ۲۰۳ مقلدین اور غیر مقلدین کا ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا
- ۲۰۹ ناپسندیدہ امام کی امامت
- ۲۱۰ بدعتیہ شخص کے متعین کئے ہوئے امام کی امامت
- ۲۱۳ جمعہ فی القرئی
- ۲۲۵ متعدد جمعہ وعیدیں
- ۲۲۹ جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں
- ۲۳۳ خطبہ کے دوران سلام و کلام اور سنت پڑھنا
- ۲۳۵ میت مشکل میں تجہیز و تکفین کا شرعی حکم

کتاب الزکوٰۃ

- ۲۳۸ زیور کی زکوٰۃ
- ۲۴۲ ہر سال زکوٰۃ نکالنا

کتاب الصوم

- ۲۴۶ رویت ہلال
- ۲۶۲ تراویح کا شرعی حکم

کتاب الحج

حج بدل ۲۶۵

کتاب النکاح

بامدی سے بلا عقد جماع ۲۷۰

کافرہ زانیہ کے قبول اسلام کے بعد نکاح ۲۷۳

ولایت نکاح ۲۷۵

صغیرہ کو بعد بلوغ، نكاح کا حق ہے یا نہیں ۲۷۷

کتاب الرضاۃ

رضاعت اور حرمت نکاح ۲۸۲

ثبوت رضاعت میں صرف شہادت نسواں ۲۸۳

رضاعت میں عورت کی گواہی نا کافی ۲۸۵

کتاب الطلاق والرجعة

شادی کر دو کہنے سے کون سی طلاق ہوگی ۲۸۷

خط سے وقوع طلاق ۲۹۲

ایک مجلس میں تین طلاق کا حکم ۲۹۳

ایک مجلس میں تین طلاق اور اس کا شرعی حکم ۲۹۶

طلاق مغلظہ ۳۰۶

حلالہ میں ہم بستری شرط ہے ۳۰۸

ناشزہ عورت کا شرعی حکم ۳۰۹

شہادت نسواں اور طلاق ۳۱۱

- طلاق رجعی اور اس کا حکم ۳۱۴
 مسئلہ طلاق مغلطہ یا رجعی ۳۲۰
 لاپتہ شوہر کی بیوی کا نکاح ثانی ۳۲۳

کتاب الحنین

- حنین کا حکم ۳۲۶

کتاب الظہار

- ظہار اور اس میں نیت کا اثر ۳۲۹
 تشبیہ سے وقوع طلاق یا ظہار ۳۳۲

کتاب العدة

- مطلقہ کب نکاح کر سکتی ہے ۳۳۴
 دوران عدت بیوہ معتدہ کا عیادت کرنا ۳۳۶

کتاب الحضانه

- حق حضانت اور اس کی مدت ۳۴۲
 حضانت کا حق کس کو حاصل ہے ۳۴۴

کتاب المیراث

- ماں، زوجہ، تین لڑکے، دو لڑکیاں اور بہن میں تقسیم میراث ۳۴۶
 ابن، ۲/۳ بنات اور زوجہ میں وراثت ۳۴۹
 والد، زوجہ میں وراثت ۳۵۰
 زندگی میں باپ سے الگ رہنے والے لڑکے کو میراث ۳۵۲
 میراث کی تقسیم کا ایک مسئلہ ۳۵۳

منقرقات

- ۳۵۵ کیا جہاد بانفس جہاد اکبر ہے
- ۳۵۹ تقلید ائمہ کی شرعی حیثیت
- ۳۶۴ آداب انشاء
- ۳۷۲ اخوت اسلامی و موالات دینی
- ۳۷۴ آداب شرب
- ۳۸۱ اہل فسق کے یہاں کھانا پینا
- ۳۸۶ مصافحہ کا طریقہ
- ۳۸۸ ورہم کی وضاحت
- ۳۸۹ سودی بیج
- ۳۹۴ مضاربہ
- ۳۹۵ نماز میں عمامہ اور اس کا حکم و درجہ؟
- ۴۰۸ ملاحظہ برائے فتویٰ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض ناشر

حضرت مولانا محمد امین صاحب نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ چودہویں صدی ہجری کے ان مشائخ میں سے ہیں، جن کی اصلاحی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، وہ خاندان علم اللہی کے چشم و چراغ تھے، ان کی روشنی سے مشرقی یوپی کے بہت سے اضلاع روشن ہوئے، لوگوں کو ہدایت ملی، شرک و بدعت سے نفرت پیدا ہوئی، اور سنت کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا، تقریباً ایک صدی گزرنے پر بھی اس کے اثرات ان علاقوں میں محسوس کئے جاسکتے ہیں۔

مولانا سید محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کے خاص شاگردوں میں تھے، مولانا فرماتے تھے کہ حضرت الاستاذ کے کتب خانہ کو میں نے پی لیا ہے، ہزاروں حدیثیں مولانا کو یاد تھیں، اور مختلف مواقع پر مولانا ان سے استشہاد کرتے اور سند کے ساتھ حدیثیں پیش کر دیتے۔

سلوک کی تعلیم انہوں نے اپنے خاندانی بزرگ حضرت شاہ ضیاء النبی علیہ الرحمہ سے حاصل کی تھی، جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نانا اور اپنے وقت کے بڑے مشائخ میں سے تھے، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ان کو ”برکۃ الدنیا“ کہا ہے۔

علم و عمل کی اس یکجائی نے ان کے اندر ایک ایسی شان پیدا کر دی تھی کہ اس نے ان کو ایک ممتاز مقام عطا کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا رعب عطا کیا تھا کہ انکار منکر

بالید پر ان کا عمل تھا، اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے خلاف کر سکے۔
باطنی صفات اور علمی کمالات کے ساتھ اللہ نے حسن ظاہر سے بھی آراستہ کیا تھا،
اس پر ایمانی نور ایسا کہ ان کو دیکھ کر دل بدل جاتے تھے۔

حضرت مولانا امین صاحب نصیر آبادیؒ کو اللہ تعالیٰ نے مجتہدانہ صلاحیت عطا فرمائی تھی، حدیث و فقہ پر دقیق اور وسیع نگاہ تھی، رائے بریلی، پرتاب گڑھ سے لے کر جو پور اور اعظم گڑھ تک جو ان کی اصلاحی و دعوتی کوششوں کا مرکز تھا، ان علاقوں میں خاص طور پر مولانا ہی کے فتاویٰ پر عمل تھا، اور ان میں مولانا نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طرز فکر کو اختیار کیا تھا، مولانا گرچہ حنفی تھے، مگر مسائل بتانے میں براہ راست احادیث سے اعتناء تھا، مولانا نے یہ بات کہیں تحریر فرمائی ہے کہ معتبر احادیث کو بنیاد بنا کر میں گرچہ توسع اختیار کرتا ہوں، مگر ائمہ اربعہ کے مسلک سے نہیں ہٹتا۔

یہ فتاویٰ محفوظ نہ رہ سکے جو رہ گئے وہ مولانا کی مجتہدانہ شان کا مظہر ہیں، مولانا نجم الدین اصلاحی صاحبؒ نے جو ”یادگار سلف“ کے مصنف ہیں، اور انہوں نے بڑی محنت سے مولانا کی سوانح قلم بند کی ہے، یہ فتاویٰ جمع کئے جو ان کے پاس محفوظ تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ایک ملاقات میں وہ انہوں نے حضرت کے سپرد کئے، سالوں پہلے برادر مخدوم مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی ہدایت پر محبت کرم مولوی مطیع الرحمن عوف ندوی نے اس پر کچھ کام بھی کیا، لیکن وہ اشاعت کے قابل نہ ہو سکا، پھر ایک سال قبل یہ کام عزیز القدر مولوی محمد نجم الدین ندوی کے سپرد کیا گیا، انہوں نے بڑی عرق ریزی سے اس کو اشاعت کے قابل بنایا، اور اس دوران انہوں نے حضرت مولانا نصیر آبادیؒ کے حالات بھی قلمبند کرنے شروع کئے جو انشاء اللہ مستقل شائع کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

امید ہے کہ یہ فتاویٰ محققین کے لیے خاص طور پر مفید ثابت ہوں گے، اور ایک علمی امانت شائقین علم کے ہاتھوں میں آئے گی۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں (رائے بریلی)

۷/ صفر ۱۴۳۸ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید المرسلین

و خاتم النبیین سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ أجمعین و بعد! اسلام اور مسلمانوں کی مختلف ملکوں میں آمد اور مصلحین کی اصلاحی و دعوتی خدمات اور علماء کی دین و شریعت کی مختلف طریقوں سے خدمت کا اگر جائزہ لیا جائے تو ابتدائی ادوار کو چھوڑ کر ہندوستان کا حصہ اس میں بہت نمایاں نظر آئے گا، خاص طور پر اس آخر دور میں جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) امام مجدد الف ثانی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) اور حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے شروع ہوتا ہے، اسلام اور دین و شریعت کی جس طرح دین اسلام کے مزاج کی صحیح اور مکمل رعایت رکھتے ہوئے خدمت کی گئی ہے، دوسری جگہ اس جامعیت اور تنوع کے ساتھ اس کی مثال ملتی کم نظر آئے گی، جب کہ شروع کے ادوار میں خراسان و ماوراء النہر میں حدیث و تفسیر اور فقہ کی اور اسی طرح مغرب، اندلس، مراکش وغیرہ اور افریقی عربی ملکوں میں مصر کی خدمات ناقابل فراموش ہی نہیں بلکہ ایک عمارت کے لیے بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں۔ ہندوستان کی ان مایہ ناز شخصیات میں جنہوں نے چودھویں صدی ہجری میں

دین اور علم دین کی علمی، دعوتی اور اصلاحی طریقے سے نمایاں خدمت انجام دی، ایک ممتاز شخصیت حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۹ھ- ۱۹۳۱ء) کی بھی ہے، جن کا تعلق امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے خاندانی طور پر رشتہ داری کا اور روحانی طور پر ان کے سلسلہ کے بزرگوں سے استفادے اور خاندان ولی اللہی سے علمی انتساب کا تھا، اپنی دعوتی مصروفیات کے ذریعہ بدعات کو مٹانے اور سنت کو عام کرنے کے لیے گاؤں گاؤں جا کر اسفار کے ساتھ علمی و تحقیقی کام کے حوالہ سے خدمت انجام دی۔

راقم سطور کی عمر دو سال رہی ہوگی کہ یہ آفتاب علم و دعوت غروب ہو گیا، ان کو اپنے عہد کی ممتاز اہل فضل و کمال فقہاء و محدثین سے لکھنؤ اور سہارنپور میں ان کے دروس میں شریک ہو کر استفادے کا شرف حاصل ہوا تھا، مثلاً: لکھنؤ میں مولانا ابو الحسنات عبدالحی فرنگی محلی اور سہارنپور میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہما سے استفادہ کیا تھا، اور یہ صلاحیت پیدا کر لی تھی اور قرآن فہمی اور حدیث کے مزاج سے وہ واقفیت حاصل کر لی تھی کہ دین کے اسرار کو سمجھنے کے ساتھ ملت کے مفاد اور حالات کے تغیرات پر نظر رکھتے ہوئے، حدیث و سنت کی روشنی میں استفتاءات پر ایسے فتوے دیتے جو اپنی نوعیت میں انفرادیت کے حامل ہیں۔

مولانا محمد امین صاحب نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا دائرہ اصلاح و دعوت لکھنؤ کا مشرقی علاقہ نصیر آباد (رائے بریلی) پر تاب گڑھ، سلطان پور، جوینپور، اعظم گڑھ اور منٹو وغیرہ تھا جہاں علماء و مشائخ ان کے ان احسانات کو آج بھی یاد کرتے ہیں، اور ان علاقوں میں جو توحید و سنت کو فروغ ہوا اور ایمان کی باوبہاری چلی، اس کا سہرا ان کے سر باندھتے ہیں، ان سے پہلے اس رخ پر محنت کرنے والوں میں ان کے سلسلہ اور خاندان کے ہی بزرگوں میں حضرت مولانا شاہ ضیاء اللہی حسنی (نانا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ) جو حضرت مولانا محمد امین نصیر آبادی کے شیخ و مرشد تھے، اور ان

کے شیخ حضرت خواجہ احمد نصیر آبادی کا نام لینا کافی ہے۔

حضرت مولانا صرف ایک مصلح اور داعی اور واعظ و خطیب ہی نہ تھے، وہ مجتہدانہ شان رکھنے والے عالم دین، فقیہ، محدث اور محقق و مصنف بھی تھے، ان کے فتاویٰ کے جمع کرنے کا کام عزیز گرامی مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم نے پہلے شروع کرایا تھا جو مکمل نہ ہو سکا تھا، پھر اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے عزیز القدر مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے یہ خدمت ”مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی“، دار عرفات، رائے بریلی کے اپنے رفقاء میں بعض کے سپرد کی اور عزیز مولوی محمد نجم الدین ندوی مئی پوری نے اچھی محنت و تحقیق سے اس کام کو مرتب کر کے پیش کیا تو وہ ایک بڑے لائق قدر کام اور ایک اہم علمی انکشاف کے طور پر سامنے آیا جو انشاء اللہ علم میں اہم اضافے کا باعث اور شریعت کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔ وما ذلک علیٰ عزیز

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۴۳۸/۲/۱ھ

۲۰۱۶/۱۱/۲ء



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ
(جنرل سکریٹری اسلامی فقہ اکیڈمی، الہند)

امت مسلمہ کا ایک اہم فریضہ امر بالمعروف یعنی نیکیوں کی طرف دعوت دینا اور
نہی عن المنکر یعنی برائیوں سے روکنا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

معروف کی طرف دعوت دینے اور برائیوں سے روکنے کا ایک ہی طریقہ متعین
نہیں، بلکہ اس میں تنوع ہے، یہ تنوع مخاطب کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے جیسے عالم اور
جاہل یا حاکم اور رعایا کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الگ الگ انداز
ہو سکتے ہیں، اور یہ تنوع کام کرنے والوں کے لحاظ سے بھی، اس لحاظ سے بہ حیثیت
مجموعی اس کے تین درجات کئے جاسکتے ہیں:

الف: عام مسلمان:

ان کے لیے بھلائی کی طرف دعوت دینے اور برائی سے روکنے کا طریقہ یہی
ہے کہ وہ زبان کا استعمال کریں اور اگر کوئی ان کے زیر ولایت ہو تو شیرعت کے دائرہ
میں رہتے ہوئے سختی بھی اختیار کر سکتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾
اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”من رأى منكم منكرا فليغيره بيده ومن لم يستطع فليسانه
ومن لم يستطع فليقلبه“ (۱)

(تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھ (قوت)
سے روکے، جس کو اس کی طاقت نہ ہو تو وہ زبان سے روکے اور جس
میں اس کی بھی طاقت نہ ہو تو وہ دل سے روکے (یعنی دل سے برا
سمجھے اور ارادہ رکھے کہ جب وہ روکنے کے موقف میں آجائے گا تو
قوت سے روکے گا)

اس میں تفسیر بالید کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی بھی انسان کسی گناہ کے مرتکب شخص پر
ہاتھ اٹھالے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ماں باپ اپنے بال بچوں کی، شوہر اپنی بیوی کی، اور
استاذ اپنے شاگرد کی تنبیہ کرے، نیز ”ید“ کا لفظ عربی زبان میں قوت کے لیے بھی استعمال
ہوتا ہے، اور قوت صرف ہاتھ اور ہتھیار ہی کی نہیں ہوتی، اخلاقی و سماجی دباؤ کی بھی ہوتی
ہے، یعنی اصلاح میں اخلاقی و سماجی دباؤ کا استعمال بھی طاقت ہی کا استعمال ہے۔
ب: حکومت:

حکومت کے ذریعہ امر بالمعروف کے تین ذرائع ہیں: شعبہ قضاء یعنی عدلیہ، جو
مظلوموں کی فریاد سنی کرتی ہے اور ظالموں کو ان کے جرم کی سزا دیتی ہے، دوسرے:
شعبہ احتساب، جو عوام میں عمومی طور پر نہی عن المنکر کا کام کرتی ہے، تیسرے: شعبہ
رفع مظالم، جو حقوق العباد کے سلسلہ میں ہونے والی کوتاہیوں کا تدارک کرتی ہے، اس
کے اختیارات عدلیہ سے کم اور شعبہ احتساب سے زیادہ ہوتے ہیں، غرض کہ حکومت
وقت کے استعمال کے ذریعہ بھی معروف کو قائم اور منکر سے روک سکتی ہے۔

ج: علماء و مشائخ:

علماء و مشائخ کے امر بالمعروف کا ایک طریقہ تو عمومی ہے، جس کو اصلاح و ارشاد کہا جاسکتا ہے، یعنی خطبات، شخصی تربیت، اصلاحی مضامین وغیرہ کے ذریعہ، یہ خدمت ہر عالم بلکہ ہر صاحب شعور انجام دے سکتا ہے، اور اہل صلاح ہمیشہ اس طریقہ کے ذریعہ فریضہ اصلاح انجام دیتے رہے ہیں۔

دوسرا طریقہ ہے: افتاء (یعنی شرعی رہنمائی) کہ جو لوگ حلال و حرام اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق شرعی رہنمائی کے محتاج ہوں، ان میں ان کی مدد کی جائے، یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے، امر بالمعروف کی بقیہ صورتوں میں معروف کو انجام دینے اور منکر سے بچنے کی ترغیب دی جاتی ہے، یا اس کی خلاف ورزی پر سزا دی جاتی ہے، لیکن فتویٰ کے ذریعہ لوگوں کو دن و رات پیش آنے والے واقعات میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ معروف کیا ہے اور منکر کیا ہے؟ کون سی باتیں حلال کے دائرہ میں آتی ہیں اور کون سی باتیں حرام ہیں؟ اس لیے امر بالمعروف جیسے فریضہ کی ادائیگی میں فتاویٰ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

لیکن یہ کام ان راسخ العلم علماء ربانین کا ہے، جو قرآن و حدیث اور سلف صالحین کی اجتہادات سے بھی واقف ہوں، اپنے زمانہ کے احوال پر بھی ان کی نظر ہو اور ورع و تقویٰ میں بھی امتیازی شان رکھتے ہوں، کیونکہ یہ عام کام بہت نازک اور دور رس اثر کا حامل ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنے آپ کی طرف کی ہے:

(النساء: ۱۲۷)

﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ﴾

ایک اور موقع پر ارشاد ہے:

(النساء: ۱۷۶)

﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْ الْكَلَالَةِ﴾

گویا اللہ تعالیٰ کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاء کی تشریح و توضیح

اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو حوالہ کی:

(النحل: ۴۴)

﴿لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾

یہ بیان ووضاحت کی ذمہ داری آپ ﷺ کے بعد ہر عہد کے علماء وارباب افتاء کے حصہ میں آتی رہی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مفتی گویا خود شارع کا نائب ہے، اور شارع ہی کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لیے علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ فتویٰ دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے:

”وليعلم المفتي عمن ينوب في فتواه“ (۱)

اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مفتی اللہ ہی کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے:

”المفتي موقع عن الله تعالى“ (۲)

اسی لیے فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں جری ہو، وہ دراصل دوزخ پر جری

ہے) (۳)

ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ ان میں سے ایک سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ دوسرے کا، اور دوسرا تیسرے کا حوالہ دیتا اور اسی طرح ایک دوسرے سے رجوع کرنے کی تلقین کرتا، یہاں تک کہ یہ سوال پھر پہلے شخص کی طرف لوٹ آتا، (۴) ان ہی سے منقول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ اگر انہیں کوئی حدیث یاد ہوتی تو ان کی خواہش ہوتی کہ ان کے بجائے ان کا بھائی اس روایت کو نقل کر دے، اور کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ چاہتا کہ اس کے بجائے اس کا بھائی بتا دے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر سوال کا جواب دے وہ مجنون ہے، امام ابو حنیفہؒ کہا

(۲) شرح مہذب: ۱/۴۰، مقدمہ

(۴) شرح مہذب: ۱/۱۳۰

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۱۱

(۳) سنن الدارمی: ۱/۵۷

کرتے تھے کہ اگر علم ضائع ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو فتویٰ نہ دیتا، امام مالکؒ کا حال یہ تھا کہ اڑتالیس مسائل پوچھے گئے تو بتیس کے بارے میں کہہ دیا کہ مجھے اس کا علم نہیں، ایک مسئلہ کے جواب کے بارے میں فرمایا: مجھے معلوم نہیں، عرض کیا گیا: یہ تو آسان اور معمولی مسئلہ ہے، تو آپ غصہ ہو گئے اور فرمایا: علم کی کوئی بات معمولی نہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ فتویٰ کی جو صلاحیت اور مطلوبہ استعداد سفیان بن عیینہ میں تھی، میں نے کسی میں نہیں دیکھی، لیکن میں نے ان کو فتویٰ سے جتنا زیادہ بچتے ہوئے دیکھا کسی کو نہیں دیکھا، اثر م ناقص ہیں کہ میں نے امام احمد کو بہت سارے مسائل میں یہ کہتے ہوئے دیکھا ہے: مجھے معلوم نہیں، سفیان ابن عیینہ اور سحنون کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے میں جبری وہی ہو سکتا ہے، جو کم علم ہو، عطاء بن سائب تابعی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو گفتگو کرتے ہوئے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا، (۱) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سلف صالحین افتاء کے سلسلہ میں کس قدر احتیاط برتتے تھے۔

نبوت محمدیؐ کا ایک اعجازی پہلو یہ ہے کہ اس امت نے اجتماعی حیثیت میں کبھی دین و شریعت کو خیر آباد نہیں کہا، جیسا کہ دوسرے مذاہب کے تبعین نے کیا، اس لیے بہت سی کوتاہیوں اور اعتقادی و عملی کمزوریوں کے باوجود شریعت سے ان کا رشتہ قائم ہے، مسلمان نہ صرف ایمانیات و عبادات میں اپنے دین کے احکام کو واجب العمل سمجھتا ہے، بلکہ معاشرت، معیشت، باہمی تعلقات، خاندانی زندگی ہر شعبہ حیات میں اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ قانون شریعت پر عمل کرنے اور اسوۂ محمدیؐ کے تتبع رہنے ہی میں اس کی بھلائی ہے، اس لیے وہ قدم قدم پر علماء سے رجوع کرتے ہیں، اور بعض اوقات زندگی کے جن واقعات کو اپنے ماں باپ اور بال بچوں، نیز شوہر اور بیوی کے سامنے بھی بیان کرنا نہیں چاہتے ان کو بھی مفتی کے سامنے پیش کر دیتے ہیں، اور رضا کارانہ طور پر اللہ و رسول کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔

اسی بنیاد پر فتاویٰ کے ذریعہ رہنمائی کا شعبہ مسلم سماج میں ایک فعال شعبہ رہا ہے، اور اس میں تسلسل اور استمرار پایا جاتا ہے، عالم اسلام کے مختلف علاقوں کی طرح برصغیر میں بھی فتاویٰ کی ایک روشن تاریخ رہی ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو جیسے عوام تک قرآن کا پیغام پہنچانا اور حدیث سے ان کا رشتہ جوڑنے میں امتیازی مقام حاصل ہے، اسی طرح فقہ و فتاویٰ کے باب میں بھی خانوادہ علم الہی کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی: ۱۱۵۹ھ) کے فتاویٰ کا مجموعہ ”فتاویٰ عزیزیہ“ کو موجودہ کتب فتاویٰ میں اولیت حاصل ہے، یہ فتاویٰ اصلاً فارسی زبان میں ہیں، لیکن اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے، اسی سلسلہ ولی اللہی کی ایک عبقری شخصیت سید احمد شہیدؒ ہیں، جو ایک طرف ایسے مربی اور عزیزی تھے کہ ان کی چند دلوں کی صحبت سے دلوں کی کاپاپلیٹ جاتی تھی، تو دوسری طرف بڑے بڑے علماء و فقہاء ان کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، اور ان کے فیض سے اپنی تشنه کامی دور کیا کرتے تھے، اسی سلسلہ کے اگلے بزرگوں میں حدیث نبوی کے رمز شناس اور فقہ اسلامی کے غواص حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ ہوئے، جن کو ایک طرف عظیم فقیہ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، دوسری طرف ممتاز حنفی محدث حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ اور تیسری طرف جماعت اہل حدیث کے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ سے کسب فیض کا موقع ملا، اللہ نے ان کو جامعیت کی شان عطا کی تھی، انہوں نے مسند تدریس بھی بچھائی، بزم احسان و سلوک بھی سجائی، تبلیغ دین اور اصلاح امت کو اپنا خاص مشن بنایا، ان کے ساتھ ساتھ تعلقہ سے بھی حظ وافر سے نوازا گیا۔

اس زمانہ میں آج کل کی طرح اداروں کی سہولت نہیں تھی، نہ علمی افادات کو محفوظ کرنے کے لیے آسان وسائل مہیا تھے، اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ بہت سے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ سکے، لیکن ”ما لا یدرک کملہ لا یتدرک کملہ“ کے تحت یہ بہت اچھی بات ہوئی کہ فتاویٰ کا جو کچھ سرمایہ مل گیا، اسے دقیقہ سے سفینہ تک منتقل کرنے کی سعی مشکور کی گئی، اور اس طرح یہ علمی امانت آج ہم لوگوں کے لیے قابل استفادہ بن رہی ہے۔

مجھ جیسوں کے لیے ان فتاویٰ پر کچھ اظہار خیال، چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق ہے، تاہم اس حقیر کی نظر میں اس مجموعہ کی جو امتیازی حیثیت ہے، اس کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

☆ عام طور پر فتاویٰ میں فقہی عبارتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے، لیکن صاحب فتاویٰ کو مزاج ولی اللہی کے مطابق نصوص سے خاص اعتناء ہے، اس لیے جو مسائل منصوص ہیں، ان میں زیادہ تر آیات و احادیث اور آثار صحابہ کو بھی ذکر کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔

☆ عقائد و ایمانیات سے متعلق رد بدعت پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے، اور مبتدعین کے بارے میں سخت لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔

☆ ائمہ اربعہ کے متبعین نے عام طور پر عقیدہ ایمان میں اشاعرہ و ماتریدیہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے، لیکن صفات باری تعالیٰ، استواء علی العرش وغیرہ سے متعلق آپ کا رجحان حنابلہ اور علماء حدیث کی طرف ہے، چنانچہ آپ تاویل کی بجائے تفویض کو ترجیح دیتے ہیں۔

☆ مسائل فقہیہ میں آپ فقہ حنفی کے متبع ہیں، فتاویٰ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کے مراجع اور جزئیات پر گہری نظر تھی، لیکن تقلید میں بھی آپ کا رنگ فکر ولی اللہی کا پرتو ہے اور یقیناً اس میں آپ کے استاد حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی فقہی بصیرت کی گہری چھاپ بھی شامل ہے، مثلاً: کنوئیں کے پاکی اور ناپاکی کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کی اس رائے کو اختیار کیا گیا ہے کہ اگر پانی قلتین سے زائد ہو تو ائمہ ثلاثہ کی اس رائے پر عمل کرنے کی گنجائش ہے کہ جب تک پانی کے اوصاف میں تغیر نہ ہو پانی پاک ہے، آپ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے، اور ان آثار کا جائزہ بھی لیا ہے، جو حنفیہ کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں، پھر اخیر میں لکھتے ہیں:

”پس مسئلہ ہذا میں باعتبار روایت احادیث مذاہب ثلاثہ قوی ہیں، اس میں شک نہیں، من شاء فلیزجع الی کتب الحدیث واللہ

أعلم وعلمه أحکم“
اسی طرح قرأت فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

”صورت مسئلہ بالا میں جب کہ دلیلیں فریقین کی قوی ہیں، اس میں اقویٰ اور اولیٰ بعد تامل کے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا سری نماز میں پڑھنا ہے اور جہری نماز میں اگر سکنا امام دو آیتوں کے درمیان کا وقفہ کو پاوے، بہر کیف پڑھنا بہتر ہے نہ پڑھنے سے، اس طور پر کہ امام کی قرأت کو پریشان نہ کرے۔“

آگے آپ نے اپنے اس نقطہ نظر پر وضاحت کے ساتھ دلائل پیش کئے ہیں، اور فریقین کے دلائل کا موازنہ بھی کیا ہے۔

مقلدین اور غیر مقلدین ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بعض مشہور عبارتوں سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہر ایک مقلد و غیر مقلد سے، مقتدی ہونا اور ایک دوسرے کی اقتداء کرنا درست و جائز اور ثابت ہے، اور چاہد و چاہد بناء تعصب سے خالی نہیں، یا اخذ و اصل مدعا سے واقف نہیں، یا آیت و سنت سے استدلال کرنے کو عرفان نہیں، بلکہ عاری ہے اور انصاف جاری نہیں اور انتصاف ساری ہے۔ الا ما شاء اللہ فہو علی نور و کتاب

من ربہ“

اسی کی ایک مثال دیہات میں نماز جمعہ کا مسئلہ ہے، مولانا ”جمعہ فی القریٰ“ کے قائل بھی تھے اور اس پر عامل بھی، چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”نماز جمعہ مثل پنج گانہ کے فرض ہے، جو شرطیں ان میں ہیں وہ اس میں ہیں، فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے، شہر ہو یا دیہات، ہر جگہ بلا شرط شہر و بادشاہ یا اس کے نائب صحیح ہے۔“

یہ فتاویٰ حضرت مولانا سید محمد امین محدث نصیر آبادیؒ (۱۲۷۵-۱۳۴۹ھ) کے ہیں، نصیر آباد رائے بریلی کا ایک مردم خیز قصبہ رہا ہے، اور مولانا نصیر آبادی اس خطہ ایمان و عزیمت میں خانوادہ حسنی کے گل سرسبز قرار دیئے جاسکتے ہیں، آپ کو مولانا سید احسن نصیر آبادیؒ، مولانا عبدالقیوم محدث بڑھانویؒ، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ، مفتی حریم علامہ سید احمد دحلان اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی جیسے اساطین علم و فن سے شرف تلمذ حاصل ہے، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ سے بھی کسب فیض کا تذکرہ ملتا ہے۔

مدرسہ نصیر آباد میں اپنی محدثانہ و فقیہانہ تدریس کے ذریعہ طالبان علوم نبوت کو مختلف علوم و فنون میں فیض پہنچایا، ان کے تلامذہ میں مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، اسماعیل میرٹھی اور مولانا احمد مدراسی وغیرہ جیسے اصحاب فضل و کمال کے نام سے ملتے ہیں، آپ ایک صاحب تصانیف بزرگ تھے، آپ کی شخصیت فقہ ظاہر اور فقہ باطن کا حسین امتزاج تھی، اس کے ساتھ ساتھ عقائد و اعمال کی اصلاح کا بے نظیر کارنامہ آپ کے ذریعہ وجود میں آیا، جس پر مرشدی مولائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ کی تحریریں گواہ ہیں۔

مرتب فتاویٰ عزیز گرامی مولوی محمد نجم الدین رحیم الدین ندوی مٹی پوری ”ریسرچ اسکالر مرکز الامام ابی الحسن الندوی، دار عرفات، رائے بریلی“ نے یقیناً بڑی محنت، لیاقت اور حسن ذوق کے ساتھ اسے مرتب کیا ہے، قوسین کے ذریعہ فتویٰ کی زبان کو آسان کرنے اور قابل فہم بنانے میں بھی ان کی سعی قابل تشکر ہے، حوالہ جات کی تخریج کے ساتھ ساتھ وضاحتی حواشی نے کتاب کی اہمیت کو اور بڑھا دیا ہے، یہ حقیر

اس اہم علمی خزانہ کو منظر عام پر لانے اور اصحاب ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنانے کے سلسلہ میں فتاویٰ کے مرتب، اس کے ناشر کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور ہم سب کے مخدوم و بزرگ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی متعنا اللہ بطول حیاتہ کا بھی شکر گزار ہے کہ ایسے تمام کاموں کے پیچھے انہیں کی نگاہ التفات کا رفرما ہوتی ہے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ومن

تبعہم باحسان الی یوم الدین۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم: المعهد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ

۱۷/ اگست ۲۰۱۲ء



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حرفے چند

مذہب اسلام روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے، اور قرآن مجید دنیائے انسانیت کی ہدایت و رشد کے لیے نازل ہونے والی آخری کتاب مقدس ہے، اور آخری نبی و رسول پر اتری ہے، اس طرح سے اسلام خاتم الادیان، رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل والانبیاء اور کتاب ہدایت خاتم الکتاب ہے۔ حدیث و سنت رسالت پناہی علیہ السلام قرآن کریم کی شارح ہے، اس بنا پر قرآن و حدیث اسلامی احکام کے اساسی سرچشمے ہیں، قرآن مجید اور احادیث شریفہ کے علاوہ جہاں تک اجتہاد اور اجماع کی بات ہے تو انہیں دونوں کے فروغی گوشے ہیں، اس طرح شریعت کے چار ماخذ ہو گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منزل الیہ کی تبلیغ کا حکم ہے، اور آپ کی امت کا فرض منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اس کے مختلف اور متعدد شعبہ جات ہیں، جن میں ایک شعبہ ”افتاء“ کا ہے، اور یہ بھی تبلیغ دین، دعوت و ارشاد اور اصلاح و تعمیر معاشرہ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

اسلامی معاشرہ میں افتاء یعنی فتویٰ نویسی کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اسی اہمیت کی خاطر افتاء کے اصول و قواعد کو باقاعدہ ایک مستقل فن کی حیثیت دی گئی، اور اس فن کو اصطلاحاً رسم المفتی، آداب المفتی کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ دور نبوی علیہ السلام سے آج تک جاری ہے، اپنے اپنے وقت اور دور میں علماء و فقہاء اور اصحاب فقہ و افتاء نے اس ذمہ داری کو نبھایا ہے۔ فتاویٰ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علامہ ابن قیم حنبلی نے

زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں جمع کیا ہے، فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی کے نام سے جمع و شرح مولانا سید اصغر حسین دیوبندی نے کیا ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب و خطبات کا ایک عظیم سرمایہ کتب حدیث میں موجود ہے، جن کی حیثیت و مقام کسی فتویٰ سے کم نہیں ہے، جن میں شرعی احکام و ہدایات اور اسلامی فقہ کے اصول و کلیات بھی پائے جاتے ہیں، ان کی ترتیب و تدوین اور اردو میں ترجمے کا کام متعدد علماء کرام نے کیا ہے، جن میں مولانا عبدالقیوم ندویؒ، مولانا سید محبوب رضویؒ (دیوبند) اور مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ وغیرہ حضرات قابل ذکر ہیں، اور صحابہ کرام کے فتاویٰ کے مجموعے معاجم کی صورت میں جمع و تدوین کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، اور متعدد مجموعے اب تک سامنے آچکے ہیں۔ تابعین اور تبع تابعین میں بڑے بڑے اصحاب افتاء تھے، جنہوں نے قرآن کریم، احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے فقہی آثار و افکار اور ان کے فتاویٰ کی روشنی میں تحریری و زبانی فتوے دئے، اور باقاعدہ فقہی مکاتب بھی وجود میں آئے، جن میں چار کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت دی، اب یہی چاروں مسالک حق کی پہچان ہیں، اور ائمہ کرام اور ان کے اتباع و انصار نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق فتویٰ نویسی کا کام کیا، ہر دور میں فتویٰ نویسی کا یہ سلسلہ جاری رہا، اور فتاویٰ کو مجموعے کی شکل دینے کا سلسلہ بھی برابر چلتا رہا، اگر شمار کیا جائے تو پچاسوں مجموعے نکلیں گے۔

ہمارے برصغیر ہندو پاک کے اصحاب فقہ و افتاء کی کاوشوں پر روشنی ڈالی جائے تو اس کے لیے ہزاروں اوراق ناکافی ہوں گے، مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم نے ”برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ“ کے علاوہ ”فتہائے ہند“ کو تیرہ جلدوں میں مرتب کیا ہے، لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہند متحدہ میں فتویٰ نویسی کا سلسلہ بہت پہلے غالباً چوتھی صدی ہجری سے شروع ہو چکا تھا، تاریخ میں یہاں تک آتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ”التفرید فی الفروع“ نامی ایک فقہی کتاب تالیف کی، خود بانی سلطنت مغلیہ

بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر نے فقہ پر ایک کتاب ”المبین“ نامی تصنیف کی، اور جب ہندوستان میں آزاد حکومتیں اور سلطنتیں قائم کی گئیں اور مختلف جگہوں پر مساجد و مدارس قائم ہوئے تو علماء کرام نے باقاعدہ افتاء کے فرائض انجام دئے، سلاطین اور امراء ہند کو اسلامی فقہ سے خاص دلی لگاؤ تھا، اس سلسلہ میں انہوں نے بھی اس لگاؤ کا اظہار اس طرح کیا کہ متعدد مجموعہ ہائے فتاویٰ ان امراء اور سلاطین کی طرف منسوب ہیں، مثلاً فتاویٰ فیروز شاہی، فوائد فیروز شاہی، فتاویٰ عادل شاہی، فتاویٰ ابراہیم شاہی، فتاویٰ تاتارخانی، فتاویٰ بابرہی اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ، اخیر شاہی دور میں فتاویٰ عالمگیری کتاب وجود میں آئی جس پر ہندوستان کی علمی و تمدنی تاریخ نازاں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں جیسے جیسے انگریزوں نے تسلط اور غلبہ حاصل کیا ویسے ویسے نجی فتویٰ کے رواج نے فروغ پایا، اور ان فتویوں نے بعض بعض مرتبہ بڑا انقلابی کام کیا، جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ اور اسی طرح ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ۔ ہمارے بہت سے فقہائے کرام ہیں جو فقہ و فتاویٰ کے عنوان سے مشہور ہوئے اور بہت سے تو وہ ہیں جنہوں نے افتاء کا کام کیا لیکن اس عنوان سے وہ مشہور نہیں ہوئے، ماضی قریب میں ہندوستان میں اس عنوان کے لیے بہت سے حضرات مشہور ہوئے، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ، حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ صاحب مائۃ مسائل و مسائل الاربعینؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (فرنگی محل)، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، مفتی امجد علی رضویؒ، مولانا محمد شبلی فقیہ اعظمیؒ، مفتی محمد سعید ندویؒ مئوئیؒ وغیرہ کے نام نمونے کے طور پر ذکر کر دئے گئے ہیں ورنہ بہت سے حضرات ایسے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے وقت اور دور میں فقہ و افتاء کے میدان میں بھی سرگرمی دکھائی، جن کی

افادیت کا انکار کرنا ان کی فقہی واقفائی خدمات کی ناقدری سے کم نہیں ہے۔

اسی طرح صاحب مجموعہ حضرت مولانا سید ابوالحسن محمد امین محدث نصیر آبادیؒ کا شمار اپنے دور کے ربانی علماء میں ہوتا تھا، آپ نے دعوت و اصلاح کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا، اور لوگوں کی ضرورت کی تکمیل کے لیے فقہی خدمات انجام دیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صاحب مجموعہ اس فن میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے، آپ کے فتاویٰ دیار شرقیہ میں خاص طور سے بڑی اہمیت کے حامل تھے، لیکن زندگی میں فتاویٰ کا کوئی بھی مجموعہ شائع نہیں ہو سکا، بلکہ افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ کے بہت سے فتاویٰ ضائع ہو گئے یا ان کو محفوظ کرنے کی فکر نہیں کی گئی، اور متفرق اوراق کا ایک مجموعہ جو مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ کے پاس تھا، وہی مجموعہ غالباً موجودہ کتاب کی صورت میں ہے۔

راقم سطور کے دل کی گہرائیوں میں استاد گرامی مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی دام ظلہ کے لیے ممنونیت کے جذبات ہیں کہ آپ نے اس کے جمع و ترتیب اور تحقیق کا موقع عنایت کیا، آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے استاد گرامی کی نگرانی اور مشوروں سے یہ کام پائے تکمیل کو پہنچا اور اب طباعت کے مرحلہ سے گزرنے کے لیے تیار ہے۔ صاحب افادات کی وفات پر قریب قریب سو سال پورے ہونے میں تین چار سال ہی رہ گئے، افسوس اس بات پر ہے کہ دیر سے یہ مجموعہ سامنے آ رہا ہے لیکن ”کل امر مرھون بأوقاته“ خواب نہیں، امر واقعی ہے۔

یہاں یہ بات عرض کر دینا مناسب ہے کہ پہلی بار یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے، اس لیے مجموعہ کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کی گئی ہے، اور امکان بھر احتیاط سے کام لیا ہے، مجموعہ کو اسی پہلی شکل میں پیش کرنا مفید نہیں تھا، بایں وجہ کئی طرح سے اس پر توجہ کی ضرورت کو پوری کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) سب سے پہلے اس پورے مجموعہ کو ابواب فقہ کی ترتیب پر مرتب کیا گیا، پہلے کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ..... الخ، اور سب سے اخیر میں متفرقات کا باب

رکھا گیا ہے، جس میں تقریباً دس گیارہ سوالات ہیں۔

(۲) فتاویٰ میں وارد قرآن کریم کی آیات کا تفسیر، سورہ اور آیات کی وضاحت کی گئی۔ اور ساتھ ہی ان آیات قرآنی کے ترجمے بھی دئے گئے تاکہ آیات کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے۔ اس کے لیے مرلح نشان [.....] دیا گیا ہے۔

(۳) صاحب افادات کا معمول ہے کہ فتویٰ نویسی میں خاص طور پر ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں جن سے فقہی مسئلہ کا استنباط کیا جاتا ہے، ان تمام احادیث شریفہ کی تخریج اور بعض پر تعلق کر کے مزید وضاحت کی گئی ہے۔

(۴) فتاویٰ میں جن آیات اور احادیث اور فقہی اقتباسات کے ترجمے حضرت مولانا قدس سرہ کے قلم سے ہیں ان کو بعینہ باقی رکھ کر اگر مزید توضیح کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس کو بھی اس افقی نشان (.....) کے درمیان پورا کیا گیا ہے۔ اور احادیث اور فقہی عبارات کے ترجمے جو راقم کے ہیں اس کے لیے یہ نشان [.....] ہے۔

(۵) جو فقہی اقتباسات یا عبارات مختلف کتابوں کے حوالہ سے درج ہیں، ان کی تحریر میں سہو ہو گیا ہے یا کچھ چھوٹ گیا ہے، یہ غالباً ناقلین فتاویٰ کی غلطیاں یا سہو ہے، اس لیے اصل کتابوں کی مدد سے درست کر دیا ہے۔ اگر کچھ چھوٹ گیا ہے تو پورا کرتے وقت عمودی نشان [.....] بنایا گیا ہے، اور توضیحی مقامات پر بیضوی نشان (.....) لگایا گیا ہے۔

(۶) تمام مصادر کی طرف براہ راست رجوع کیا گیا ہے، قدیم مطبوعہ نسخوں سے بھی مقابلہ کی ممکن بھر کوشش رہی ہے۔ اس سلسلہ میں مطبع مجتبائی دہلی اور مطبع منش نول کشور لکھنؤ کی مطبوعات معاون ثابت ہوئے۔

(۷) بہت سے مقامات پر حواشی لکھے گئے تاکہ مسئلہ کی وضاحت اچھی طرح ہو جائے، نیز تمام عنوانات از آغاز تا انتہا راقم ہی کے ہیں۔

(۸) عصر حاضر کے ذوق کے مطابق املا میں تبدیلی کرنی پڑی، مثلاً ”اوس“ کو

اس، ”اون“ کو ان، ”ضرور“ کو ضروری وغیرہ، اور جملہ کو صحیح ساخت پر رکھنے کے لیے کلمات والفاظ میں تقدیم و تاخیر سے بھی کام لیا گیا ہے۔ فتاویٰ میں سطر بندیاں نہیں تھیں کہ عبارتوں کے آغاز و اختتام کا پتہ چلتا، اس لیے سطر بندیاں کی گئیں تاکہ قاری کو پڑھنے اور مطالعہ کرنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

(۹) صاحب افادات اور ان کے احوال و آثار پر ایک جامع اور مختصر تذکرہ کا اضافہ کیا گیا ہے، جس میں صاحب افادات کی علمی، دعوتی و اصلاحی نیز فقہی و افتائی خدمات کو خوش اسلوبی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۱۰) فتاویٰ میں مذکور تمام اعلام خواہ وہ محدثین کے گروہ سے تعلق رکھتے ہوں یا فقہائے امت کے گروہ سے، حواشی میں یا اخیر میں نہایت مختصر اور جامع تعارف اور اسی طرح سے ان کتابوں کے مختصر تعارف کے شامل کرنے کا بھی ارادہ تھا جن سے احادیث مبارکہ اور شروح اور فقہی عبارات لی گئی ہیں، لیکن مجموعہ کی ضخامت کو دیکھ کر ارادہ ترک کرنا پڑا۔ واضح رہے کہ جو حوالے صاحب افادات کے ہیں ان کو متن سے نکال کر حاشیہ میں جگہ دی گئی تاکہ الجھن کا باعث نہ ہو، اس کو مثلاً اس طرح دیا گیا: شرح الوقایہ، کتاب الصلوٰۃ: ۱/۲۶، حوالہ از صاحب فتاویٰ۔

(۱۱) فتاویٰ کے اس سرمایہ کا نام غالباً مولانا نجم الدین اصلاحی مرحوم نے مجموعہ الفتاویٰ رکھا تھا، اسی نام کو باقی رکھا گیا ہے۔

(۱۲) خوش قسمتی سے ایک فارسی مکتوب دستیاب ہوا، جس سے صاحب فتاویٰ کا مسلک نمایاں ہوتا ہے، کتاب کے اخیر میں اس کا اردو ترجمہ بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

راقم سطور اس موقع پر خاص طور سے مخدوم و مکرم استاد گرامی قدس علیہ علم و حکمت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی بارک اللہ فی عمرہ و دامت فیوضہ و برکاتہ کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہے کہ آپ نے گونا گوں ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے باوجود گرامی قدس تحریر عنایت فرمائی جو کتاب کی زینت اور راقم کے لیے باعث سعادت

ہے، اور برصغیر کے معروف عالم دین و فقیہ جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے راقم کی فرمائش پر ایک قیمتی مقدمہ عنایت کیا جو کہ کتاب کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح اپنے تمام اساتذہ کرام بالخصوص اساتذہ فقہ و تدریب افتاء (مفتی سید مسعود حسن حسنی ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا عبدالسبحان ندوی مدنی اور مولانا قاری طاہر خالدی ندوی) کے لیے راقم کا دل شکریہ کے جذبات سے معمور ہے، اسی طرح استاد گرامی قدر محمد ندوی مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی بارک اللہ فیہ ونفع بہ الامۃ کا ہمیم قلب سے ممنون و مشکور ہے، جنہوں نے یہ مجموعہ عنایت کر کے اسلاف شناسی کا جذبہ پیدا کیا، جزاء اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔ اخیر میں والدین ماجدین بارک اللہ فی حیاتھما و مد ظلھما کی یاد آگئی جن کے احسانات اور مہربانیوں سے کبھی بھی سبک دوش نہیں ہو سکتا، اللھم ربّ ارحمھما کما رزقناہنی صغیراً (اے اللہ! اے میرے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحم و کرم کا معاملہ فرما، جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا، اور تربیت فرمائی) آمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ان تمام معاونین کا اعتراف نہ کیا جائے جنہوں نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں اپنا گراں قدر تعاون کسی بھی شکل میں پیش کیا ہے، بالخصوص مولانا محمد نفیس خاں ندوی، مولانا محمد علی حسنی ندوی اور برادر دم مولوی محمد ارمغان ندوی کے تعاون کا شکریہ، اول الذکر کی طباعتی و اشاعتی مرحلہ کے علاوہ بعض مقامات میں رہنمائی حاصل رہی اور ثانی الذکر جناب کی صاحب نے کتاب کے لیے ایک ویدہ زیب سرورق اور آخری صفحہ تیار کیا، ارمغان سلمہ کا بھی بھرپور تعاون رہا، جزاء اللہ احسن الجزاء۔

راقم سطور کی یہ پہلی کاوش ہے، یہ انسانی کاوش اور محنت کا ثمرہ ہے، لیکن بہت ممکن ہے کہ اس میں کمی اور کوتاہی نظر آئے، کیونکہ انسان غلطی اور بھول چوک کا پیکر

مجسم ہے، اور یہ اس کی صفت لازمی ہے، اس لیے راقم و محوئی نہیں کر سکتا کہ اغلاط سے کتاب محفوظ ہو، البتہ قارئین اور اصحاب علم و مطالعہ کی خدمت سے امید ہے کہ کتاب میں کسی طرح کی کوئی فرگزاشت نظر آنے پر ضرور اطلاع دیں گے، یا پھر ”والعفو عند کرام الناس مقبول“ ایک صداقت اور حقیقت ہے۔ بارگاہ الہی میں سر بسجود ہوں کہ اس کو نافع اور مفید بنائے، صاحب افادات قدس سرہ کے لیے صدقہ جاریہ اور اس بندہ عاجز و ناتواں کے لیے ذخیرہ آخرت۔ آمین

محمد نجم الدین رحیم الدین ندوی
دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
۲۱/ شوال المکرم ۱۴۳۷ھ



[مدرسہ نصیر آباد کے آخری صدر نشین و روح رواں اور تحریک شہیدین کی آخری یادگار]

حضرت مولانا سید محمد امین حسنی محدث نصیر آبادیؒ

احوال و آثار، خدمات و تصانیف، خاندان، اساتذہ اور تلامذہ۔ ایک مختصر تذکرہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد!

ہندوستان میں آزادی کی عمومی پہلی لڑائی اٹھارہ سو ستاون میں لڑی گئی، اور اس کا انجام اور نتیجہ تباہی و بربادی اور مظلومیت کی صورت میں رونما ہوا، اور اہل اسلام کے لیے استقبالی دور تاریک اور خوفناک نظر آنے لگا تھا، علمائے کرام اور مفتیان عظام کی ایک بہت بڑی تعداد بے جگری اور بے دردی کے ساتھ شہید کی گئی اور ایک بڑی تعداد کو پھانسی دی گئی، اور نسل تیمور کی چاہ و جلال اور قیادت و سیادت اب خاک و خون کی تن بے جان تھی، اور صلیب کے پجاریوں نے ظلم و ستم اور بربریت کا ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کا آغاز کر دیا تھا، اہل اسلام کی عزت و آبرو اور مال و دولت انہی کے ہاتھوں سے نکل کر دوسرے کے قبضے میں تھی، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ وہ دین و ایمان کے درپے ہو گئے، اور ایک منصوبہ بند طریقہ پر ایمان و اسلام پر حملہ کرنے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکہ ڈالنے لگے، اور پورے ملک میں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی تفریق کئے بغیر عیسائیت و صلیبیت کی دعوت و تبلیغ فرنگی حکومت کے سایے میں بہت ہی زور و شور سے تھی، اور اہل نصاریٰ کے لیے دین و مذہب اسلام سے دنیا کی حقیر چیزوں کے ذریعہ محروم کرنا نہایت آسان بن گیا۔ ایسے حالات تھے کہ خانوادہ نبوت میں سادات حسنیہ کے گہوارہ نصیر آباد سے رشد و ہدایت کا ماہتاب دنیا کے انسانیت کو منور کرنے کے

لیے طلوع ہوا، جن کے انوار ظاہری اور باطنی سے ایک عالم کو ہدایت ملی، اور پورے ملک میں بالخصوص مشرقی اضلاع میں آج بھی عمومی طور پر اثرات پائے جاتے ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترہ غزوات میں حصہ لیا، آپ سے ایک حدیث ایسی مروی ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم ان کو مضبوطی سے تھامے رہو تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک تھی ہوئی اللہ کی رسی ہے، اور دوسرے اہل بیت۔ (ترمذی)

حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ کرام ستاروں کی طرح اور اہل بیت سفینہ نوح کی مانند ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہدایت کے یہ ستارے دنیائے زمین میں ہدایت اسلام اور اصلاح امت کے لیے پھیل گئے، ان کی آل و اولاد بھی اعلائے کلمۃ الحق اور اشاعت دین کے لیے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پھیل گئے، اور خاندان نبوت کا ایک بڑا حصہ ہندوستان وارد ہوا، اور مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی کے جد امجد جو سب سے پہلے ہندوستان وارد فرما ہوئے وہ امیر کبیر تھے۔

امیر کبیر سید قطب الدین محمد بن احمد المدنی کی برصغیر ہند آمد

امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد بن احمد المدنی قدس سرہ نے رویائے صادقہ اور بشارت نبوی علیہ السلام سے ہندوستان کا رخ کیا تھا اور یہاں کے اہل کفر و شرک سے جہاد کیا تھا، شیخ الاسلام کا نسب عالی مقام نواسہ رسول حضرت حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے، ہند آکر آپ نے کڑھ (الہ آباد، مشرقی یوپی) میں طرح اقامت ڈالی، آپ کی وفات کڑھ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (۱)

(۱) تاریخ آئینہ اودھ از مولوی سید ابوالحسن مایک پوری، ظہور قطبی، نزہۃ النواطر، تذکرہ شاہ علم اللہ، تاریخ فرشتہ، تاریخ فیروز شاہی جیسی کتابوں میں امیر کبیر کا تذکرہ ایجاز و اطناب دونوں طرح سے موجود ہے، ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی مرحوم کی کتاب ”سوانح شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد المدنی“ بھی قابل مطالعہ ہے۔

آپ کے مزار میں سنگ مرمر کا ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس کی پیشانی پر امیر کبیر کا اسم گرامی، سال ولادت اور سال وفات کندہ ہے اور اخیر میں چھ سو سال بعد آپ کی جانشینی کے فرائض انجام دینے والے فرزند ارجمند مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی تاریخ وفات کندہ ہے تاکہ زائرین یہ پیغام لے کر جائیں کہ آج بھی ان کی تحریک کا سلسلہ قائم ہے، اب اس کی قیادت و سیادت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی بارک اللہ فی عمرہ فرما رہے ہیں۔ امیر کبیر کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی، اور مختلف مقامات میں جالبیس، اور نصیر آباد اور جاس اور تکیہ کلاں میں آج تک بڑی تعداد میں سلسلہ جاری رہا، اور اب تکیہ کلاں ہی سادات حسنی کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

امیر کبیر کی نسل میں قاضی سید احمد تھے جو پرگنہ نصیر آباد کے قاضی تھے، قاضی صاحب کے دو پوتے تھے ایک قاضی سید اسحاق اور دوسرے قاضی سید محمد فضیل۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی اولاد میں بڑی برکت عطا فرمائی، قاضی سید معظم بن قاضی سید احمد کی نوں پشت میں حضرت مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی پیدا ہوئے، قاضی سید محمد اسحاق نصیر آبادی کے بھائی قاضی سید محمد فضیل نصیر آبادی کے صاحبزادہ عالی مقام امام الاولیاء حضرت شاہ سید علم اللہ حسنی قدس سرہ تھے، آپ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلیفہ اجل حضرت سید آدم بخوری قدس سرہ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے، آپ کے صاحبزادگان اور حضرت شاہ ابوسعید قدس سرہ اور مولانا سید محمد واضح محدث حسنی اور مولانا سید قطب الہدیٰ محدث حسنی اور ان سب سے بڑھ کر امیر المجاہدین امام سید احمد شہید ہیں، جن کی وجہ سے برصغیر ہندو پاک اور بنگالہ و برہما میں ایمان کی باد بہاری ایسی چلی کہ تاریخ نے اس کو ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا۔ اور اخیر زمانہ میں حضرت مولانا سید محمد طاہر فقیہ قدس سرہ، حضرت شاہ ضیاء النبی رائے بریلوی، مولانا سید محمد عرفان ٹوکی اور مولانا سید محمد طلحہ حسنی تھے اور اب قافلہ سالار ملت استاد گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور نامور

اسلامی مفکر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی دام ظلہ ہیں۔

قاضی سید محمد اسحاق نصیر آبادیؒ کی اولاد میں بھی ایسے ایسے افراد پیدا ہوئے کہ جنہوں نے علم و فضل اور ادب، علوم ظاہری اور باطنی میں اپنا لوہا منوایا، اور اس کے ساتھ ساتھ اصلاح عقائد اور اصلاح اعمال اور دعوت و ارشاد کا کام کیا، اور بعد میں اس تحریک کو بھی آگے بڑھایا جس کو امام سید احمد شہیدؒ نے عمومی طور پر پورے ہندوستان میں چلائی، ان میں حضرت مولانا سید خواجہ احمد دیوان قدس سرہ، علامہ سید عنایت اللہ خاں بہادر فیروز جنگ صدر الصدور امور مذہبی، وزیر اوقاف شاہجہانی، قطب الارشاد حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ، مولانا سید محمد یاسین نصیر آبادیؒ، میر سید عبدالعلی نصیر آبادیؒ، حکیم سید فخر الدین خیالی، مولانا سید محمد حسین نصیر آبادیؒ، مؤرخ اسلام علامہ سید عبدالحی حسنیؒ، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور فقید الاسلام مولانا سید محمد احسنیؒ بانی ”البعث الاسلامی“ داعی اسلام مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ اور خود مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی قدس سرہ تھے، اور اب استاد گرامی و مربی داعی احسان مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی بارک اللہ فی عمرہ ہیں۔

نصیر آباد میں سادات کی آمد اور قیام

سادات قطبیہ کی یہاں آمد سے پہلے غالباً سادات نجمیہ رونق پذیر تھے اور تعداد میں آباد تھے، دوسری برادریاں بھی آباد تھیں، امیر کبیر کی نوین پشت میں قاضی سید قطب الدین محمد ثانی جو جائس کے قاضی تھے، قاضی سید محمود عہد سلطان سکندر شاہ شرقی پرگنہ نصیر آباد کے قاضی مقرر ہوئے، جس محلہ میں رہتے تھے اس کا نام ہی قضاہ پڑ گیا، آپ نے یہیں بود و باش اختیار کی اور وفات پائی اور باغ قاضی میں مدفون ہوئے، قاضی سید محمود کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند قاضی سید محمدؒ، قاضی سید احمد عطا فرمائے، فرزند اول نے باپ کی جانشینی کی، اور ۲۷ سال تک عہدہ قضاء پر فائز رہے اور ۸۹۵ھ، میں وفات پائی، آپ کے بھائی قاضی سید احمد ۸۹۵ھ، میں ان کی وفات کے بعد مسند

قضاء و عدالت پر فائز ہوئے، آپ کمال تقویٰ و احتیاط، دینی حمیت اور ادب شریعت میں ممتاز مقام رکھتے تھے، ۹۳۵ھ میں نصیر آباد میں ملا اعلیٰ سے جا ملے، دونوں کی اولاد نصیر آباد میں رہی، اور بعد میں قاضی سید محمد کی اولاد متفرق مقامات میں پھیل گئی، قاضی سید احمد کے اولاد و اخلاف میں سے ایک بڑا حصہ اڑوین صدی میں رائے بریلی شہر اور تکیہ کلاں میں منتقل ہو گیا، اور مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی کے بعد اب تکیہ کلاں ہی سادات حسنی کا سب سے اہم اور مرکزی مسکن ہے۔

قاضی احمد کے دو پوتے قاضی سید اسحاق اور قاضی سید فضیل ہوئے، ثانی الذکر کے دولڑکے ہوئے ایک شاہ سید داؤد، اور شاہ داؤد کی اولاد خالص ہاٹ رائے بریلی میں قیام پذیر ہوئی، اور دوسرے شاہ علم اللہ خلیفہ حضرت سید آدم بنوری، اور آپ کی اولاد نے تکیہ کلاں رائے بریلی میں سکونت اختیار کر لی، اور آج بھی تکیہ کلاں ہی میں آباد ہیں۔ قاضی سید اسحاق کے تین لڑکے تھے، (۱) حضرت خواجہ سید احمد دیوان (۲) مولانا علامہ سید ہدایت اللہ (۳) سید تاج الدین۔ مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی علامہ سید عنایت اللہ خاں کی آٹھویں پشت پر تھے۔

علامہ ہدایت اللہ خاں کے دو صاحبزادے (۱) مولوی سید امین اللہ، اور (۲) سید عبدالرحیم شہید تھے، ثانی الذکر کے فرزند مولوی سید محمد تقی کے پڑپوتے سید زین الدین احمد نصیر آبادی کے دولڑکے (۱) مولانا سید طہ (۲) مولوی سید عبدالغنی تھے، مولانا سید طہ (مقیم سرونج ریاست ٹونک)، مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی قدس سرہ کے والد بزرگوار ہیں۔ مولانا کے علاوہ آپ کے دو فرزند اور تھے، (۱) مولانا حکیم سید محمد متین (۲) ڈپٹی حافظ سید عبدالستار نصیر آبادی۔

ولادت اور تعلیم و تربیت

حائمی سنت، ماحی بدعت، قطب الارشاد مولانا سید محمد امین نصیر آبادی کی ولادت باسعادت دو شنبہ کے دن ۹ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ کو گھوارہ سادات نصیر آباد میں ہوئی، اور

عہد شیر خوارگی کے دو ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ شفقت پدری کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والد مولانا سید طہ نصیر آبادیؒ نے آپ کے علاوہ دو بھائی اور چھوڑے، ایک مولانا حکیم سید محمد مشینؒ اور دوسرے حافظ سید عبدالستارؒ۔ مولانا امینؒ کی تعلیم و تربیت کا انتظام آپ کی والدہ محترمہ نے کیا، اور بڑے بھائی نے بھی تعلیم و تربیت میں حصہ لیا، مولانا کی پرورش ایسی ناز و نعمت کے ساتھ ہوئی کہ احساس یتیمی تک نہ ہو سکے، شروع ہی سے لکھنے پڑھنے کا فطری ذوق تھا، دوسرے بچوں کو لکھتے پڑھتے دیکھ کر خود بھی قلم کا غزلے کر بیٹھ جاتے، اس فطری شوق و ذوق کو دیکھ کر ایک استاد مولانا کی تعلیم کے لیے مقرر کیا گیا، اور معمولی نوشت و خواند کے بعد حافظ جان محمد صاحبؒ سے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور ایک سال کی مدت میں ہی حفظ کی سعادت حاصل کر لی، محراب بھی سنایا، اور اس کے ساتھ ہی فارسی کی تعلیم جاری رکھی، اور جلد ہی فارسی زبان و ادب میں پوری صلاحیت اور قابلیت پیدا کر لی، علوم منقول و منقول کی تحصیل اساطین علم و ادب اور ماہرین علوم و فنون سے کی، آپ کے اساتذہ کرام میں حجت الاسلام حضرت سید خواجہ احمد نصیر آبادی قدس سرہ، مولانا محمد عبداللہ چھپرویؒ شاگرد علامہ مفتی محمد یوسفؒ، مولانا محمد شبلی جو پوری بن حضرت مولانا سخاوت علی جو پوریؒ مہاجر مکہ، حضرت مولانا سید احمد حسنؒ، فقیہ الہند علامہ عبدالحی لکھنویؒ جیسے نابغہ روزگار علمائے امت تھے، تکمیل کے بعد مولانا سید تندر حسین محدث دہلویؒ سے تہر کا صحاح ستہ کی چند کتابیں پڑھ کر اجازت حدیث حاصل فرمائی، اور ان حضرات اکابر کی خدمت میں حاضری دے کر اجازت حدیث اور سند علوم کو شہادات کو عالی بنایا، حضرت مولانا عبدالقیوم محدث بھوپالیؒ خلف الصدق حجت الاسلام مولانا عبدالحی بڑہانویؒ، حضرت مولانا بشیر الدین بن مولانا محمد کریم الدین عثمانی قنوجیؒ اور حضرت شاہ محمد محدث مہاجر مکہ تلمیذ حضرت علامہ شاہ اسحاق محدث دہلویؒ، صاحب نزہۃ النواطر علامہ سید عبدالحیؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ سے بھی سند حدیث حاصل فرمائی۔ اور

حضرت شاہ ضیاء النبی رائے بریلوی قدس سرہ سے بیعت و سلوک کے تمام مراحل طے کیے، اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مولانا سید محمد ثانی نے مولانا سید محمد امینؒ کے تذکرہ میں آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد احسن نصیر آبادیؒ کا ذکر کیا ہے، (۱) جب حجاز مقدس حج و زیارت کے گئے تو وہاں کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا بالخصوص شیخ الاسلام علامہ سید احمد دحلانؒ سے چند کتابیں پڑھیں، یادگار سلف میں مہر جہاں تاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حکمت و طبابت کی تعلیم و تربیت استاد الاطباء حکیم مظفر حسین لکھنوی درود شاہی شفا خانہ لکھنؤ سے پائی، مولانا سید محمد امینؒ نے بیس سال کی عمر میں سنہ ۱۲۹۶ھ میں درسیات کی تکمیل کی، اور مزید چند سال اور مشہور اساتذہ سے علوم و فنون میں تبحر پیدا کیا، جبکہ آج کا حال یہ ہے کہ رسمی تکمیل کے بعد ماہر اساتذہ کی خدمت میں رہے اور تجربہ حاصل کیے بغیر درس و تدریس کی راہ میں قدم رکھتے ہیں، اور تعلیم و تربیت کی تدریب اگر حاصل کر لیں تو ایک خاص نقطہ نظر سے جس کا نتیجہ ثمر آور نہیں ہوتا، کاش تبحر علمی اور تعلیمی تربیت حاصل کرنے کے بعد درس و افتادہ کے میدان میں آتے، اور اسلاف کے طریقہ پر گامزن ہوتے، تو آج بھی حقیقی معنی میں ماہرین علوم اسلامی اور اساطین علوم و فنون پیدا ہو سکتے ہیں۔

تعلیم و تدریس

حضرت مولانا سید امین نصیر آبادی سند فراغت کے بعد اپنے وطن نصیر آباد آ گئے تھے، اگر مولانا علیہ الرحمہ چاہتے بڑی بڑی جگہوں میں ملازمت اختیار کر سکتے تھے، بالخصوص ریاست ٹونک میں بڑے عہدہ پر فائز ہو کر رہ سکتے تھے، آپ کے والد ماجد مولانا سید محمد طہ نصیر آبادیؒ سرونج ریاست ٹونک میں کسی بڑے عہدہ پر رہ چکے تھے، اور آپ کے برادر ڈپٹی حافظ سید عبدالستار حافظ نصیر آبادیؒ بڑے سرکاری عہدہ پر فائز تھے لیکن مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے اپنے لیے درس و تدریس کی راہ کو اختیار کیا، بلکہ

(۱) خانوادہ عظم النبی: ۲۴۳، بار اول ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵م، سید احمد شہید اکیڈمی دار عرقات

صحیح بات یہ ہے کہ مولانا علیہ الرحمہ نے عہد طالب علمی سے درس اسباق شروع فرما دیا تھا (۱) اور مولانا علیہ الرحمہ نے عمر کا ایک بڑا حصہ درس و افتادہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں زیادہ تر مشاہیر علمائے اسلام اپنی اپنی جگہ پر مسند درس و افتادہ کی زینت ہوا کرتے تھے، اور یہی اس عہد کے مدارس و جامعات تھے، حضرت سید نصیر آبادیؒ نے مدرسہ نصیر آباد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، آپ کی شہرت، علمی اور عملی مقام و مرتبہ کے بارے میں سن سن کر طالبان علوم نبوت دور دور سے آتے رہتے تھے، اور ان سب کو علم و عمل اور رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے تھے، علوم آلیہ و متداولہ منطق و فلسفہ اور نحو و صرف، اور زبان و ادب کی تدریس و تعلیم میں بڑی مہارت رکھتے تھے، آپ کو بالخصوص فن نحو اور صرف کی تعلیم کا خاص ملکہ تھا، زیادہ تر مشق و تمرین سے تمام مسائل نحویہ محفوظ کرانے کی سعی جاری رکھتے، مثالیں زیادہ تر قرآن پاک و احادیث و ال عرب کے بلیغ و فصیح کلام سے پیش فرمایا کرتے، منطق کے مسائل عام بول چال میں ذہن نشین فرما دیتے، شرح جامی اور شرح تہذیب و فصول وغیرہ کتابیں آپ اس انداز میں پڑھاتے تھے کہ طلبہ کی ٹوک زبان رہتی تھیں، علم الکلام و عقائد اور اصول کے مسائل بالخصوص تفسیر و حدیث اور فقہ اسلامی میں آپ کو امتیازی مقام حاصل تھا جس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے، آپ تمام اعتقادی و فقہی مسائل کو کتاب و سنت سے تطبیق دیا کرتے تھے، ہر چیز کو علم و تحقیق کی نظر سے دیکھتے تھے، وہ اس سلسلہ میں اپنے استاد عالی مقام علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کے نقش قدم پر تھے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ تعلیم و تدریس میں صرف کیا، آپ طلبہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، طلبہ کا اس قدر خیال فرماتے کہ راتوں کو طلبہ جب مطالعہ کرتے تو آپ برابر موجود رہتے اور جب تک مطالعہ یا اسباق

(۱) علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ اگر کسی سفر پر ہوتے تو آپ کو اپنی جگہ بٹھا جاتے تھے، آپ اپنے استاد ذی مرتبت کی جگہ پر درس دیتے تھے، جیسا کہ مولانا اصلاحیؒ نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔ دیکھئے یادگار سلف/۲۳، معارف پریس اعظم گڑھ

مکمل نہ ہو جاتے آپ سکون کی سانس نہ لیتے تھے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ علماء و فضلاء کی بھی ایک بڑی تعداد ہوگی، جنہوں نے آپ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا ہوگا، یہی نہیں حفاظ کی بھی ایک بڑی تعداد رہی ہوگی، لیکن اس دور کے علمائے کرام کی طرح شاگردوں کی تفصیلات کم ہیں کہ آپ کے شاگردوں کی کیا تعداد ہے؟ اور کہاں کہاں کے تھے؟ کون کون سی کتاب حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ سے پڑھی؟ اس کو یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے، کیونکہ تلامذہ کے سلسلہ میں معلومات کیاب ہیں، مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ نے ایک مختصر فہرست آپ کے شاگردوں کی تیار فرمائی ہے، یہاں ان کے نام درج ہیں، اس فہرست سے معلوم ہو جائے گا کہ مولانا علیہ الرحمہ کس مقام بلند پر قائم تھے۔ اور مولانا نصیر آبادیؒ کی ذات عالی پر یہ مثل کس قدر سچ ہے کہ ”درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے“:

- (۱) مولوی ناصر الدین مولوی فصیح الدین مراد آبادی (۲) مولوی خدا بخش چھپرویؒ (۳) مولانا عبدالحق موحد رائے بریلویؒ [مرتب: گلزار احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم] (۴) مولانا عبدالکریم محدث جاسیؒ (۵) مولوی رشید احمد مدراسی (۶) مولوی ملا محمد بنگالی محمدی (۷) مولوی منصب کچھوچھوی (۸) مولانا محمد فاروق جون پوریؒ (۹) مولانا فرخ سیر صاحبؒ (۱۰) مولانا حافظ ابو بکر محمد شیت جون پوریؒ [نبیرہ حضرت مولانا سخاوت علی جون پوریؒ مہاجر مکہ مکرمہ، و سابق ناظم دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ] (۱۱) مولانا حافظ احمد اللہ پرتاب گڑھیؒ [سابق محدث کبیر دارالحدیث رحمانیہ دہلی] (۱۲) مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ [خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ] (۱۳) مولانا ریاست علی چھانویؒ [صاحب مفید الانام فی ذکر سید الانام] (۱۴) مولانا عبدالحی راجہ پور سکرو (۱۵) مولانا ہدایت اللہ پنجابی (۱۶) مولانا ملا عین الدین ولایتی انغانی (۱۷) مولانا ابوالبرکات عبدالعزیز دبیر انجمن اہل حدیث (۱۸) مولوی محمد فاروق سرکنڈی ضلع سلطان پور (۱۹) مولانا سید حسن بانس بریلی (۲۰) مولوی لطف اللہ ساکن

بہار موضح توڑا (۲۱) مولوی عبداللطیف ملکی چک بہار (۲۲) مولانا محمد عمر [مؤلف دمع الباطل علی ادبار اہل العاطر] (۲۳) مولانا محمود حسن غزنوی (۲۴) مولانا محمود الحسن ملکی چک (۲۵) جناب سید مہدی حسن (۲۶) مولانا اسماعیل میرٹھی [مشہور و معروف اردو ادیب، ماہر تعلیم و ادب اطفال کے ایک اہم ستون] (۲۷) مولانا عبدالکریم سہارن پوری مہاجر مکہ مکرمہ (۲۸) مولوی احمد مندراز (۲۹) مولانا محمد یوسف ضلع ہردوئی (۳۰) مولانا محمد یوسف انصاری فرنگی محلی داماد و تلمیذ علامہ عبدالحی فرنگی محلی (۳۱) مولانا حافظ محمد حسن سہرائی [نفحة الغمام لكشف مافی نفحة الشمائم، تذكرة العمائم لاولی العزائم] (۳۲) مولانا عنایت اللہ سیدہا سلطان پور، اعظم گڑھ (۳۳) مولانا سید عبدالعزیز نسیر آبادی (۳۴) مولانا محمد انور خواجہ شکار پور ضلع سہارن پور متعلقین مولانا احمد صاحب سہارن پوری (۳۵) مولانا احمد مدد راسی (۳۶) مولانا عبد العزیز پرور ضلع سلطان پور۔

اس مختصری فہرست میں ناموں کے اضافہ کی گنجائش ہے، جو اپنے عہد میں تعلیم و تدریس اور اصلاح امت کی فکر میں باہمہ تن و جان لگے رہے، اور آپ کی چلائی ہوئی اصلاحی و دعوتی تحریک کو بطور امانت اگلی نسل تک پہنچایا، جیسے مولانا منیر احمد پٹنمی [بانی و ایڈیٹر "الفلاح" پر تاب گڑھ] قاضی سید فضل الرحمن حسنی عرف مٹھن میاں مرحوم، اور مولانا محمد سعید نسیر آبادی جنہوں نے حضرت نسیر آبادی کی تحریک دعوت و اصلاح اور تربیت کو آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آگے بڑھایا، مولانا محمد شفیع سرائے میری بانی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور مولانا شاہ محمد احمد پھول پوری بھی حضرت مولانا سید محمد امین نسیر آبادی سے خصوصی استفادہ کرنے والوں میں سے تھے۔

بیعت و سلوک اور اجازت

صغریٰ سے ہی حضرت مولانا سید محمد امین نسیر آبادی کو بزرگان دین اور اولیائے

عظام سے محبت و لگاؤ تھا، کیوں نہ ہو آپ کا پورا خانوادہ علم و فضل کے ساتھ للہیت و ربانیت میں اعلیٰ مقام کا حامل تھا، اور ساتھ ہی ماضی قریب میں اسی خانوادہ کے ایک بطل عظیم کے ذریعہ ایمان و عمل کی باد بہاری چل چکی تھی، اور قافلہ باد بہاری کے افراد اور راہروان اور ان کے خلفاء ابھی موجود تھے، آپ کے خاندان میں قطب الارشاد حضرت سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ ابھی حیات تھے، آپ نے سفر سلوک و معرفت کا آغاز حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ قدس سرہ کی خانقاہ عالیہ سے کیا، یہ زمانہ آپ کی عربی تعلیم کا تھا اور تکمیل درسیات کے بعد سلوک و معرفت کے امام حضرت سید شاہ ضیاء النبی نقشبندی مجددی رائے بریلوی (۱) سے بیعت ہوئے، اور انہی سے آپ کو خلافت و اجازت بھی حاصل ہوئی، اور حضرت خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادیؒ [قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ، خلیفہ حضرت سید خواجہ احمدؒ] (۲) سے بھی فیض اٹھایا اور اجازت بھی حاصل ہوئی، اس طرح آپ سلسلہ سلوک میں تین سلاسل سے وابستہ تھے، اور جملہ سلاسل میں بیعت و سلوک کی اجازت حاصل تھی، آپ کا پہلا سلسلہ بیعت حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ قدس سرہ کے واسطہ سے ہے کہ چودہ پندرہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ قدس سرہ سے بیعت ہوئے، اور اجازت بھی دے دی گئی، یہ قلیل الوسائط سلسلہ ہے، وہ اس طرح ہے کہ ان کو مولانا سید خواجہ احمد صاحبؒ سے اور ان کو حضرت مولانا سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادیؒ سے اور ان کو امام رشد و ہدایت، رہبر راہ محبت، شیخ بزم معرفت امام ربانی سید احمد شہید سے اور ان کو حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ سے، اس طرح اخیر تک یہ سلسلہ ہے۔ دوسرا سلسلہ حضرت خواجہ اورنگ آبادیؒ قدس سرہ سے ہے، اور ایک آخری سلسلہ ہے جس سے آپ کی شہرت ہوئی، اور یہ سلسلہ حضرت

(۱) آپ کے تذکرہ کے لیے ہر جہاں تاب مخطوطہ غیر مطبوعہ از مولانا سید فخر الدین خیائی، نزہۃ الخواطر، کاروان ایمان و عزیمت اور خانوادہ علم الہی کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۲) آپ کے احوال و کیفیات کے لیے کاروان ایمان و عزیمت، نزہۃ الخواطر کی طرف رجوع کریں۔

شاہ سید ضیاء النبی رائے بریلوی قدس سرہ کا ہے، آپ کو حضرت خواجہ نصیر آبادیؒ اور خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادیؒ قدس سرہ دونوں سے اور ان کو مولانا سید محمد یاسین نصیر آبادیؒ سے اور حضرت شاہ یار محمد صاحبؒ سے اور دونوں کو حضرت سید شاہ نجم الہدیٰ نصیر آبادیؒ سے اور ان کو حضرت شاہ محمد یحییٰ جانیؒ سے اور ان کو قطب دائرۃ ولایت حضرت سید شاہ محمد عدل عرف حضرت شاہ لعل قدس سرہ اور ان کو قدوة العلماء زبدۃ الاولیاء حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی مجددیؒ سے ان کو حضرت شاہ سید آدم بنوریؒ قدس سرہ اور ان کو امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندیؒ قدس سرہ..... اخیر تک۔

تبلیغ و اصلاح اور تربیت

خانوادہ علم الہی کے روشن چراغ اور امام ربانیؒ سید احمد شہید قدس سرہ کے سلسلہ و برکات کے نگہبان و محافظ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے دعوت و ارشاد کا کام عہد طالب علمی سے ہی شروع کر دیا تھا، اور ایک مدت تک تکمیل درسیات کے بعد حضرت شاہ ضیاء النبیؒ قدس سرہ کی خدمت میں رہے اور بعد ازیں مستقل طور پر اصلاح امت اور دعوت و ہدایت کی فکر و عمل میں مشغول ہو گئے، اس کے لیے آپ نے جگہ جگہ دیہاتوں، قصبوں اور شہروں کا دورہ کیا، ملک کے مختلف حصوں بالخصوص اضلاع شرقیہ میں عوام و خواص کے عقائد کی اصلاح و درستگی اور بدعات و خرافات سے پیڑاری اور اتباع شریعت کی تلقین و تشویق کے لیے سفر کرتے تھے، اس کے علاوہ آپ نے برما و رنگون اور ملتان وغیرہ کے کئی دعوتی و اصلاحی اسفار اور دورے کئے۔

دعوت و ہدایت کا ایک مؤثر ذریعہ بیعت و سلوک ہے، حضرت سید نصیر آبادیؒ نے اس طریقہ کو اختیار فرمایا تو آپ کی طرف لوگوں نے رجوع کیا اور قصبوں اور دیہاتوں کے ہزاروں اہل اسلام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور شرک و بدعات اور خرافات و رسوم سے تائب ہوئے، اتباع شریعت و سنت اور اعمال صالحہ کا عہد

کرتے تھے، آپ درس و تدریس کے ساتھ اپنے مریدین اور وابستگان کی تعلیم و تربیت کرتے تھے۔ دعوت و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وعظ و نصیحت بھی ایک نہایت اہم طریقہ اور وسیلہ ہے، سفر و حضر دونوں حالتوں میں وعظ و نصیحت کی مجلس منعقد کرتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض منصبی ادا کرتے، عقائد باطلہ کی اصلاح کرتے، اور ان کے اندر اتباع سنت و شریعت کا شوق و ذوق پیدا کرتے تھے، ہر جمعہ کو وعظ کا معمول بن گیا تھا، اس طرح پوری زندگی اصلاح ملت، دعوت دین، احقاق حق اور ابطال باطل میں گزار دی۔ مولانا سید عبداللہ نے لکھا ہے:

”ہر جمعہ کے دن کو وعظ کہتے تھے“۔ (۱)

آپ کی بیعت و ارشاد اور دعوت و اصلاح سے ہزاروں لوگوں کی اصلاح ہوئی اور عقائد و اعمال میں درستگی آئی، علامہ شبلی نعمانی جو کہ حضرت سید نصیر آبادیؒ کے معاصر ہیں خود آپ کے طریقہ اصلاح و تربیت کو پسند فرماتے بلکہ اس کام کو استحکام بخشنا چاہتے تھے۔ مولانا محمد عارف عمری (سابق رفیق شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ) نے لکھا ہے:

”عہد شبلی میں مشرقی یوپی میں مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ اور (حضرت) چاند شاہ صاحب ٹانڈویؒ کے تبلیغی دوروں اور وعظ و نصیحت سے بہت سی مسلم بستیوں پر عمدہ اثرات مرتب ہوئے، علامہ شبلی اس مبارک اور بانیف سلسلہ اصلاح کو مستحکم اور پائدار نظام سے مربوط کرنا چاہتے تھے“۔ (۲)

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ کے اس اہم کارنامے کے بارے میں بڑی خوش اسلوبی سے تحریر فرمایا ہے:

”آپ (حضرت شاہ ضیاء النبی قدس سرہ) کے خلیفہ حضرت مولانا

(۱) نزہۃ الخواطر: ۸/۸۶، دار عرفات، ٹکڑ کلاں رائے بریلی (الہند)

(۲) تلخیص مقالات شبلی صدی ۱۱۶، دارالمنصفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، یوپی (الہند)

سید محمد امین نصیر آبادیؒ سے جو نفع پہنچا اور عقائد و اعمال کی جو اصلاح ہوئی اس کے اثرات رائے بریلی، پرتاب گڑھ، سلطان پور، جون پور، اعظم گڑھ کے قصبات و دیہاتوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، ان کے مریدین میں جو تشرع و استقامت، فرائض کی پابندی اور دینی پیشگی ہے، اس کی مثال کم ملے گی، گوہر قوم کی اصلاح و تربیت ان کا بڑا کارنامہ ہے، آپ اپنے زمانہ میں حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کے (جن سے آپ حضرت سید ضیاء الدینیؒ کے واسطے سے بیعت ہیں) چاشین اور ان کے غمونہ کامل تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں آپ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ (۱)

مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ بڑی سختی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتے تھے، اصلاح و تربیت میں ارشاد و تلقین ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اگر آپ ضرورت محسوس کی جاتی تو قوت بازو سے بھی کام لیتے تھے، اور حدیث نبوی: ”من رأى منكم منكراً فليغيره بيده“ پر عمل کرتے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

”اس وقت اسلاف کی زندہ یادگار اور ایک عالم ربانی ہمارے خاندان میں موجود تھے جن کا اسم گرامی مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ ہے..... اپنے عہد کے ممتاز ترین حامی سنت اور ماحی بدعت تھے،

اور ”من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فمن لم يستطع

فبلسانه، ومن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الايمان“

کے حکم کی تعمیل میں وہ اس کے پہلے جزء تغیر بالید ہی پر عمل کرنے کی

کوشش کرتے تھے، دونوں بعد کے درجوں کی نوبت کم ہی آتی

ہوگی..... ان کی ذات سے بڑی اصلاح ہوئی، ہزاروں آدمی شعائر اسلام کے پابند، سنتوں پر کاربند اور بدعات سے تائب و مجتنب ہوئے، اللہ تعالیٰ نے بڑی وجاہت اور قبولیت عطا فرمائی، اور انہوں نے اپنے حلقہ ارادت میں ایک چھوٹی سی شرعی حکومت قائم کر لی تھی جس میں شریعت ہی کا قانون چلتا تھا“۔ (۱)

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ بڑے جاہ و جلال اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے، آج ایک طویل مدت گزرنے کے بعد بھی آپ کے واقعات زبان زد خواص و عوام ہیں، مولانا اعجاز احمد اعظمی (سابق استاذ مدرسہ دینیہ غازی پور) فتح پور تال نرجا میں علماء و مشائخ کی آمد و رفت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”کبھی کبھی حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ تشریف لایا کرتے تھے، مولانا جب تشریف لاتے تو عرصہ تک اس اطراف میں ان کا قیام رہتا، مواضعات میں یکے بعد دیگرے سفر فرماتے، حق تعالیٰ نے مولانا کو شاہانہ و بدبہ اور جاہ و جلال عطا فرما رکھا تھا، جس طرف نکل جاتے دینداری کی باد بہاری چل جاتی، منکرات و فواحش سر چھپا لیتے، نبی عن المنکر میں مولانا کا ایک خاص انداز تھا، ان کے و بدبہ حق کے سامنے بڑے بڑوں کا زہرہ آب ہو جاتا، سامنے سے اگر کوئی ٹخنوں سے نیچے پا جامہ لنگی کر کے گزر جاتا تو بلا کر زائد کپڑا قینچی سے کٹوا دیتے، کوئی مسلمان بڑی موچھیں رکھے ہوئے ہوتا تو اسے بھی ترشوا دیتے، مجال نہ تھی کہ کوئی دم مارتا، بدعات و رسوم کے سخت مخالف تھے، ان سے بہت اصلاح ہوئی تھی“۔ (۲)

صحیح بات یہ ہے کہ آپ اپنے عہد کے کاروان اصلاح و تربیت اور دعوت و

(۱) کاروان زندگی: ۱/۱۰۶، مکتبہ اسلام، گوئن روڈ۔ لکھنؤ

(۲) حیات مصلح الامۃ: ۲۶، حالات مصلح الامۃ: ۱/۴۳، ادارۃ الاشاعت، الہ آباد

عزیمت کی صفوں میں بلند وبالا مقام کے حامل تھے۔ اصلاحی و تربیتی اور دعوتی و ارشادی سلسلہ کو شیراز ہند جون پور میں مولانا ابوبکر محمد شیت فاروقی جون پوری نے آگے بڑھایا، اور عمومی طور پر آپ کی تحریک اصلاح و ہدایت کو مولانا محمد سعید نصیر آبادی، مولانا منیر احمد پغمائی اور مولانا محمد شفیع سرائے میری نے بطور امانت آئندہ آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ حضرت مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی کے مریدین و متوسلین اور ارادت مندوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔

فقہی بصیرت اور خدمات

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی قدس سرہ نے درسیات کی تکمیل ۱۲۹۶ھ میں علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنؤی کے یہاں کی تھی، یعنی مولانا نے اکیس سال کی عمر میں علوم مروجہ کی تحصیل کر لی تھی، اس وقت سے بلکہ درسگاہ نظامی میں حصول علم کے وقت سے دروس و اسباق پڑھایا کرتے تھے، آپ کے استاذ مکرم کو آپ پر پورا اعتماد تھا، اس لیے کہیں جاتے تو آپ کو اپنی جگہ پر بٹھا کر جاتے تھے، اس وقت سے زندگی کی آخری بہار تک درس و تدریس، وعظ و نصیحت، اصلاح و تربیت، عقائد و اعمال کے بگاڑ کی اصلاح و درستگی میں مشغول رکھا، مولانا ہشت پہل گنبد تھے، ایک طرف ایک بڑے محدث و اصولی تھے، تو دوسری طرف ایک بڑے فقیہ بھی تھے، فقہ و فتاویٰ کی کتابوں پر گہری نظر رکھتے تھے، مسائل کی تنقیح کرتے اور قرآن و احادیث سے تطبیق دیتے تھے، مولانا کی فقہی بصیرت اس سے نمایاں ہوتی ہے کہ جن احادیث سے مسائل کا استنباط اور استخراج ہوتا ہے ان کو اپنے فتویٰ میں نقل فرماتے ہیں، مولانا کو اپنے عہد میں فقہ و فتاویٰ کے میدان میں بھی بڑی مرجعیت حاصل تھی، جس طرح آپ سے پہلے حضرت مولانا سید محمد ظاہر فقیہ حسنی (المتوفی ۱۲۷۸ھ) خلیفہ امام ربانی سید احمد شہید قدس سرہ، دیار شرقیہ میں سب سے بڑے مرجع تھے، اس لیے ہر طرف سے ہر طرح کے سوالات اور استفتاءات آتے تھے، ہندوستان کے کونے کونے سے سوالات

مسائل اور معاملات کے حل اور تصفیہ کے لیے آتے تھے، مولانا ان سوالات کے جوابات پوری تحقیق و تنقیح کے ساتھ دیتے تھے، آپ قلم برداشتہ جوابات لکھ دیتے تھے، ہزاروں احادیث شریفہ حفظ تھیں، اور بہت سی کتب فقہیہ دماغ میں محفوظ تھیں، آپ کے برادر کلاں مولانا حکیم سید محمد متین نصیر آبادی کا بیان مولانا اصلاحی نے نقل کیا ہے:

”بھائی [مولانا سید محمد امین حسی نصیر آبادی] نے حرف بحرف کامل

صحیحین مجھ کو زبانی سنایا تھا“۔ (۱)

مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

”فن رجال جو مسلمانوں کا سرمایہ کمال تھے، حضرت سید اس کے حافظ تھے، گویا میزان الاعتدال ذہبی، و تہذیب العہدیب کے اوراق سامنے کھلے ہوئے ہیں۔“

اور خود حضرت نصیر آبادی کا بیان ہے کہ میں نے استاد مرحوم کے کتب خانہ کو تین

بار مطالعہ کیا ہے۔ (۲)

اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس کتب خانہ میں تمام علوم و فنون کی ساری کتابیں موجود ہیں، حضرت نے تین بار اس کا مطالعہ کیا، اور اس کو دماغ میں محفوظ فرما لیا، حضرت کی قوت حافظہ اور ذہانت و دماغ اور تبحر علمی کا ہلکا سا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مولوی عبدالحق موحدرائے بریلوی وغیرہ آپ کے شاگردوں نے طے کیا کہ لاؤ ایک بیاض میں آپ کی وہ حدیثیں بحذف مکررات لکھ لی جائیں جو اثنائے وعظ میں پڑھتے رہتے ہیں، چنانچہ یہ کام شروع ہوا کئی سال کی پیہم کاوش و سعی سے ۳۰ (تین) ہزار، اور بروایت ۶۰ (چھ) ہزار احادیث مجلس میں لکھی گئیں، اور پھر گھبرا کر یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا، یہ تذکرہ حضرت سید کے روبرو ہوا، مسکرا کر فرمایا: ”لکھتے رہتے تاکہ مجھے بھی اندازہ ہو جاتا کہ کتنی روایتیں محفوظ ہو چکی ہیں۔“

آپ اپنے دئے ہوئے فتویٰ میں حق کا اظہار بڑی شدت کے ساتھ کرتے، اور اپنے مسلک و مشرب کے اظہار و بیان میں بڑے سخت واقع ہوئے، اپنے موقف پر پوری قوت کے ساتھ قائم رہتے تھے، مجالس و عہد میں بھی آپ نادر و لطیف نکتہ، فقہی و علمی مسائل پر مجتہدانہ انداز میں بیان فرماتے، اہل علم اور عوام دونوں اثر میں ڈوب جاتے تھے، ایک مسئلہ میں بحث ہوتی تو جب تک وہ بحث ختم نہ ہوتی دوسری شروع نہ فرماتے تھے، کبھی ضرورت پڑنے پر ہفتوں اور کبھی مہینوں ایک ہی موضوع پر بحث کرتے تھے، اور لوگوں کے لیے اس مسئلہ کی نسبت اطمینان اور تشفی بخش بحث فرماتے تھے، اس سے علماء و فضلاء کے علاوہ عوام بھی دل چسپی لیتے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ اور ان کا مقام

مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ کو جس طرح حدیث و علوم حدیث اور فن اسمائے رجال میں اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل تھا، اسی طرح فقہ و فتاویٰ میں آپ کا مقام و مرتبہ کچھ کم نہ تھا، فقہی متون اور شروح پر بڑا عبور تھا، ایک سوال رؤیت ہلال کی بابت رنگون ملک برما سے آیا تھا، اس کا جواب مجتہدانہ انداز میں دیا تھا، اس جواب کے موصول ہونے پر مولانا عبدالحی رنگونی نے مکتوب بھیجا کہ آپ کو اللہ نے قوت اجتہاد بخشی ہے۔ (۱)

مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے ملک برما [موجودہ نام مینمار ہے] اور ملتان [موجودہ پاکستان کا ایک اہم صوبہ ہے] کا دعوتی و اصلاحی اور تبلیغی سفر کیا، وہاں کے لوگوں میں ایمانی و مذہبی بیداری اور آخرت کا احساس پیدا کیا، وہاں کے مشہور نزاعی مسئلوں کو حل کیا، وہاں کا ایک نزاعی مسئلہ یہ بن گیا تھا کہ زکوٰۃ کے روپے مسجد کی تعمیر یا اس کے کسی کام میں خرچ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ عدم جواز کا ہے، مگر وہاں کے مقیم بعض علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا، حضرت نصیر آبادیؒ نے عدم جواز کا فتویٰ دلائل و براہین سے مزین کر کے دے دیا، اور نماز جمعہ سورتی جامع مسجد

میں پڑھنے سے انکار کر دیا، حضرت نصیر آبادیؒ نے کئی بار ملتان کا سفر کیا، اور وہاں بھی اپنے معمول کے مطابق شرک و بدعات اور رسوم و روایات کے خلاف نہایت مؤثر وعظ فرمایا، وعظ سے ہزاروں لوگ متاثر ہوئے اور صد ہا لوگوں نے توبہ کی، اور بہت سے لوگوں نے اپنی خفگی کا اظہار کیا، مناظرہ تک کی توبہ آگئی، اور وعظ کے دوران سات سوالات پیش کئے گئے، آپ نے ان سوالوں کے جوابات کتب حنفیہ معتبرہ سے مدلل و مبرہن کر کے دیا۔ اور لوگوں نے اس کا اثر لیا، اور دعوتی نقطہ نظر سے بڑا فائدہ ہوا۔

جمعہ کے روز آپ وعظ فرماتے تھے، وعظ کیا تھا؟ شرک و بدعات سے بیزاری، اور اتباع شریعت، پیروی سنت کی تعلیم و تلقین، اور شرعی احکامات کا بیان ہوتا تھا، کبھی علمی تحقیق و تفہیم میں لوگوں پر سخت جرح بھی کرتے تھے، کسی ایک مسئلہ کو بیان کرتے تو اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے دوسری بحث شروع نہ فرماتے تھے، اور مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ نے لکھا ہے کہ ۱۹۲۲ء کے قریب قریب مسئلہ جمعہ فی القرئی پر کئی کئی ہفتے گفتگو کرتے رہے۔ اسی طرح خیر آباد میں مسئلہ متراج پر، اور معجزات کے بارے میں مسئلہ شق القمر پر وعظ ہوا تھا، آپ کے خداداد حافظہ پر حیرت ہوتی تھی کہ خدایا یہ علوم و فنون کا کتب خانہ ہے یا کوئی عہد اول کی یادگار ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے اپنے استاذ مکرم مولانا عبد الرحمن نگرانی ندویؒ [سابق استاذ مدرسۃ الاصلاح سرانے میر، ودارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ] کا قول نقل کیا ہے کہ ”میں نے اب تک کوئی رسالہ بھی اتنی جامعیت کا نہ پڑھا تھا اور وعظ تو سنا ہی نہیں کہ مسائل علمی پر اس تحقیق اور انصاف کے ساتھ کہا جاتا ہو۔“ (۱)

حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ نے غالباً سندی سال سے ہی فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا، فرنگی محل میں دارالافتاء کے نام سے کوئی شعبہ مستقل طور پر نہیں تھا، لیکن علمائے فرنگی محل کے فتاویٰ سکہ رائج الوقت سے کچھ کم نہیں تھے، خود حضرتؒ کے استاذ علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کے پاس سیکڑوں فقہی و دینی سوالات اور

استفتاء آتے تھے، اور پورے دلائل و براہین سے آراستہ کر کے جوابات دئے جاتے تھے، علامہ فرنگی نعلیؒ کی افتائی مہارت مسلمہ ہے، بڑے سے بڑا مسئلہ اور معرکہ الآراء استفتاء کا جواب بڑی ہی آسانی سے دے دیا کرتے تھے، قرین قیاس یہ ہے کہ مولانا نصیر آبادیؒ نے افتاء کی مشق و تمرین علامہ عبدالحی کے پاس کی ہوگی، اور علامہ اس کی تصویب اور تصحیح کرتے ہوں گے، اگرچہ اس کی کہیں صراحت نہیں ملتی اور نہ ہی راقم کے پاس کوئی شہادت و دلیل ہے، یہ عہد مکاتب فکر کے درمیان علمی و فکری جنگ اور مناظروں کا تھا، اس وقت علمائے دیوبند میں سے مشاہیر علمائے خمسہ کے خلاف مولوی احمد رضا خان بریلوی اور ان کے اتباع و انصار نے تکفیر کا فتویٰ دیا تھا، مولوی قاری عبد الرؤوف خاں جکپوری [مدرس مدرسہ تعلیم الدین رنگون صوبہ برہما] نے علمائے ہند سے استفتاء لکھ کر جواب مانگا تھا، جو بعد میں دارالقضاؤں سے حاصل بعض فیصلے کو ”فیصلہ خصوصیات از محکمہ دارالقضات“ کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں طبع کیا گیا، جکپوری کے جواب میں ایک سو چالیس کی تعداد میں جوابی فتاویٰ موصول ہوئے تھے، اس رسالہ میں ان علماء و مفتیان کے اسمائے گرامی دئے گئے ہیں، ان میں ایک نام ترتیب نمبر تین سو سات (۳۰۷) پر ”محمد امین غفی عنہ“ مرقوم ہے، (۱) ممکن ہے کہ حضرت سید نصیر آبادی کا ہی نام نامی اسم گرامی ہو۔

فقہی مناظرہ

مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ اپنے مسلک کو بیان کرنے میں بہت سخت تھے، کبھی کبھی فقہی مسئلوں میں مناظرہ تک کی نوبت آ جاتی تھی، مولانا سید نصیر آبادیؒ نے ایک فقہی مسئلہ میں مولانا محمد یحییٰ نگرانیؒ سے تحریری مناظرہ کیا ہے، اور یہ مسئلہ شروع سے فضیلت اور عدم فضیلت کی رد و کد کا شکار ہے، کہ عمامہ باندھنا مسنون عمل ہے، احادیث مبارکہ میں اس کے فضائل بیان ہوئے ہیں، ایک ضعیف روایت میں ہے کہ

(۱) فیصلہ خصوصیات از محکمہ دارالقضات: ۲۸، کتب خانہ امداد الغرباء، سہارنپور

وہ نماز جو عمامہ باندھ کر پڑھی جاتی ہے ناباندھ کر پڑھی جانے والی نماز سے ستر رکعتوں سے افضل ہے، اس روایت کو بعض محدثین نے موضوع لکھا ہے، مولانا نصیر آبادیؒ عدم فضیلت کے قائل تھے جبکہ مولانا محمد یحییٰ نگرانیؒ زیادہ فضیلت و ثواب کے قائل تھے، افسوس کہ ڈاکٹر محمد یونس نگرانیؒ نے فریقین کے رسائل دیکھے بغیر لکھ دیا:

”ایک عرصہ دونوں طرف سے رسائل شائع ہوتے رہے، مولانا محمد

امین نصیر آبادیؒ کی طرف سے جو رسائل شائع ہوتے تھے، عموماً ان کا

لب و لہجہ درست اور تلخ ہوتا تھا“۔ (۱)

مولانا اصلاحیؒ نے عمامہ کے موضوع پر صرف آپ کی ایک کتاب ”الاسوۃ الحسنہ فیما ثبت بالنسۃ“ کا ذکر کیا ہے جبکہ ڈاکٹر موصوف کی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر متعدد رسائل طبع ہوئے، اس پر بحث سید صاحب احوال و آثار میں ہوگی۔ ملتان میں بھی مناظرہ تحریری شکل میں ہوا، ان سوالوں کے جوابات قرآن مجید و احادیث مبارکہ اور کتب فقہیہ سے مدلل کر کے دئے، اور ایک مختصر رسالہ کی صورت میں یہ جوابات شائع کئے گئے، (۲) افسوس کہ یہ رسالہ نایاب ہی نہیں اب ناپید ہے، مولانا اصلاحیؒ نے مجموعہ کے ساتھ شائع کرنے کا ذکر کیا ہے، ممکن ہے مولانا کے ذاتی کتب خانہ میں اس کا کوئی نسخہ محفوظ رہا ہو۔ مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ کے ایک شاگرد مولانا حافظ محمد حسن سہرانیؒ نے اپنے استاد مکرم کی تائید و حمایت میں دو رسائل تحریر کئے تھے، ایک کا نام ”نفحة الغمام لكشف ما في نفحة الشمام" اور

دوسرے رسالہ کا نام ”تذكرة العمائم لأولی الغرائم" ہے۔ شیراز ہند جون پور میں بھی اتفاقاً اسی طرح کا ایک مناظرہ ہوا، اس میں تمام لوگوں کو حضرت سید امین صاحب

(۱) تذکرہ مولانا محمد اولیس نگرانیؒ: ۳۰، مکتبہ طیبہ، لکھنؤ، راقم نے ان رسائل کا نام ”رسائل مسئلہ عمامہ“ دیا ہے، یہی نام فہرست میں دیا جائے گا، مولانا نگرانیؒ اور سید صاحب کے ایک دو رسالے راقم کے پاس ہیں۔ (۲) یادگار سلف: ۷۲، مطبوعہ معارف

پریس، اس کا نام راقم السطور نے تصانیف کی فہرست میں ”رسالہ حق نما“ دیا ہے۔

نصیر آبادی کی بات ماننی پڑی، اور بدعات کے بارے میں ان کو یہ لکھنا پڑا کہ:
”بدعة سیئة، لا اصل لها فی الكتاب والسنة“.

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بڑی مسجد ایودھیہ نزد حزر شاہ ابراہیم کے دوران مقدمہ پیروی حضرت شاہ عبداللطیف سٹھویؒ کی ملاقات حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ سے ہوئی، دونوں حضرات کے مابین کسی بات پر اختلاف رونما ہوا جس نے بحث کی صورت اختیار کر لی، اور مباحثہ کی تاریخ بھی طے ہو گئی، بعد میں حضرت شاہ عبد اللطیفؒ کو احساس ہوا اور انہوں نے اس اختلافی مسئلہ میں حضرت نصیر آبادیؒ کے مسلک کو اپنایا، اور مسلک کی تائید ہی نہیں کی بلکہ ایک مکتوب بھی بھیجا جس میں آپ نے تحریر فرمایا:

”آپ سید ہیں، ایک عالم ہیں، آپ کا میرا خیال ایک ہے، صرف کچھ طریقوں میں میرا آپ کا اختلاف ہے، لہذا میں آپ کو اطلاع کرتا ہوں کہ بے مباحثہ ہی میں آپ کی باتوں کی طرف راغب ہو گیا ہوں، اب میرے اور آپ کے درمیان کسی مزید مباحثہ کی ضرورت نہیں ہے۔“ (۱)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کے معمولات میں لکھا ہے:
”اشراق وغیرہ سے فارغ ہو کر مکان میں تشریف لے جاتے، اور اس کے نصف گھنٹہ کے بعد مریضوں کا علاج و معالجہ کرتے تھے، اس کے بعد خطوط اور فتاویٰ کے جوابات لکھتے تھے۔“ (۲)

مولانا اصلاحی نے مزید لکھا ہے:

”تو اسی اسفار اور کثرت اشغال سے جب فرصت ملتی، فتاویٰ اور

(۱) تذکرہ شاہ عبداللطیف سٹھویؒ: ۴۱، ماسٹر سید اشفاق احمد (باغ میراں، بٹھواں) سنہ طباعت: ۱۹۹۵ء، ناشر: ضیاء پبلی کیشن، بیگور مارگ لکھنؤ (۲) یادگار سلف: ۹۸، مطبوعہ معارف پریس

خطوط کے جوابات میں مصروف رہتے۔“ (۱)

یہ فتاویٰ آپ کے عجیب و غریب قوت حافظہ اور وسعت نظر کے نمونے ہیں، بعض سوالات کے جوابات مختصر اور بعض کے مفصل ہیں، لوگوں کی طرف سے مسلسل فقہی سوالات آتے تھے، اور آپ مدلل اور مبرہن کر کے جوابات دیتے تھے۔

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کی فقہی خدمات کے بارے میں یہ بات آچکی ہے کہ آپ نے زمانہ طالب علمی سے ہی تقریباً فتویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا تھا، اور بالفرض یہ مان لیا جائے کہ آپ نے پچیس سال کی عمر میں جب تدریس و افتادہ کے لیے بیٹھ گئے تھے، اس وقت سے فتاویٰ نویسی اور افتاء کی گراں قدر خدمات شروع کی، اور زندگی کے آخری ایام تک افتاء کا کام انجام دیا ہے، تو اس حساب سے افتائی خدمات ۴۰/۴۵ سال ہوتے ہیں، کتنے استفتاء اور فقہی و دینی سوالات آتے رہے ہوں گے، مگر اس مجموعہ کے علاوہ کسی اور مجموعہ کا پتہ نہیں چلتا، اس لیے یہ بتانا نہایت مشکل ہے کہ حضرت سید نصیر آبادیؒ کے فتاویٰ کی تعداد کیا ہے؟ صرف چالیس سال ہی مان لیا جائے اور ایک سال میں ۵۰ فتاویٰ کا حساب مانا جائے تو فتاویٰ کی تعداد ۲۰۰۰/۲۰۰۰ دو ہزار ہوتی ہے، مگر یہ قصہ اب پارینہ ہو چکا ہے، جب سرمایہ ہی نہیں تو حساب اور قیاس آرائی بے سود ہے، اس سے ضائع شدہ سرمایہ پر افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کاش کہ مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کا علمی سرمایہ آج محفوظ ہوتا تو لوگ آپ کی ہدایات، ارشادات اور افادات سے فائدہ اٹھاتے۔

زمانہ کے دستِ ظلم سے جو مجموعہ محفوظ رہ گیا تھا اس کو مولانا اصلاحیؒ نے ایک جگہ جمع کر دیا تھا، آپ کا جمع کیا ہوا یہ مجموعہ تقریباً سوا دو سو صفحات پر پھیلا ہوا تھا، مولوی حافظ محمد کاظم نصیر آبادیؒ نے حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے حوالہ لکھا ہے:

”مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے بتایا کہ ہم لوگ مولانا نجم الدین صاحب اصلاحیؒ سے ملے تو آپ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی

حسینی ندویؒ کو حضرت سید صاحبؒ کا مجموعۃ الفتاویٰ ایک خاندانی امانت سمجھ کر حوالہ کر دیا تھا۔ (۱)

افسوس اس بات پر ہے کہ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کی زندگی میں کوئی ایک بھی فقہی مجموعہ مرتب نہ ہو سکا، مولانا اصلاحیؒ کے مجموعہ کے علاوہ کسی مجموعہ کا خواہ مختصر ہو یا بڑا علم نہیں ہے، اس زمانہ میں کسی مسئلہ پر فتویٰ لینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک مستفتی تمام مشاہیر علمائے کرام اور مفتیان عظام سے فتاویٰ موصول کرتا تھا اور ان تمام کو ایک جگہ رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا جاتا تھا، ممکن ہے کہ مولانا کے بہت سے فتاویٰ اس طرح بھی شائع ہوئے ہوں، اگر تحقیق و جستجو اور تلاش کیا جائے تو ممکن ہے کہ کچھ نہ کچھ فتاویٰ دستیاب ہوں۔

موجودہ مجموعۃ الفتاویٰ وہی مجموعہ ہے جس کو مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو ایک تاریخی اور خاندانی امانت جان کر حوالہ کر دیا تھا، اس مجموعہ کی حفاظت کی گئی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ

”الانسان یدبر واللہ یقدر“

اور یہ مجموعہ بھی زمانہ کے ستم اور ظلم سے محفوظ نہ رہ سکا، اور جو حصہ گردش ایام کی نذر ہونے سے بچ گیا، وہ مجموعہ (۱۶۳) صفحات پر پھیلا ہوا ہے، یہ مجموعہ استاد گرامی و مربی مولانا سید بلال عبدالحی حسینی ندوی مدظلہ العالی کے ذاتی کتب خانہ میں بعض خاندانی مخطوطے اور مسودے کے ساتھ محفوظ رکھا ہوا تھا، استاد گرامی مدظلہ العالی نے اسلاف شناسی کا حق ادا کرتے ہوئے راقم سطور کو اس کی تحقیق و تعلیق اور ترتیب و تدوین کے لیے اس کے عکسی نقول عنایت فرمائے، راقم سطور کی سعادت کی بات ہے کہ اس کو ترتیب و تدوین اور تخریج اور تحقیق و تعلیق کا موقع میسر ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کے ان فتاویٰ میں سے بعض سے فقہیانہ شان بالکل نمایاں ہے، مثلاً مسئلہ مفقودۃ الزوج ہے، اس سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی

تھانویؒ نے ”الحيلة الناجزة للمرأة العاجزة“ نامی کتاب تصنیف فرمائی، اور حضرت نصیر آبادیؒ نے غالباً حضرت تھانویؒ سے پہلے اس مسئلہ میں دوسرے مسلک کو اختیار کیا، اور آپ اس مسئلہ میں مالکی مسلک پر ہی فتویٰ دیا کرتے تھے، یہ فتویٰ اسی مجموعہ میں شامل ہے، جمعہ فی القرئی میں محدثین اور شوافع کے مسلک پر قائم تھے، اور آپ کے زیر اثر اضلاع میں جمعہ فی القرئی پر عمل کیا جاتا ہے، آج بھی ان مساجد میں جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں جہاں حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی نے جمعہ قائم فرمایا تھا، مولانا ریاست علی چھانویؒ نے آپ کے اس تفرد کی تائید و تصویب میں ”مفید الانام“ کے نام سے ایک جامع اور مدلل رسالہ لکھ کر شائع کیا۔ اس میں کوئی دورانہ نہیں ہے کہ حضرت مولانا نصیر آبادیؒ مسلک احناف کے کبار علماء میں سے تھے، آپ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت حنفی عالم دین تھے، بعض فتاویٰ میں آپ نے نام کے آگے حنفی بھی تحریر فرمایا ہے، البتہ آپ اس وقت کے دیگر بہت سے علمائے کرام کی طرح مقلد جامد نہیں تھے، بلکہ آپ کو مجتہدانہ مقام حاصل تھا، اس لیے ہر مسئلہ کو قرآن و سنت سے تطبیق دیتے تھے، احادیث و آثار کا تتبع کرتے تھے، اور جو مسئلہ احادیث و آثار کی روشنی میں صحیح ہوتا اسے اختیار فرماتے تھے، اگرچہ وہ مسلک احناف کے خلاف کیوں نہ ہو، چنانچہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے آپ قائل تھے، اسی طرح کنواں کے مسائل میں امام شافعی و مالک اور احمد بن حنبل کے مسلک کی اتباع کرتے تھے، اسی طرح سے آپ نمازیں اول وقت میں پڑھتے تھے۔ (۱)

بعض مسئلوں میں حضرت نصیر آبادیؒ کی الگ رائے اور عمل کی وجہ جدید مسلک عمل بالحدیث کی طرف انتساب آپ کی مجتہدانہ شان حالی مقام پر ایک بدنمادارغ سے کم نہیں، حقیقت وہی ہے جس کو مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ نے لکھا ہے کہ آپ فتویٰ مذہب حنفی پر دیتے تھے۔ لیکن خود کیا تھے یہ ذرا اہم اور پیچیدہ سوال ہے۔ (۲)

(۱) یہاں پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوئی بغدادی کے مسلک میں متذکرہ مسائل کی اساس قیاسی نہیں بلکہ قرآن مجید اور احادیث شریفہ اور آثار صحابہ اور اقوال تابعین ہیں۔

(۲) یادگار سلف: ۳۸، مطبوعہ معارف پریس

یہاں اس کی وضاحت ناگزیر ہے کہ مولانا اصلاحی کی اطلاع کے آخری جزء سے عمل بالحدیث مراد لینا کسی بھی ناجیہ سے درست نہیں ہے کیونکہ حضرت سید نصیر آبادیؒ اپنے استاذ عالی مقام فخر الاسلام علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ اور حجت الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے متاثر تھے، اور آپ کے فتاویٰ اور وعظ و نصیحت میں ان حضرات کی تحقیق و تفہیم کے اثرات نمایاں ہیں، اس لیے یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آپ علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے مسلک پر قائم تھے، اس کا اندازہ آپ کے رسائل اور فتاویٰ سے لگایا جاسکتا ہے، اور ساتھ ہی اس کی وضاحت آپ نے اپنے ایک مکتوب میں فرمائی ہے۔ مکتوب کا آخری حصہ یہاں افادہ کے لیے درج ہے۔

”مسلك فقير مسلك شفاء ولي الله ومولانا فرنگي

محلي است، چنانچه بمجموعه الفتاوى بريس

منوال رفته ام واين روش اختيار کرده ام“۔ (۱)

جن حضرات نے آپ سے استفتاء حاصل کئے ہیں ان میں اپنے عہد اور زمانہ کے بڑے بڑے علمائے کرام، مفتیان عظام، قضاۃ کے علاوہ بزرگان دین بھی شامل ہیں، حضرت مولانا عبدالعلی نگرانی خلیفہ حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یحییٰ نگرانیؒ، مولانا عبدالحی سورتی ثم رگوییؒ، قاضی سید چراغ علی قادریؒ، قاضی محمد مظہر جاسی اور خود آپ کے پیرو مرشد برحق قطب الارشاد حضرت شاہ سید ضیاء النبی رائے بریلوی قدس سرہ جیسے حضرات اکابر کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کے ماہرین علماء بھی بہت سے مسئلوں میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت سید نصیر آبادیؒ ایک ہی وقت میں محدث کبیر بھی تھے اور فقیہ عالی مقام بھی۔ مدرسہ اور دار الافتاء وہی آپ کی مسجد یا گھر تھا، یقیناً ہندوستان کے طول و عرض سے آپ کے پاس

(۱) مکتوبات ایضی، مخطوطہ غیر مطبوعہ، یہ مکتوب بلحاظ ترتیب آخری ہے۔

بکثرت استفتاء آتے تھے۔ آپ جواب لکھتے تھے، جواب میں عموماً ”هو المصوب، هو الموفق، هو الموفق والمعین“ اور اخیر میں ”والله أعلم بالصواب“ اور کبھی ”والله أعلم، وعلمه أتم“ لکھتے تھے، اور اسی کے ساتھ ”حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد أمين حسنی الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الجلی والمبین“ لکھتے تھے، اس سلسلہ میں سید السادات حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے عام طور پر اپنے محبوب استاذ گرامی علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا اتباع کیا ہے، علامہ موصوف فتویٰ کے اخیر میں ”والله أعلم، حرره الراجی عفو ربہ القوي أبو الحسنات عبد الحي تجاوز الله عن ذنبه الجلی والنجفی“ لکھتے تھے، اور کبھی سوال کی مناسبت سے دوسرے الفاظ لکھتے تھے۔

تالیفات و تصنیفات

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی قدس سرہ کی معنوی اولاد و احفاد یعنی طلبہ و مریدین کی ایک بڑی تعداد ہے، جن کے ذریعہ آپ کا روحانی فیض تا قیامت جاری و ساری رہے گا، ان مادی یادگاروں کے علاوہ عربی و فارسی اور اردو زبان میں متعدد تصنیفات یادگار ہیں، یہ تالیفات اور تصنیفات اگرچہ ضخامت اور کمیت کے لحاظ سے زیادہ نہیں ہیں، لیکن کیفیت اور اقا دیت کے لحاظ سے بہت قیمتی ہیں اور بہت سے علوم اور فنی مباحث و مطالب کو حاوی ہیں، یہاں پر ان کے نام دئے جاتے ہیں تاکہ ایک نظر میں نگاہوں کے سامنے آجائیں، اور اندازہ لگایا جاسکے کہ اصلاحی و دعوتی جدوجہد کے ساتھ ایک بڑا تحریری سرمایہ بھی اپنے پیچھے چھوڑ کر گئے، آپ کی بہت سی علمی کاوشیں گوشہ گنہامی کی نذر رہو گئیں۔

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ، اس مجموعہ کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں آچکی ہیں۔

(۲) تفسیر سورۃ بقرہ، یہ تفسیر عربی زبان میں لکھی ہے، مولانا نے یہ تفسیر سلف صالحین کے اصول و طریقہ پر لکھی ہے، مولانا اصلاحی نے اس کے بعض اجزاء دیکھے

ہیں، مولانا موصوف نے لکھا ہے:

”خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ جو آیتیں سورہ بقرہ میں ایسی ہیں کہ ان کے ہم معنی دیگر آیات موجود ہیں، سب کو اکٹھا کر کے پوری بحث فرمائی ہے، جس سے ہر آیت ایک ہی سلسلہ کی کڑی نظر آتی ہے۔“ (۱)

حضرت کے انداز بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن کی قرآن اور احادیث صحیحہ سے تفسیر کرنا آپ کا مذہب ہے، اسرائیلی روایات سے گریز کیا گیا ہے، فقہی اجتہادات میں آپ نے استنباط سے کام لیا ہے، اور بعض جگہ متاخرین پر جرح فرمائی ہے، اس میں صاحب فتح القدیر، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم حنبلی اور امام ابن حزم ظاہری سے زیادہ لگاؤ اور دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔

(۳) مجموعہ احادیث، مولانا اصلاحی نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ یہ ایک بڑی بیاض ہے جس میں ان احادیث کو اکٹھا کیا ہے جو عقلاً و نقلاً بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہے، ان کی توجیہ کرتے ہوئے درایت و عقل پر عجیب و غریب تحقیقات محدثانہ انداز میں فرمائی ہیں، بخاری شریف کے بعض تراجم کا ذکر ضمناً آگیا ہے، سنن و آثار کے حجت ہونے پر معلومات کا انبار لگا دیا ہے، ساتھ ہی چالیس (۴۰) روایات کا ایک مختصر مجموعہ بھی ہے جو جملہ امور دینی و دنیوی کو حاوی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مجموعہ مولانا اصلاحی کے پاس ذاتی کتب خانہ میں آج بھی مخطوطہ کی صورت میں ہی محفوظ ہو۔ کیونکہ مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

”یہ مجموعہ میری زندگی کا سہارا ہے۔“ (۲)

(۴) حاشیہ مواقف، اس کتاب میں عجیب و غریب حقائق کلامی کا ثبوت دیا ہے، عقائد حقہ کو صحیح عقل و نقل سے تطبیق دے کر صاف اور سلیس عربی میں لکھا ہے، اور اس حاشیہ سے ساتھ ہی متذکرہ باتوں کے آپ کی ذہانت اور قوت حافظہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کس قدر ذہین تھے، اور کیسی رسا طبیعت پائی تھی، بڑے سے

بڑے اور پیچیدہ مسئلہ کو بڑی خوبی اور آسانی سے سلجھا دینا تو گویا آپ ہی کا حصہ تھا۔ مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

”اگر زمانہ نے مساعرت کی تو اس طرح کی جملہ چیزیں رفتہ رفتہ شائع کر دی جائیں گی۔“ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حاشیہ مواقف آپ ہی کے پاس محفوظ ہے، اس کا علم نہیں ہو سکا کہ یہ حاشیہ بعد میں شائع کیا گیا تھا؟۔ اس کا امکان ہے کہ آج بھی مولانا اصلاحی کے ذاتی کتب خانہ میں ہوا اگرچہ خستہ حالی کی صورت میں ہو۔

(۵) اسوۂ حسنہ فیما ثبت بالسنتہ، یہ رسالہ عربی میں ہے، حضرت کے زمانہ میں شائع بھی ہو چکا ہے، اس کا موضوع بحث مسئلہ فضیلت وعدم فضیلت عمامہ در نماز ہے، مولانا اصلاحی نے لکھا ہے کہ کسی صاحب نے یہ استفتاء کیا تھا کہ کیا وہ نماز جو عمامہ کے ساتھ پڑھی جائے، بے عمامہ والی نماز پر کوئی مزید فضیلت رکھتی ہے؟ اور اسی ضمن میں ایک حدیث، عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت کی بھی فتویٰ نقل کر کے جواب چاہا گیا تھا، حضرت مولانا سید نصیر آبادی نے فتویٰ کا جواب محققانہ دے کر یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ اہل علم کے پڑھنے کے لائق ہے، آج بھی یہی مسئلہ بعض جگہوں میں ہے اور بڑی شدت سے فضیلت والی بات کو بیان کر کے انتشار کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے، کیا ہی بہتر ہوتا کہ یہ رسالہ حاصل کیا جائے اور زمانہ کے ذوق کے مطابق اشاعت و طباعت کا اہتمام کیا جائے۔

(۶) قاطع الشک والبرہۃ (۷) رد الاختلا والاختراعات

(۸) براہین ساطعہ وحجت قاطعہ (۹) رسالہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ان چاروں رسائل میں عقائد سلف کے تمسک اور بدعات سے اجتناب پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، اور خود ساختہ عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ مولانا اصلاحی نے لکھا

ہے:

(۱) ایضاً

”آپ کی ششیر حق اس موقع پر علامہ ابن حزمؒ کے ہاتھ میں نظر آتی ہے۔“

اور یہ بھی لکھا ہے:

”ان شاء اللہ تعالیٰ ان رسائل کے جملہ مباحث فتاویٰ میں اکٹھا کر دئے جائیں گے، جو طبع سوانح کے بعد پریس میں دیا جائے گا۔“ (۱)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تمام رسائل مولانا اصلاحی کے پاس ہی ہیں، کاش کہ یہ رسائل آپ کے ذاتی کتب خانہ میں آج بھی محفوظ ہو اور استفادہ کی راہ نکل آئے۔ (۱۰) سلک التحریر (۱۱) رسائل مسئلہ عمامہ، اس کا ذکر آچکا ہے۔ (۱۲) رسالہ حق نما، اس رسالہ کا ذکر فقہی مناظرہ میں کیا گیا ہے۔

(۱۳) گلزار احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ احادیث شریفہ کا ایک عظیم مجموعہ اور سرمایہ ہے، مکررات کو حذف کئے بغیر احادیث شریفہ کی تعداد چھ ہزار ہے، اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو کل تعداد احادیث تین ہزار رہ جاتی ہے، اس مجموعہ کی تسوید و تمییز کا قصہ اس طرح ہے کہ حضرت سید نصیر آبادی قدس سرہ وعظ و نصیحت اور دینی مجالس میں احادیث پڑھتے تھے، ان کو آپ کے ایک شاگرد رشید مولانا عبدالحق موحد رائے بریلویؒ نے ایک پیاض میں لکھنا شروع کیا، کئی سال کی پیہم کاوش و سعی سے بحذف مکررات تین ہزار احادیث شریفہ لکھی گئیں، پھر اس سلسلہ کو ختم کر لیا گیا۔ ”یہ تذکرہ حضرت سیدؒ کے روبرو ہوا، مسکرا کر فرمایا: لکھتے رہتے تاکہ مجھے بھی اندازہ ہو جاتا کہ کتنی روایتیں محفوظ ہو چکی ہیں۔“ (۲)

نہیں معلوم کہ آج آپ کا یہ عظیم الشان سرمایہ زمانہ کے دست ستم سے محفوظ ہو، یا یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا عبدالحق موحد رائے بریلویؒ کے گھرانہ میں کسی خاندانی برکات کے محافظ و نگہبان کے پاس محفوظ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وفات و تدفین

حضرت مولانا سید محمد امین حنفی نصیر آبادی قدس سرہ نے اضلاع شرقیہ کے اپنے آخری دورہ میں ہر جگہ آیت کریمہ ”الیوم اکملت لکم دینکم“ کو موضوع بنا کر نہایت جامع اور عالمانہ وعظ و بیان فرمایا، اس سے ایک لطیف اشارہ بھی دے رہے تھے کہ آپ اب دعوت و اصلاح اور تربیت، اعلائے کلمۃ الحق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو رہے ہیں۔ پر تاب گڑھ میں بھی اس کو موضوع بنایا۔ مولوی محمد کاظم نصیر آبادیؒ نے حضرت مولانا شاہ محمد احمد پھول پوریؒ [پھول پور، پر تاب گڑھ کا ایک موضع ہے] کے حوالہ سے لکھا ہے:

”حضرت سید صاحبؒ نے اس آیت کریمہ کو پڑھ کر آخری وعظ فرمایا تھا، ہم لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ حضرت کا آخری سفر ہے، میرے بعد لوگ آئیں گے، نئی نئی راہ بتائیں گے، خبردار! خبردار! ان کی باتوں میں نہ آنا۔ مزید اگر ضرورت ہوگی تو محمد احمد یہ ہیں، ان سے پوچھ لینا“۔ (۱)

جوں جوں وقت آگے بڑھتا جاتا آپ کے اندر وصال محبوب کا شوق بڑھتا جاتا تھا، نصف صدی تبلیغ، اصلاح و تربیت، اشاعت حق، اعلائے کلمۃ الدین، احیائے سنت، اتباع شریعت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے کر اخیر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اب آفتاب رشد و ہدایت روپوش ہو گیا، اصلاح و ارشاد اور درس و تدریس کی مسند سے آنے والی حق کی آواز خاموش ہو گئی۔ آپ کی تاریخ وفات، مہینہ اور سن تینوں میں اختلاف ہے، سن وفات تحقیق کی رو سے ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء، ہی صحیح ہے، مہینہ میں بعض نے ربیع الثانی اور صاحب کملہ نزہۃ الخواطر نے جمادی الاخریٰ رقم کیا ہے، اور خانوادہ علم اللہی میں بھی جمادی الاخریٰ ہی مرقوم ہے، دن کے

(۱) تذکرۃ الامین: ۸۱، ناشر: (مولانا) شبیر احمد ندوی، سن اشاعت ۱۹۹۹ء

دوشنبہ ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔ (۱)

وصال سے ایک ماہ پہلے سے ہی بغیر کسی طبی شکایت کے غذا بالکل چھوڑ دی تھی، مگر معمولات میں کسی طرح کمی نہیں آتی تھی، وفات کے دن معمولات میں کچھ کمی کی، مولانا کے برادر کلاں مولانا حکیم سید محمد متین یمن حسن نصیر آبادی کے حوالہ سے مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

”حسب دستور صبح کو میں آپ کے پاس آ کر بیٹھ گیا، اس وقت نائی کو بلا کر حجامت بنوانے لگے، میں نے کہا: آج تو دوشنبہ کا دن ہے، آج تک تو آپ کی عادت پنجشنبہ کو حجامت بنوانے کی تھی۔ فرمایا: دوشنبہ سمجھ کر بنواتا ہوں، میں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر سلسلہ کلام جاری رکھا، اور کہا کہ اگر اختلاط کے کسی فساد کی بنا پر غذا ترک ہو گئی ہے تو باقاعدہ تشخیص اور علاج ہونا چاہیے۔ جواب دیا: کوئی علاج کارگر اور کوئی دوا صحت بخش نہ ہوگی، معلوم ہوتا ہے کہ مالک کی یہی مرضی ہے کہ اب میں اس کے دربار میں حاضر ہو جاؤں۔“ (۲)

عصر کی نماز سے پہلے آپ دولت کدہ تشریف لے گئے، اور تھوڑی دیر آرام فرمایا، مسجد سے عرصہ کے بعد مکان تشریف لے گئے تھے، اس لیے مستورات کو بڑی خوشی ہوئی، اور رفیقہ زندگی کو صبر و شکر کی تلقین فرمانے لگے، اور پھر مسجد تشریف لے گئے، نماز عصر اور تلاوت قرآن مجید کے بعد کچھ محو گفتگو رہے، اور آفتاب نے بھی کسی آنے والے حادثہ سے منموم ہو کر چہرہ پر زردی کا نقاب ڈال لیا، اور پھر الوداعی نگاہ حسرت ڈالتے ہوئے افق مغرب میں روپوش ہو گیا۔ مغرب کی اذان ہوئی اور اس کے بعد کسی تکلف کے بغیر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی، اور مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

”حسب معمول و وظیفہ اور مراقبہ میں بیٹھ گئے۔“

(۱) شیخ تاریخ وفات یہ ہے: ۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ مطابق ۵/ نومبر ۱۹۲۰ء

(۲) یادگار سلف: ۹۳

لیکن اس سلسلہ میں مولوی محمد کاظم نصیر آبادی کا بیان زیادہ قابل اعتماد ہے، وہ لکھتے ہیں:

”آپ نے سنت سے فارغ ہو کر نفل پڑھنا شروع کیا..... حضرت نے پہلی رکعت بڑی اچھی طرح سے ادا فرمائی، دوسری رکعت میں پہلا سجدہ کرنے کے بعد جواٹھے تالیٹ گئے“۔ (۱)

آپ کے خادم واجد خان نے ادھر آپ کے برادر کلاں کو آواز اور دوسری طرف مولوی عبدالرشید مکی دونوں ہاتھوں سے ٹیک دئے ہوئے تھے، کہ برادر کلاں نے اپنے سینہ پر آپ کا سر مبارک رکھ لیا، امکانی کوشش بہت کی گئی، فائدہ کیسے ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص بندہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو چکا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، للہ ما اعطی، ولہ ما اعخذ، کل شیء عندہ بأجل مسمیٰ۔ نصف صدی کا تھکا ماندہ مسافر اب نیند کے آغوش میں تھا۔ آپ کے پس ماندگان میں آپ کی رفیقہ زندگی حضرت سیدہ ثیر النساء بنت جناب سید محمد علیم عرف سید حیدر علی نصیر آبادی، دو بھائیوں حضرت مولانا سید محمد مثنیٰ بمین حسنی نصیر آبادی، مولوی حافظ ڈپٹی سید عبدالستار حافظ حسنی نصیر آبادی کے علاوہ سیکڑوں شاگرد اور ہزاروں ہزار ارادت مند ہیں، جن سے آپ کا روحانی سلسلہ نسب آج جاری ہے، ان شاء اللہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔

دوشنبہ کے غروب آفتاب کے بعد آپ کی وفات ہوئی، اور سہ شنبہ کے دن تجہیز و تکفین ہوئی، جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ قصبہ کے اندر وسیع و عریض جگہ کی کمی کی وجہ سے نماز جنازہ کے لیے عید گاہ کا میدان تجویز کیا گیا، ارادت مند قصبہ کی طرف کھینچے چلے آتے تھے، تین مرتبہ جنازہ کی نماز پڑھی گئی، نماز کے بعد جنازہ روضہ دیوان خواجہ میں لایا گیا، مسجد سے متصل جہاں اکابر خانوادہ قطبیہ محو خواب ہیں، میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، تدفین کے وقت لوگوں کی تعداد سہ چہند ہو گئی، علم و حکمت کا ماہتاب جس

کی روحانی روشنی سے روئے زمین منور و روشن تھی اسی ماہتاب اور اس کی روشنی کو قبر نے اپنی آغوش میں محفوظ کر لیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و نور مرقدہ۔

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ پر خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یادگار سلف (ص: ۱-۲) کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے یہاں بعینہ درج کیا جاتا ہے:

”اس زمانہ قحط الرجال میں جو جنس سب سے زیادہ کمیاب ہے وہ التقیاء اور صلحاء کا وجود ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو علماء کا فریضہ خاص ہے، وہ مسامحت اور مہمانت میں بدلتا جاتا ہے، ہم برائیاں دیکھتے ہیں، بدعات روزمرہ نظر سے گذرتی ہیں مگر کبھی سوسائٹی کی تاثیر، کبھی مصلحت وقت کا خیال، کبھی بڑوں کی بڑائی اور اکثر حب جاہ اور طمع دنیا، کلمہ حق کے اظہار سے باز رکھتا ہے، اور یہ ہمارے علماء کی وہ کمی ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہیں۔ وما أبری نفسی۔

ایسے وقت میں اگر درمیان کوئی ایسی ہستی تھی جو اس وصف سے ممتاز تھی، اور جس نے اپنی ساری زندگی اسی نہج سے گزاری کہ جہاں سے گزر ہوا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ قدم قدم پر ادا کرتے چلے، بدعات کا استحصال، برائیوں کا قلع قمع، مراسم خبیثہ کا ابطال، مناظروں، قلمی اور زبانی بحثوں اور قیل وقال سے نہیں بلکہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق عملاً کیا، اور مسلمانوں کو اپنے زور حق اور کلمہ حق کی قوت سے اس کے ماننے پر مجبور کیا۔

کتاب اور سنت کی تعلیم، صحیح عقائد کی تلقین، رسوم جاہلیت کی تردید اور بدعات سیدہ کے محو کرنے میں حضرت مولانا سید محمد امین صاحب رائے بریلویؒ کو جو حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ کے پیر

و مرشد حضرت مولانا سید احمد (رائے) بریلوی رحمۃ اللہ علیہم کے
 خانوادہ سے تھے، بڑا امتیاز حاصل تھا، مولانا کے حلقہ ارشاد میں
 ملک کے دوسرے حصوں کے علاوہ ہمارے ضلع اعظم گڑھ کے
 دیہات بھی داخل تھے، وہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے اصرار سے ان
 دیہاتوں میں تشریف لاتے تھے، اور اپنے وعظ و پند اور نصائح و لکیر
 سے سے متاثر اور اپنے معتقدوں کو امر و فرمان اور حکم سے مرعوب حق
 بنا کر ان کی اصلاح کرتے تھے، اور حق یہ ہے کہ بڑا کام کرتے تھے،
 بہتوں نے ان کی نصیحت سے فیض پا کر توبہ کی، اور بہت سے گھروں
 سے بدعات و مراسم فاسدہ کا ازالہ ہوا، اور کتنے دیہاتوں میں ان کی
 تلقین سے دین کی روشنی پھیلی۔“



صاحب فتاویٰ کا مسلک ☆

اگر ضرورت شدیدہ داعی ہے تو بھائی، ورثاء اور تلامذہ کے مشورہ سے فقیر کی نیابت کے لیے کسی ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے جو قبیح سنت ہو اور ہمارا شاگرد و مرید ہو کیونکہ کوئی دوسرا شخص ہم سے اور ہماری عقل و فکر اور مشرب و مسلک سے آگاہ نہیں، غرض کہ مسلک فقیر پر کاربند رہے، ورنہ نہیں، فقیر کا وہی مسلک ہے جو شاہ ولی اللہ اور مولانا فرنگی محلی کا مسلک ہے، چنانچہ مجموعۃ الفتاویٰ کے طریقہ و منوال کی میں نے پیروی کی ہے اور اسی روش کو اختیار کیا اور اپنایا ہے۔ واللہ اعلم۔



☆ حامی دین مبین جامع الشریعت والطریقت مولانا سید محمد امین حسنی الحسینی نصیر آبادیؒ نے وفات سے چار سال پہلے ایک فارسی مکتوب میں خلافت و نیابت اور فقہی مسلک کی نسبت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا، اس سوال پر ۳/ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ کی تاریخ درج ہے، اس کے ایک اہم حصہ کو یہاں ”صاحب فتاویٰ کا مسلک“ کے عنوان سے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

کتاب الحقائق والبدعات

آخرت میں دیدار الہی کیسے ہوگا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس باب میں، چونکہ دیدار دو قسم کا ہوتا ہے، ایک دیدار رویت [ہے، اور] دوسرا دیدار ادراک۔ دیدار رویت وہ ہے کہ دیکھنا کسی شئی کا ثابت ہو لیکن تحقیق کا حقیقہ مفہوم نہ ہو، مثلاً آفتاب نور کا ایک ٹکڑا تجلی وار نمایاں ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کہاں سے ہے؟ اور کیسا بنا ہوا ہے؟ اور دیدار ادراک وہ ہے کہ جو چیز دیکھی جاوے اور دیکھنے کے ساتھ ہر چیز کی تحقیق بھی ہو، مثلاً صورت انسان سے سمجھنا چاہے کہ دیکھنے کے ساتھ ہر چیز کی تحقیق ہو سکتی ہے، یعنی آنکھ، کان [اور] ناک اس طرح بنی ہوئی ہیں۔

پس جو دیدار خدا، اہل اسلام کے لیے سنا جاتا ہے، تو [وہ] کس طرح کا ہوگا؟
(از ساگر)

هو الموفق

جواب: مسلمان کو آخرت میں رویت یعنی دیدار، حق تعالیٰ کا نصیب ہوگا، جس کو سائل بعبارت دیدار رویت سائل ہوا۔

کما فی شرح الفقہ الاکبر لملا علی القاری: واللہ تعالیٰ یُرِی
بصیغۃ المجهول ای ینظر الیہ بعین البصر فی الآخرة ای یوم القیامة
بقوله تعالیٰ وجوه یومئذ ای یوم القیامة ناضرة ای حسنة منعمة

بہیئت مشرقہ متحللہ، الیٰ ربہا ناظرۃً اٰی تراء عیاناً بلا کیفیۃ ولا جہۃ ولا ثبوت مسافۃ، وحين یرى ربہ لا يلتفت الیٰ غیرہ۔
ولقوله تعالىٰ کلا انہم اٰی الکفار عن ربہم یومئذ لمحجوبون اٰی لممنوعون اٰی بخلاف الأبرار والمؤمنین، فانہم فی نظر ربہم مقربون۔

ولقوله صلى الله عليه وسلم كما فی الصحيحین وغيرہما: انکم سترون ربکم كما ترون القمر ليلة البدر لا تضامون فی رؤیتہ، وفي رواية: لا تضارون۔ وهو حديث مشهور فی الصحيحین وغيرہما مذکور، وقد رواہ أحد وعشرون من اکابر الصحابة، ویراہ المؤمنون وهم فی الجنة بأعين رؤوسہم۔ لقوله عليه الصلاة والسلام علیٰ ما رواہ مسلم: اذا دخل أهل الجنة الجنة، يقول الله تبارک وتعالیٰ: تريدون شیئاً أزيدکم، فيقولون: ألم تبيض وجوهنا؟ ألم تدخلنا الجنة وتنجنا من النار؟ قال: فيرفع الحجاب اٰی من وجوه أهل الجنة، فينظرون الیٰ وجه الله سبحانه، فما أعطوا شیئاً أحب الیہم من النظر الیٰ ربہم۔ انتهى۔ (۱)

[ترجمہ: جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شرح الفقہ الاکبر" میں ہے، کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کا دیدار یکشم سر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس دن بہت سے چہرے کھل رہے ہوں گے، اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے وہ بغیر کیفیت وجہ اور ثبوت مسافت کے دیکھیں گے، اور وہ جب اپنے

(۱) شرح الفقہ الاکبر: ۶۶، مطبعة التقدم بشارع محمد علی بمصر، الطبعة الاولى

۱۳۲۳ھ، اعتناء۔ السيد محمد بدر الدین أبو فراس النعسانی الحلبي

رب کو دیکھیں گے تو کسی اور کی طرف التفات نہیں کریں گے۔
ایک دوسری آیت میں ارشاد الہی ہے: خبردار! یقیناً ایسے لوگ اپنے رب سے اس دن روک دیے جائیں گے۔ برخلاف مؤمنین اور نیک لوگوں کے کہ بلاشبہ اپنے رب کے دیدار میں قریب ہوں گے۔ صحیحین اور دیگر کتب میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بے شک تم اپنے پروردگار کا غمگین دیدار کرو گے، جس طرح کہ شب چہار دہم کا چاند دیکھتے ہو، اور تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔“ یہ ایک مشہور حدیث شریف ہے جو صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے اور اکیس اکابر صحابہؓ کے راوی ہیں۔
اور مؤمنین اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے درآنحالیکہ وہ سب جنت میں ہوں گے۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے، تب اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا، کیا کسی چیز کی مزید تم خواہش کرتے ہو کہ میں عطا کروں، جنت والے جواب دیتے ہوئے کہیں گے کہ کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں فرمایا؟ اور جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا، حجاب (پردہ) اٹھایا جائے گا اہل جنت کے چہروں سے، تو وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ جبکہ ان کو اپنے رب کے دیدار سے بڑھ کر کوئی چیز عطا نہیں کی جائے گی۔“

واللہ أعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب، وحرره العبد المذنب
محمد امین حسنی الحسینی، عصمہ اللہ عن الشرور فی الدنیا والدین،
عن خلاف البطون والظہور، جعلہ فی الکونین بالسرور وغفر لہ الذنوب
وستر لہ العیوب، یا علام الغیوب.

خدا کو جو ہر یا عرض ماننا؟

سوال: نحمدہ ونصلی علی سیدنا رسولہ الکریم [امابعد]
ائمہ ہمام و علمائے احناف کرام کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے جو اپنے آپ کو
مذہب حنفی کا عالم ظاہر کرتا ہے، آیت کریمہ:

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (۱) کے تحت میں بیان کیا کہ [اللہ]
تعالیٰ واجب الوجود ہے، اور ہر موجود کے لیے جو ہر یا عرض ہونا لازمی ہے اس لیے
اللہ تعالیٰ جو ہر اور نور لطیف ہے۔ آیت صدر سے نور، اور ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ
الْخَبِيرُ﴾ (۲) سے لطیف ہونا ظاہر ہے، اور ﴿إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾ (۳) اور سبح
بصیر و علیم خبیر وغیرہ اسمائے حسنی و آیات طیبات سے جو ہر لطیف ہونا بالکل ثابت ہے۔
اس کے رد میں جب کتب عقائد فقہ اکبر و شروح فقہ اکبر [از] علامہ علی
القاریؒ و ”ابی المنتہی“ و ”تکمیل الایمان“ پیش کی گئی تو کہا کہ یہی میرا عقیدہ ہے، اور
اس کو میں بھی مانتا ہوں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کو موجود اور واجب الوجود مانتے ہو، تو
مجبوراً جو ہر یا عرض ماننا پڑے گا۔ پس یہ قول کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کو مذہب حنفی کا عالم
اور نماز میں پیش امام کرنا اور سمجھنا کیسا ہے؟ صاف صاف ارشاد ہو۔ والاجر علی اللہ۔

هو الملهم للحق والصواب

جواب: بشرط صدق سوال، صورت مستفسرہ مصطلحات و مسائل فلاسفہ و حکماء سے
[متعلق ہے]، نہ شرعیہ، نہ قرآن، نہ حدیث سے۔ جس کو اس قدر فرق و تمیز نہ ہو، کب
گروہان حق پڑ وہاں علماء سے محدود ہوگا؟

یہ کہنا کہ ہر موجود کے لیے جو ہر یا عرض (۴) ہونا لازمی [ہے]۔ کئی وجہ سے غلط

(۱) النور: ۳۵ (۲) الأنعام: ۱۰۳ (۳) فصلت: ۵۴

(۴) جو ہر وہی ہے جو بالذات قائم ہو، یعنی اپنے قیام میں دوسرے کی محتاج نہ ہو، جیسے دیوار اور
سایہ کی مثال میں دیوار جو ہر ہے کہ وہ اپنے قیام میں سایہ کی محتاج نہیں، سایہ رہے نہ رہے وہ اپنی
جگہ کھڑی رہے۔ اور عرض وہی جو اپنے قیام میں دوسرے کی محتاج ہو، مثلاً دیوار اور سایہ والی مثال
میں سایہ عرض ہے، وہ اپنے قیام میں دیوار کی محتاج ہے، دیوار نہ ہو تو اس کا وجود معدم ہے۔

جیسا کہ موجود مطلق ہے اس بنیاد پر جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ کہنا بہتر ہے کہ ”جعل الوجود موضوعاً للالہی قول علی سبیل المسامحة“ اس لیے کہ حقائق محصلہ کی طرف تقسیم ہے کہ جس کا تصور وجود کے بجائے موجود میں ہوتا ہے۔]

تیسری: انقسام وجود کا طرف واجب و ممکن کے (اور) اس کی قسمت سے لازم ہے قسمت طرف جوہر و عرض کے۔

چوتھی: جوہر و عرض اقسام ممکن سے ہے جس کو جسمیت و حدوث لاحق ہے۔ خدا تعالیٰ منزہ ہے اس سے۔
پانچویں: جوہر قسم القسم وجود یا موجود کی نہ ابتداء، دیکھو شرح حکمت العین وغیرہ وغیرہ اس فن کو۔

وفی شرح المواقف: المقصد الثالث فی أن الوجود نفس الماہیة أو جزءا أو زائدا علیہا وفیہ ثلاثة مذاهب. (۱) انتہی.
اور کہا اس میں:

ثانیہا مذهب الحکماء وانه نفس ماہیة الواجب كما فی حاشیتہ. والاقسام علی التفصیل كما یقسم الوجود الی وجود الواجب والممكن ووجود الممكن الی وجود الجوهر والعرض. (۲) انتہی.

وفی شرح عقائد النسفی: ولا جسم لأنه مترکب و متحیز وذلك أمارۃ الحدوث، ولا جوهر. أمّا عندنا فالأنه اسم للجزء الذی لا یتجزئ، وهو متحیز و جزء من الجسم، واللہ تعالیٰ

(۱) حوالہ بالا، الموقف الثانی، المرصد الاول، المقصد الثالث: ۱۰۹

(۲) راجع لتفصیل المباحث الكلامیة الی شرح المواقف للسید الشریف أبی العلی علی الجرجانی.

متعال عن ذلك. وأمّا عند الفلاس فلاّتهم وإن جعلوه اسماً
للموجود لا في موضوع مجرداً كان أو متخيّزاً، لكنّهم
جعلوه من أقسام الممكن وأرادوا به الماهية الممكنة التي إذا
وجدت كانت لا في موضوع. انتهى. وأمّا إذا أريد بهما
القائم بذاته والموجود، لا في موضوع فإنّما يمتنع إطلاقهما
على الصانع من جهة عدم ورود الشرع بذلك مع تبادل الفهم
إلى المركب والمتخيّز. (١) انتهى.

وفي شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري: وسئل أبو حنيفة
عن الكلام في الأعراض والأقسام، فقال: لعن الله عمرو بن
عبيد وهو فتح على الناس الكلام في هذا. (٢)

قال القرطبي في شرح مسلم: قال ابن عقيل: [قال بعض
أصحابنا] أنا أقطع أن الصحابة - رضي الله عنهم - ماتوا،
وما عرفوا الجوهر والعرض، فإن رضيت أن تكون منهم
فكن، وإن رأيت أن طريقة المتكلمين أولى من طريقة أبي
بكر وعمر، فبفس ما رأيت. (٣) انتهى.

قال غوث الحقيقة إمام الطريقة الشيخ عبد القادر الجيلاني
رحمه الله في غنية الطالبين: لا يجوز عليه الحدود ولا النهاية

(١) شرح العقائد النسفية: ٣٩، الميزان ناشران وتاجران كتب، الكريم ماركيت اردو بازار لاهور
(٢) شرح الفقه الأكبر للإمام ناصر السنة علي القاري: ٣٢، الطبعة الأولى،
سنة ١٣٢٣ هـ، مطبعة التقدم بشارع محمد علي بمصر، تصحيح: السيد محمد بدر
الدين أبو فراس النعساني الحلبي

(٣) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب العلم، باب كراهية
الخصومة في الدين والغلو في التأويل والتحذير من اتباع الأهواء: ٦/٦٩١، دار
الكلم الطيب، دمشق، بيروت، الطبعة الأولى (١٤١٧-١٩٩٦ م)

ولا القبل ولا البعد ولا تحت ولا قدام ولا خلف ولا كيف،
لأن جميع ذلك ما ورد به الشرع الا ما ذكرنا من أنه على
العرش استوى على ما ورد به القرآن والأخبار، بل هو عز وجل
خالق لجميع الجهات ولا يجوز به الكمية. (۱) انتهى.

[شرح مواقف میں ہے: مقصد ثالث اس کے بیان میں ہے کہ وجود
نفس ماہیت ہے، یا اس کا جزء یا اس سے زائد، اور اس میں تین
مذہب ہیں۔ اسی میں ہے: دوسرا مذہب حکماء کا ہے، اور وہ نفس ماہیت
الواجب ہے، جیسا کہ اس کے حاشیہ میں ہے۔ تفصیل کے ساتھ
اقسام جیسے وجود کی تقسیم وجود الواجب اور ممکن سے ہوتی ہے اور وجود
الممكن کی وجود الجوہر اور عرض کی طرف ہوتی ہے۔

شرح عقائد نفسی میں ہے کہ اور نہ ہی جسم ہے اس لیے کہ وہ مرکب اور
متحیز ہے، اور یہ حادث ہونے کی علامت ہے۔ اور وہ نہ ہی جوہر
ہے۔ اور جہاں تک ہماری بات ہے تو یہ جزء لا متجزی کا نام ہے، اور یہ
متحیز اور جسم کا ایک جزء ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند
ہے، اور جہاں تک فلاسفہ کی بات ہے تو اگرچہ انہوں نے اس کو موجود
کے لیے نام دیا ہے، نہ کہ موضوع میں، خواہ مجرد ہو یا متحیز، لیکن فلاسفہ
نے اس کو ممکن کے اقسام میں شامل کیا ہے، اور اس سے وہ ماہیت ممکنہ
مراد لیتے ہیں کہ جو موجود ہے نہ کہ موضوع میں۔ اور اگر ان دونوں
سے قائم بذاتہ اور موجود مراد ہوں نہ کہ موضوع میں ہو، پس ان دونوں
کا اطلاق صانع پر شریعت میں عدم وجود کی جہت سے مستثنیٰ ہے، باوجود

(۱) غنیۃ الطالبین للامام الشیخ عبد القادر الجیلانی الحسینی الحسینی، اردو ترجمہ مع
متن عربی، الباب الثامن، فصل اعلم ان لاهل البدع علامات: ۱/۹۲، مطبوعہ نفیس
اکیڈمی کراچی، طبع اول ۱۹۷۶م، ترجمہ از مولانا راغب رحمانی دہلوی

اس کے کہ عقل وفہم اور دھیان مرکب اور متحیز کی طرف جلد جاتا ہے۔
ملا علی قاری کی کتاب ”شرح فقہ اکبر“ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ سے
اعراض واقسام کے بارے میں کلام کرنے کی نسبت دریافت کیا گیا
تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو عمرو بن عبید پر کہ اس نے
اس بارے میں کلام کرنے کا دروازہ کھولا۔

امام قرطبی شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں کہ ابن عقیل نے کہا کہ
میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین (دنیا
سے اس حال میں) انتقال کر گئے کہ انہوں نے جو ہر وعرض کو نہیں
جانا، پس اگر تو چاہتا ہے کہ ان میں تمہارا شمار ہو تو ان کی طرح بن، اور
اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ متکلمین کا طریقہ حضرت ابوبکر و عمر کے طریقہ سے
اولیٰ و بہتر ہے تو تیرا یہ خیال نہایت برا خیال ہے۔

غوث الحقیقت امام الطریقہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ”غنیۃ
الطالبین“ میں فرماتے ہیں: نہ اللہ پر حدود کا اطلاق اور نہایت کا
اطلاق جائز ہے، وہ چھ سمتوں سے اور کیف و کم سے متصف نہیں۔
شریعت مطہرہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفتیں ثابت نہیں، ہاں ہماری
شریعت میں یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ جل مجدہ عرش پر قائم ہے
جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے، بلکہ حق تعالیٰ تمام سمتوں
اور جہات کو پیدا کرنے والا ہے۔]

اللہ نور السموات والأرض، قال البیضاوی: النور فی الأصل
کیفیتہ تدركها الباصرة أولاً، وبواسطتها سائر المبصرات
كالکیفیتة الفائضة من النیرین علی الأجرام الکیفیتة المحاذیة
لہما، وهو بهذا المعنی لا یصح إطلاقه علی اللہ تعالیٰ الا

بتقدير مضاف كقولك: زيد كرم بمعنى ذو كرم أو على تجوّز، اما بمعنى منور السموات والأرض، وقد قرئ به، فانه تعالى نورها بالكواكب وما يفيض عنها من الأنوار أو بالملائكة والأنبياء، أو مدبرها من قولهم للرئيس الفائق في التدبير نور القوم، لأنهم يهتدون به في الأمور. أو موجدها فان النور ظاهر بذاته مظهر لغيره وأصل الظهور هو الوجود كما أن أصل الخفاء هو العدم، والله سبحانه موجود بذاته موجد لما عداه. (۱) انتهى. ويدل عليه قراءة زيد بن علي وأبي جعفر وعبد العزيز المكي: الله نور السموات والأرض على صيغة الفعل الماضي وفاعله ضمير يرجع الى الله، والسموات مفعولة. (۲) الله نور السموات والأرض..... الخ.

(اللہ روشنی آسمانوں کی اور زمین کی، کہاوت اس کی روشنی [کی] ہے جیسے ایک طاق، اس میں ایک چراغ، چراغ دوہرا شیشہ میں، شیشہ جیسے ایک تارہ ہے چمکتا، تیل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت کے سے، وہ زیتون ہے، نہ سورج نکلنے کی طرف لگتا ہے [اور نہ ڈوبنے کی طرف لگتا ہے] اس کا تیل کہ سلگ اٹھے ابھی، [خواہ] نہ لگی ہو اس کو آگ، روشنی پر روشنی، اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہتا ہے، اور بتاتا ہے اللہ کہاوتیں لوگوں کو، اور اللہ سب چیز جانتا ہے یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین اور آسمان کی، اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جاویں۔)

(۱) تفسیر البیضاوی: ۴/ ۱۰۷، دار احراء التراث العربی بیروت، الطبعة الأولى

۵۱۴۱۸، تحقیق: محمد عبد الرحمن المرعشی

(۲) فتح القدير للإمام الشوكاني: ۱۲۲۴، الطبعة الأولى [۱۴۲۱-۲۰۰۰م] دار ابن حزم

اور اللہ کی روشنی کی کہاوت [کے بارے میں، حضرت] ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مؤمن کے دل میں روشنی ہے، کتنے پردوں میں سے ایک تیز روشنی رکھتا ہے سب سے اندر تارا سا ہے اور زمینوں نہ شرق کا نہ غرب کا یعنی باغ کی بیج کا نہ صبح کی دھوپ کھاوے (اور) نہ شام کی، ہر اور جلتا رہے یا پیغمبر کو فرمایا کہ دل کا نور ملتا ہے، ان سے وہ ملک عرب میں پیدا ہوئے نہ مشرق میں نہ مغرب میں اس کا تیل نے آگ سلگنے کو تیار ہے، یعنی مؤمن کے دل میں بے ریاضت ان کی صحبت سے روشنی پیدا ہوتی ہے، آگے فرمایا وہ روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ بندگی کرتے ہیں صبح و شام لگا رہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ علی بن ابی طلحہؓ نے روایت کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ کی تفسیر میں کہ نور سے ہادی مراد ہے یعنی وہ ہادی ہے آسمانوں اور زمین [کے رہنے والوں] کا۔ ابوالعالیہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اللہ کے قول ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا کہ یہ اس مؤمن کی کہاوت ہے جس کے دل میں اللہ نے ایمان اور قرآن کو رکھا ہے، اس آیت میں اللہ نے ایسے ایمان والوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔

وفی شرح الفقه الأكبر لعلی القاری: ومعنی الشیء أى
معنی کونه شیئاً لا کالأشیاء اثباته أى اثبات وجود ذاته بلا
جسم ولا جوهر ولا عرض أى فى اعتبار صفاته، لأن
الجسم مترکب ومتحیز، وذلك أمارۃ الحدوث، والجوهر
متحیز وجزء لا یتجزئ من الجسم، والعرض کل موجود
یحدث فى الجوهر والأجسام، وهو قائم بغيره لا بذاته
کالألوان والأکوان من الاجتماع والافتراق والحركة
والسکون کالطعوم والروائح، واللہ تعالیٰ منزہ من ذلك،
وحاصله أن العالم أعیان وأعراض، فالأعیان ما له قیام

بذاته، وهو اما مركب وهو الجسم أو غير مركب
 كالجوهر وهو الذي لا يتجزئ، واللہ سبحانہ منزہ عن
 ذلك كله. وما أحسن قول الرازي رحمه الله المجسم ما
 عبد الله قط لأنه يعبد ما تصوره في وهمه من الصورة، والله
 تعالى منزہ عن ذلك. (۱) انتهى. وفيه أيضاً: ومحمل الكلام
 وزبدة المرام أن الواجب لا يشبه الممكن ولا الممكن
 يشبه الواجب فليس بمحدود ولا معدود ولا متصور
 متبعض ولا متحيز ولا متركب ولا متناه ولا يوصف
 بالمائية والماهية ولا بالكيفية من اللون والطعم والرائحة
 والحرارة والبرودة واليبوسة وغير ذلك مما هو من صفات
 الأجسام ولا متمكن في مكان لا علو ولا سفلى ولا غيرهما
 ولا يجري عليه زمان كما يتوهمه المشبهة والمحسنة
 والحلولية وليس حالاً ولا محلاً. انتهى. (۲)

اور شیخ اجل ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ ”اعتقاد الصحيح“

میں فرماتے ہیں:

ليس بجوهر ولا عرض ولا في حيز. (۳) انتهى وقال على

(۱) شرح الفقه الأكبر: ۳۲، الطبعة الأولى ۱۳۲۳ھ، مطبعة التقدم بمصر، تصحيح:

السيد محمد بدر الدين أبو فراس النعماني الحلبي. (۲) المصدر السابق آنفاً

(۳) ويكنى ”العقيدة السنية شرح العقيدة الحسنة: ۲۷-۳۰، مطبوعہ مجلس صحافت و

نشریات، ندوۃ العلماء لکھنؤ، بن اشاعت ۲۰۰۳ء-۱۳۲۷ھ۔ حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

کی فہرست کتب میں ”اعتقاد الصحيح“ نام سے کسی کتاب یا رسالہ کا ذکر نہیں ملتا ہے، ممکن ہے

کہ مخطوطہ کی شکل میں رہی ہو اور ایک عرصہ کے بعد نایاب بلکہ ناپید ہو گئی ہو، اگر یہ دریافت

ہو جائے تو ایک علمی خزانہ کا انکشاف ہوگا۔ عجب بات یہ ہے کہ خانوادہ ولی اللہ کے تذکرہ نویسوں

کے یہاں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا..... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

القاري في شرح الفقه الأكبر: فقد ذكر في غياث المفتي عن أبي يوسف، أنه لا تجوز الصلاة خلف المتكلم وإن تكلم بحق لأنه مبتدع، ولا تجوز خلف المبتدع، وعرضت هذه الرواية على أستاذي رحمه الله فقال: تأويله أنه لا يكون غرضه اظهار الحق، والذي قاله أستاذي رأيت في تلخيص الامام الزاهدي حيث قال: كان أبو حنيفة يكره الجدال على سبيل الحق، جتنى روي عن أبي يوسف أنه قال: كنا جلوساً عند أبي حنيفة اذ دخل عليه جماعة، في أيديهم رجلان، فقالوا: ان أحد هذين يقول: القرآن مخلوق وهذا ينازعه ويقول: هو غير مخلوق. قال: لا تصلوا خلفهما. فقلت أما الأول فنعم، فانه لا يقول بقدم القرآن وأما الآخر فما باله لا يصلي خلفه؟ فقال: انهما ينازعان في الدين، والمنازعة في الدين بدعة. كذا في مفتاح السعادة.

..... باقی حاشیہ..... ممکن ہے کہ ”العقيدة الحسنة“ یا ”حسن العقيدة“ کا ہی نام ہو۔ حسن العقيدة، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی عقائد پر مختصر مگر بیش قیمت رسالہ ہے، برصغیر ہندوپاک بنگالہ و برما کے مدارس و معابد اسلامی میں داخل نصاب ہے، اس کی ایک اہم اور سب سے جامع شرح عربی میں استاد العلماء مولانا محمد اویس نگرانی ندویؒ [تلمیذ رشید سید الطائفة علامہ سید سلیمان ندویؒ] کے فیض رساں قلم سے ہے، ”حسن العقيدة“ کے متعدد اردو ترجمے ہوئے، ان میں ایک ترجمہ وہ ہے جس کو مولانا سید احمد ولی اللہی دہلویؒ نمبر۶ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی قدس سرہ نے مطبع احمدی دہلی سے شائع کیا ہے، اس کا عکس مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی [بانی و جنرل سکریٹری مفتی الہی بخش اکیڈمی کاندھلہ، شاملی] نے سہ ماہی رسالہ ”احوال و آثار“ جلد اول، شمارہ چہارم ۱۹۹۵ء صفحہ ۹-۲۹ میں تعارف، ترجمہ اور متن کے ساتھ شائع فرمایا، مولانا محمد نجم الدین اصلانیؒ مؤلف ”یادگار سلف“ نے ملا محمود جوینپوریؒ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے رسائل عقائد کو ایک ساتھ مختصر مجموعہ کی شکل میں بنام ”أحسن العقائد“ ادارۃ نشریات اسلام، جون پور (مشرقی یوپی) سے تعارف و عرض ناشر کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

ولعل وجه ذم الآخر حيث أطلق، فإنه محدث انزاله وأنه
مكتوب في مصاحفنا ومقروء بالسنتنا ومحفوظ في
صدورنا. وقال الشافعي رحمه الله: إذا سمعت الرجل يقول
الاسم هو المسمى أو غير المسمى فاشهد بأنه من أهل
الكلام ولا دين له. وقال أيضاً: لو علم الناس ما في هذا
الكلام من الأهواء لفروا منهم فرارهم من الأسد. وقال
مالك رحمه الله: لا تجوز شهادة أهل البدع والأهواء.
فقال بعض أصحابه في تأويل ذلك: أنه أراد بأهل الأهواء
أهل الكلام على أي مذهب كانوا. ومنها: أنه يؤدي إلى
الشك وإلى التردد، فيصير زنديقاً بعد ما كان صديقاً، فروي
عن أحمد بن حنبل رحمه الله أنه قال: علماء الكلام
زندقة. وقال أيضاً: لا يصلح صاحب الكلام أبداً ولا يكاد
تري أحداً نظر في الكلام إلا وفي قلبه دغل، ولقد بالغ فيه
حتى هجر الحارث بن أسد المحاسبي مع زهده وورعه
بسبب تصنيفه كتاباً في الرد على المبتدعة، وقال: ويحك
ألست تحكي بدعتهم أولاً ثم ترد عليهم؟ ألست تحمل
الناس بتصنيفك على مطالعة البدعة والتفكير في الشبهة؟
فيدعوهم ذلك إلى الرأي والبحث والفتنة هذا؟ (۱) انتهى.

(ترجمہ: پس بلا شک مذکور ہے ”غیاث المفتی“ میں، جو مروی ہے
[امام] ابو یوسف سے، تحقیق نہیں جائز ہے نماز پیچھے علم کلام والے
کے، اگرچہ بولے حق، اس لیے کہ بدعتی ہے، اور نہیں جائز پیچھے بدعتی

(۱) شرح الفقه الاکبر: ۴، الطبعة الأولى ۱۳۲۳ھ، مطبعة التقدم بمصر، شارع

محمد علی، تصحیح: السید محمد بدر الدین أبو فراس النعسانی الحلبي

کے، اور پیش کیا میں نے [اس روایت کو] اپنے استاد پر، پس فرمایا: تو جیہ اس کی یہ ہے جس میں [اس کی غرض] اظہار حق نہ ہو اور جس چیز کو میرے استاد نے فرمایا، دیکھا میں نے تلخیص امام زاہدی میں جس جگہ کہ کہا، اور [امام] ابو حنیفہؒ برا جانتے تھے جدال کو بر سبیل حق یہاں تک کہ مروی ہے [امام] ابو یوسفؒ سے، [امام] ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: میں (امام) ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیٹھا تھا، اس وقت داخل ہوئی آپ پر جماعت پکڑی ہوئی دو مردوں کو، کہا لوگوں [نے] ایک اس میں کا کہتا ہے، قرآن نو پیدا ہے، اور یہ جھگڑتا ہے اس کو اور کہتا ہے نہیں، غیر مخلوق ہے یعنی نو پیدا [نہیں]۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: نہ نماز پڑھو پیچھے ان دونوں کے۔ پس کہا میں نے (ابو یوسف) لیکن پس پہلا تو خیر کہ قرآن کو قدیم نہیں جانتا مگر دوسرا [جو قرآن کو غیر مخلوق کہتا ہے] پس کیا اندیشہ نماز میں پیچھے اس کے؟ پس امام نے فرمایا: دونوں جھگڑتے ہیں دین میں اور جھگڑا دین میں بدعت ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کتاب ”مفتاح السعادة“ میں ہے۔

وایں اوپر حال، اہل مجالس اعراس و میلاد و محدث مروجہ ہیئت کذائی بقیام و مقررہ روز سوم و دہم و یازدہم بدعات شنیعات (جو نزدیک احناف کرام علیہم الرحمہ و غیر ہم کے تحقیق ثابت ہے، جیسا کہ منقول ہو چکا)۔ ملا علی قاری ہروی حنفیؒ نے شرح فقہ اکبر میں امام ابو یوسف و امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے اقوال کو نقل فرمایا، محدثات الامور والے صاحب بدعت ہیں، حنفیہ کرام علیہم الرحمہ نے سخت مذمت فرمایا اور امت اجابت سے خارج کر کے مثل کفار کے امت دعوت میں شمار کیا۔ چنانچہ کتاب مستند اصول حنفیہ [میں] سے ”توضیح و تلویح“ ہے، جو متداول بین العلماء ہے، فرمایا صاحب توضیح نے:

وصاحب البدعة يدعو الناس اليها ليس هو من الأمة على

الاطلاق وسقطت العدالة بالتعصب أو السفه وكذا المجنون،
اعلم أن البدعة لا تخلو عن أحد الأمرين أما تعصب وأما سفه،
لأنه إن كان وافر العقل عالماً بقبح ما يعتقد، ومع ذلك يعاند
الحق ويكابر به فهو التعصب، وإن لم يكن وافر العقل كان
سفيهاً، إذ السفه خفة واضطراب يحمله على فعل مخالف
للعقل لقلة التأمل، وأما المجنون فهو عدم المبالاة، فالمفتي
الماجن هو الذي يعلم الناس الحيل (۱) انتهى.

[بدعتی جو لوگوں کو بدعت کی طرف بلاتا ہے، وہ علی الاطلاق امت
[اجابت] میں سے نہیں ہے، اور اس کی عدالت تعصب یا سفاهت اور
اسی طرح جنون سے ساقط ہو جاتی ہے، جان لیجئے کہ بدعت دو چیزوں
میں سے ایک سے خالی نہیں ہوتی، یا تو تعصب ہے یا سفاهت۔ کیونکہ
اگر وہ وافر العقل ہے، اپنے اعتقادات کی برائی و فح کو جاننے والا ہے،
اور اس کے ساتھ حق کی مخالفت کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے تو یہ
تعصب ہے، اور اگر وافر العقل نہیں ہے تو وہ سفیہ، کم عقل والا ہے، تو
سفاهت خفت واضطراب کا نام ہے جو اس کو تامل و تدبر میں کمی کی وجہ
سے عقل کے مخالف کام پر ابھارتا ہے۔ جہاں تک مجنون (پاگل) کی
بات ہے تو یہ لاپرواہی اور بے توجہی کا نام ہے۔ اور غیر سنجیدہ مفتی
لوگوں کو حیل (خیلوں) سے آگہی و علم دیتا ہے۔]

اور کہا صاحب تلویح نے:

فی قوله ليس هو أى صاحب البدعة الذى يدعو الناس اليها
من الأمة على الاطلاق، لأنه وإن كان من أهل القبلة فهو

(۱) شرح التلویح علی التوضیح ۹۹/۲، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ھ - ۱۹۹۶م، دار الكتب
العلمية بيروت، ۹۱/۲، مكتبة صبيح بمصر العربية، الطبعة بدون الطبعة و التاريخ

من أهل الدعوة دون المتابعة كالکفار، ومطلق الاسم لأمة المتابعة المشهود لها بالعصمة. قال شمس الأئمة رحمه الله: صاحب البدعة ان لم يكن يدعو اليها ولكنه مشهور بها، فقل لا يعتد بقوله فيما يضل فيه، وأما فيما سواه فيعتد به، والأصح أنه ان كان مظهراً لها فلا يعتد لقوله أصلاً، والا فالحكم كما ذكر. قوله بالتعصب هو عدم قبول الحق عند ظهور الدليل بناءً على ميل الى جانب. انتهى. (۱)

[وہ صاحب بدعت جو لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے، علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے، اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہے تو وہ کفار کی طرح، اہل دعوت میں سے ہے نہ کہ امت اجابت سے ہے، اور امت متابعت (اجابت) کے لیے مطلق نام اس کی گمراہی و ضلالت سے عصمت و حفاظت کی گواہ ہے، شمس الأئمة رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بدعتی جو بدعت کی وجہ سے مشہور ہے اگرچہ وہ اس کی طرف لوگوں کو نہ بلاتا ہو، تو کہا گیا کہ اس کے قول کا اس باب میں اعتبار نہیں ہوگا جس میں وہ گمراہ ہے، اور اس کے ماسوا میں اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، صحیح قول یہ ہے کہ اگر وہ بدعت کو ظاہر کرنے والا ہو تو اس کے قول کا سرے سے اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو اس کا حکم وہی ہے جس کا ذکر آچکا ہے۔ قولہ بالتعصب یعنی کسی ایک پہلو کی طرف میلان کی بنیاد پر دلیل کے نمایاں ہونے کے وقت میں بھی حق کو قبول نہ کرنا]۔

فرمایا حبیب کبریاء زبدۃ الاصفیاء سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

ایاکم ومحدثات الأمور، فان کل محدثۃ بدعة، وکل بدعة

ضلالة. رواه أحمد وأبو داؤد والترمذي وابن ماجه. (۱) انتھی۔
 [(دین میں پیدا کی جانے والی) نئی باتوں سے بچو، بیشک ہر نئی بات
 بدعت ہے، اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔]

قلمہ العبد المذنب ورقمہ العبد الکئیب الراجی الی رحمة ربہ المتین محمد
 آمین محاً اللہ عنہ اثمہ الخفی والمین وعفا اللہ عن ذنبہ الدقیق والسمین۔

غیر اللہ کے واسطے ذبح کا شرعی حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشرک لوگ یا اہل ہنود جو
 کہ اپنے معبودان باطل کے نام پر جانور مثل بکرا، بکری، گائے وغیرہ آزاد کر کے اپنی
 ملکیت سے خارج کر دیتے ہیں یا اپنے باپ دادا کے نام پر داغ کر کے سناٹا چھوڑ
 دیتے ہیں، پھر ان جانوروں کو اگر کوئی مسلمان پکڑ کر ذبح کرے، اور ہندو لوگ منع نہ
 کریں تو اس قسم کے جانوروں کا کھانا حلال [ہے] یا کہ حرام؟ بینواتو جروا۔ کیونکہ بہت
 عرصہ گذرا کہ مولوی جعفر علی صاحب مرحوم [نقوی بستوی، میر ونشی لشکر اسلام جماعت
 مجاہدین، و خلیفہ امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ] نے ایک رسالہ موسوم
 بہ ”ضمیمہ حلت و حرمت جانوران“، قسم سائبہ و بحیرہ وغیرہ تالیف کیا ہے، اور اس میں
 لکھا ہے کہ سناٹا یا آزاد کیا ہوا جانور اگر کوئی پکڑ کر ذبح کرے، اور اس جانور کے
 چھوڑنے والے منع نہ کریں تو وہ ذبیحہ بلا شک حلال ہے، اور اس کا کھانا بھی حلال ہے
 بشرطیکہ اپنی ملکیت سے مشرک لوگ اس جانور کو نکال دئے ہوں۔

اور اس کے حلال ہونے کی دلیل قرآن شریف، پارہ سات، سورہ مائدہ،
 رکوع ۱۴، کی آیت [۱۰۲] ﴿مِمَّا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِغَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا

(۱) سنن الترمذی، أبواب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة واجتناب..... الخ، رقم:
 ۲۶۷۶، سنن أبی داؤد، کتاب السنة، باب: فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷، سنن ابن ماجه،
 کتاب السنة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المہدیین، رقم: ۴۲۔ دار السلام، الرياض

حَمام ﴿﴾ ٹھرائی ہے، اور مولانا اسماعیل علیہ الرحمہ [دہلوی] و مولانا عبدالحی صاحب مرحوم [بڑہانوی] سے سند بھی اس کے حلال ہونے کی مولوی جعفر علی مرحوم [نقوی بستوی] نے دی ہے، اور اسی رسالہ مذکور میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر اس مسئلہ میں کسی کو شک ہوئے تو اس کا جواب قرآن شریف و حدیث صحیح سے دیوے نہیں، تو اس کے مطابق عمل کرے، اور شک کو دور کرے۔

لیکن مولوی جعفر علی مرحوم نے جو جانور کہ پیروں اور اولیاء و بزرگوں کی منت و تعظیم مان کر ذبح کیے جاتے ہیں، اس کو مطلق حرام لکھا ہے اور آیت ﴿وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (۱) سے استدلال کیا ہے اور ان کے حرام ہونے کی بہت سی دلیلیں کتب احادیث و تفاسیر و فقہ سے دی ہے مگر جو بتوں کے نام چھوڑے جاتے ہیں یا ہندوؤں نے اپنے بزرگوں کے نام سانڈ چھوڑا ہے، اس کو ﴿وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (۲) سے علاحدہ شمار کیا ہے۔ اس لیے اس مسئلہ میں اشتباہ پڑا، [حضرت والا مسئلہ کی پوری وضاحت فرمائیں] فقط۔

هو المصوب

جواب: صورت مسئلہ میں دو صورت ہیں واقع [حقیقت] میں، (اور) ایک جان لینے میں قباحت، اور وہی وجہ اشتباہ پڑ جانے کی ہوتی ہے، لہذا تفریق میں نظر رکھیں [تاکہ] دو صورت کو ایک نہ سمجھیں، (اور) حکم ہر واحد کو بلا تردد و بلا اشتباہ پہنچائیں، (اور) وقت و قباحت و جھگڑا سے بچیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ نذر سے مقصود تقرب الی غیر اللہ ہو، یعنی ذی روح ہو تو خون بہانا و جان دینا تعظیم غیر خدا کے سبب سے، صرف غیر خدا کے لحاظ سے، خاص کر کے جان دینی مقصود ہو، (اور) غیر خدا کی خوشنودی درکار..... ہو۔

(اور) غیر ذی روح ہو تو اس نذر سے بھی مقصود [و خوشنودی] خدا کی نہ ہو، بلکہ عظمت غیر خدا کی بتقرب الی غیر اللہ کی نیت سے وہ چیز چڑھائی جاوے، شیرینی ہو خواہ غلہ یا کوڑی پیسہ ہو یا جوڑا وغیرہ ہو، قبر و پتھر یا تزییوں شہید و پیر یا شوالوں پر یا گنگا

جمنہ پر اور اس کے غیر پر، اسی قیاس پر تقرب الی غیر اللہ کے قصد سے جو چیز ہو، حرام ہے، اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہا جاوے۔ بکرا شیخ سعدی (اور) مرغ بنام مسعود غازی، (اور) ہتھیلی کا، وگاؤ سید کبیر کی مانند، وپیہ او دھی سر کی مانند کہ ان سب میں تقرب الی غیر اللہ مقصود ہوتا ہے، [اس لیے] حرام ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے:

ذبح لقدم الأمير ونحوه كواحد من العظماء يحرم، لأنه أهل
لغير الله، ولو وصلياً ذكر اسم الله تعالى، ولو ذبح للضيف لا
يحرم، لأنه سنة الخليل، وأكرام الضيف أكرام الله تعالى.
والفارق أنه إن قدمها ليأكل منها كان الذبح لله والمنفعة
للضيف أو لوليمة أو للربح، وإن لم يقدمها ليأكل منها بل
يدفعها لغيره كان لتعظيم غير الله فتحرم. (۱) انتہی۔

اور تفسیر نیشاپوری میں ہے:

لو أن مسلماً ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب إلى غير
الله، صار مرتدّاً، وذبيحته ذبيحة مرتد. (۲) انتہی۔

[جو چاہے اور امیر وغیرہ کسی بڑے آدمی کی آمد پر ذبح کیا جاتا ہے، وہ حرام ہو جائے گا، کیونکہ غیر اللہ کے واسطے ذبح کیا گیا ہے، اگرچہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر ساتھ کیا گیا ہے۔ اور اگر مہمان کے لیے ذبح کیا جائے تو حرام نہیں ہوگا کیونکہ مہمان کی خاطر ذبح کرنا سنت ابراہیمی ہے اور مہمان کی مہمان نوازی گویا کہ اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اس نے اس کو پیش کیا ہے تاکہ وہ اس میں

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الذبائح: ۹/۴۴۹، دار الکتب العلمیہ

بیروت، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م الطبعة الثانية

(۲) تفسیر نیشاپوری، سورۃ البقرۃ، آیت ۲/۱۷، کی تفسیر و تصریح میں ملاحظہ فرمائیں، امام رازیؒ کی

مفتاح الغیب موسوم بہ تفسیر کبیر ۵/۱۱، دار التراث العربی، بیروت، طبع دوم

سے کھائے، تو یہ ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوا، اور خرچ کرنا مہمان کی خاطر ہوا، یا ولیمہ یا نفع اٹھانے کے لیے ہوا۔ اور اگر اس نے کھانے کے لیے پیش نہیں کیا ہے بلکہ اس کو دوسرے کو دیتا ہے تو یہ غیر اللہ کی تعظیم و تکریم کے واسطے ہوا، چنانچہ یہ حرام ہو جائے گا۔

اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اس کے ذبح کرنے سے غیر اللہ کا تقرب اس کو مقصود ہو، تو وہ شخص (اس فعل کی وجہ سے) مرتد ہو جائے گا، اور اس کا ذبیحہ گویا کہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔

وعلیٰ ہذا القیاس حرمت اشیاء منذورہ غیر خدا جو غیر ذی روح ہیں جس میں نذر الی غیر اللہ ہو، جاننا چاہیے کہ حرام ہے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

اعلم أن النذر الذی يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الأولياء تقرباً اليهم، فهو بالاجماع باطل وحرام، ما لم يقصدوا صرفها لفقراء الأنعام، وقد ابتلي الناس [بذلك ولا سيما] في هذه الأعصار. وقد بسطه العلامة قاسم في شرح درر البحار. انتهى. (۱)

[جان لو! کہ جو نذر اکثر عوام مردوں کے واسطے مانتے ہیں، اور جو دراهم، موم بتی اور زیتون وغیرہ اولیاء کرام کی قبروں میں ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں، تو وہ سب بالاجماع حرام اور باطل ہیں۔ جب تک کہ منذور چیز کو عام فقراء پر صرف کرنے کا قصد نہ کریں، اور اکثر لوگ اس معاملہ میں گرفتار اور مبتلا ہیں، خاص طور سے ہمارے اس دور میں، علامہ قاسم علیہ الرحمہ نے ”شرح درر

(۱) الدر المختار مع رد المختار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد،

البحار“ میں پوری بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔
اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

قال الشيخ قاسم في شرح الدرر "اما النذر الذي يُنذره أكثرُ
العوام على ما هو مشاهدٌ كأن يكون لانسان غائب أو
مريض أو له حاجة ضرورية، فيأتى [بعض] الصالحاء
فيجعل ستره على رأسه، فيقول يا سيدي فلان! ان رد غائبى
أو [عُوفي] مريضى أو قُضيت حاجتى فلك من الذهب
كذا، أو من الفضة كذا، أو من الطعام كذا، أو من الماء
كذا، أو من الشمع كذا، أو من الزيت كذا، فهذا النذر باطل
بالاجماع لوجوه. منها: أنه نذرٌ مخلوق، والنذر للمخلوق
لا يجوز، لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، ومنها أن
المنذور له ميت لا يملك، ومنها أن ظن أن الميت يتصرف
فى الأمور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر، اللهم الا ان
قال يا الله! انى نذرت لك ان شفيت مريضى أو رددت
غائبى أو قضيت حاجتى أن أطعم الفقراء الذين بباب
السيدة نفيسة أو الفقراء الذين بباب الامام الشافعى أو الامام
أبى الليث أو أشتري حصراً لمساجدهم أو زيتاً لوقودها أو
دراهم لمن يقوم بشعائرها الى غير ذلك مما يكون فيه نفع
للفقراء والنذر لله عز وجل.

وذكر الشيخ: انما هو محل لصرف النذر لمستحقه
القاطنين برباطه أو مسجده فيجوز بهذا الاعتبار اذ مصرف
النذر الفقراء، وقد وجد المصرف ولا يجوز أن يصرف

ذلك لغني [غير محتاج] ولا لشريف منصب، لأنه لا يحل له الأخذ ما لم يكن محتاجاً فقيراً ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للاجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا تشتغل الذمة به ولأنه حرام بل سحت، ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه الا أن يكون فقيراً أو له عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون، فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدئة، فأخذه أيضاً [مكروة] ما لم يقصد به النادر التقرب إلى الله تعالى وصرفه إلى الفقراء، ويقطع النظر عن نذر الشيخ فاذا علمت هذا فما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت وغيرها، وينقل إلى ضرائح الأولياء تقريباً إليهم فحرام باجماع المسلمين، ما لم يقصدوا بصرفها للفقراء الأحياء قولاً واحداً. (۱) انتهى.

[شیخ قاسم علیہ الرحمہ شرح الدرر میں فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس نذر کی بات ہے، جو اکثر لوگ مانتے ہیں جو کہ مشاہدہ میں ہے، گویا کہ غائب انسان یا بیمار یا جس کو حاجت ضروریہ ہے تو وہ بعض صلحاء کے پاس آتا ہے، اس کا پردہ اپنے سر پر ڈالتا ہے، اور کہتا ہے کہ اے میرے سردار! میرا غائب سامان لوٹا دیا گیا، یا میرے مریض کو شفا ہو گئی یا میری حاجت پوری ہو گئی، تو اتنا سونا یا اتنا چاندی یا اتنا کھانا میرے لیے ہیں، تو (علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ) یہ بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق للعلامة ابن نجيم الحنفي، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۲۹۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان، مطبوعہ بلا سند

باطل اور حرام ہونے کے کئی اسباب ہیں:

(۱) ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ مخلوق کے لیے نذر ہے، اور مخلوق کے لیے نذر جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ شی منذور میت ہے اور میت کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔

(۳) اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میت (قبر والا) اللہ تعالیٰ کے علاوہ معاملات اور کاموں میں تصرف کرتا ہے، اور اس کا ایسا اعتقاد (عقیدہ اور خیال) رکھنا کفر ہے۔ مگر یہ صورت درست ہوگی کہ وہ یہ کہے: الہی! میں تیرے لیے نذر مان رہا ہوں کہ اگر میرے اس مریض شفا و صحت دیدے یا میری گمشدہ چیز لوٹا دے یا میری ضرورت پوری کر دے تو میں ان غریبوں کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہ کے یا امام شافعی کے یا امام ابو الیث دروازے پر ہیں، یا ان کی مسجدوں کے لیے چٹائیاں، یا ان مساجد کی روشنی کرنے کے لیے تیل خریدوں گا، یا جو اس کے شعائر کو بجالائے اس کو دراهم (پیسے) دوں گا وغیرہ اس طرح کی وہ نذریں جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور جن میں فقیروں کے لیے نفع ہو۔

شیخ (قاسم علیہ الرحمہ) نے ذکر کیا ہے کہ بلاشبہ یہ نذر کے مستحقین پر صرف کرنے کی جگہ ہے جو کہ اس کے سرائے یا مسجد میں رہتے ہیں، تو یہ نذر اس اعتبار سے جائز ہوگی، کیونکہ اس کا مصرف فقراء ہیں، اور اس نے صحیح مصرف کو پالیا، اور اسے کسی مالدار یا صاحب حیثیت پر خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس کو یہ لینا اس وقت تک درست نہیں

ہے جب تک کہ وہ محتاج اور فقیر نہ ہو، اور شریعت میں مالداروں پر صرف کرنے کا جواز ثابت نہیں ہے، مخلوق کے لیے نذر ماننے کی حرمت کی وجہ سے، اور ایسی نذر منعقد نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی نذر پوری کرنا ضروری ہے، اور یہ نذر حرام ہے بلکہ سحت (سود) ہے۔ خادم شیخ کو نہ اس کا لینا جائز ہے اور نہ اس کا کھانا، اور نہ اس میں کسی طرح سے تصرف درست ہے، مگر یہ کہ وہ فقیر ہو، یا اس کے تہی دست اہل خانہ ہو جو کمائی سے مجبور ہوں، وہ اس کے حاجت مند ہوں، تو وہ اس کو از سر نو صدقہ کے طریقہ پر لے سکتے ہیں۔ اور اس کو ان چیزوں کا لینا بھی مکروہ ہے جو کہ نذر ماننے والے نے تقرب الی اللہ کا قصد نہیں کرے، اور نہ ہی فقیروں پر خرچ کرنے کا ارادہ کرے، اور شیخ کی نذر سے صرف نظر نہ کرے۔ جب تو نے یہ جان لیا اس چیز کے بارے میں کہ در اہم، شمع اور تیل وغیرہ لے جاتے ہیں، اور اولیاء کرام کی قبروں کے پاس ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں تو یہ سب بیک زبان تمام مسلمان، حرام ہیں جب تک کہ وہ اشیاء منذرہ کو زندہ فقیر لوگوں پر خرچ نہ کر دیں۔

دوسری یہ ہے کہ اراقۃ الدم [خون بہانا] اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو اور ایصال ثواب واسطے غیر کے ہو، مانند قربانی جانب میت سے، اور جو جانور کہ چھوڑ دئے جاویں زندہ، مانند ساڑ اہل ہنود یا امثال اس کے وقف کفار یا ارسال کسی جانور کا بلا قطع کسی عضو یا قطع بعض عضو کے ساتھ زندہ رہا کر دیا جاوے، وہ تحت آیہ کریمہ:

﴿وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (۱)

[اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا]

میں نہیں داخل، جیسا کہ کفار مکہ نے جانوروں میں اپنی عقل سے تحریم و تحلیل کا حکم جاری کر دیتے، کبھی اونٹنی کا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اور دودھ ان کا کسی کو نہیں دیتے تھے، اور اس کی ذبح کو حرام جانتے تھے، اور اس کی تکریم میں خوشی بتوں کی سمجھتے تھے، اسی کو بحیرہ کہتے ہیں۔

اور بتوں کے نام پر جو جانور چھوڑ دیا جاوے، اور مشقت کا کام مثل بار برداری کے نہ لیا جاوے، اس کو سائبہ کہتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس حکم کا ان سے ابطال کیا اور فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ

..... الخ﴾ (۱) [بحیرہ، سائبہ، وصیلہا اور حامی میں سے اللہ نے

کچھ بھی مشروع نہیں کیا]

اس میں فقط ان کے احکام ثابت ہوتے ہیں نہ تحریم ذبح بحیرہ و سائبہ۔

لہذا جو جانور کہ معبودان باطل یعنی بتوں کے نام پر یا باپ دادا کے نام پر زندہ چھوڑے جاویں، ان کا پکڑ کر ذبح کرنا اس لیے حرام نہیں کہ وہ ﴿وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِه..... الخ﴾ (۲) میں داخل ہے، نہ اس لیے کہ بحیرہ و سائبہ حرام ہے بلکہ بسبب عدم ملک کے، کیونکہ مجرد چھوڑ دینے اور رہا کر دینے سے مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہو جاتی، ہاں اگر اذن دی (اور) اجازت ہو جاوے یا اباحت عامہ کر دے تب ان کو ہسم اللہ کہہ کر ذبح کرنا اور کھانے کے لیے حلال ہو جانا لا کلام، درست ہوگا۔ کچھ عمل فنیج و فعل شنیج چھوڑنے والے سے حرمت نہ آئے گی۔ چنانچہ ”رد المحتار“ یعنی شامی میں ہے:

المنختار [أنه يملكه، و] في الصيد أنه لا يملكه اذا لم يبيحه،

و كذا في الدابة اذا سيّها كما بسطه الشرنبلالي في

شرحہ. (۳) انتہی۔

(۱) المائدة: ۱۰۲ (۲) المائدة: ۳

(۳) در المختار للشامی مع الدر المختار، کتاب الصيد: ۶۸/۱۰، دار الكتب العلمية

بيروت، الطبعة الثانية، ۵۱۴۲۴-۲۰۰۳

اور شرح کنز میں ہے:

وان كان مرسلًا فهو مال الغير، لا يجوز تناوله الا باذن صاحبه. (۱) انتہی۔

[شامی میں ہے کہ قول مختار یہ ہے کہ وہ اس کا مالک ہے، اور پرندہ کے بارے میں ہے کہ وہ اس کا مالک نہیں جب وہ مباح نہ کر دے، اور جانور میں جب تک وہ چھوڑ دے۔ علامہ شرنبلالی نے اپنی شرح میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور شرح کنز میں ہے کہ اگر وہ چھوڑا ہوا ہے تو وہ دوسرے کا مال ہے، اس کا لینا مال والے کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔]

اور بدون اذن کے مال مغبوب و مسروق کے قبیل سے ہوگا، اور وہ حرام ہے، اس وجہ سے [کہ] اس میں حکم حرمت کا آئے گا، نہ بنا بر صورت سائبہ، جس میں جان دینا (اور) خون بہانا بتقریب الی غیر اللہ مقصود۔ پس اس کی حرمت تحت ﴿وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ داخل، (اور) اس کی صورت آخر کہ اس میں صرف بردہ کر دینا (اور) چھوڑ دینا ہوتا ہے، اس کو وہ حکم ﴿وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ کا غیر شامل۔

پس مولوی جعفر علی صاحب مرحوم۔ کہ اجلہ خلفاء ہمارے جناب امام اوحید حضرت سید احمد طاب اللہ المرقد و نور اللہ المرصد، شہید فی سبیل اللہ کے، عالم باعمل و فاضل باکمل تھے۔ [نے] صحیح و درست تحریر فرمایا۔

واللہ أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، والیہ المرجع والمآب، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد أمين حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین. فقط۔

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم الحنفی، ۲۲۶/۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان، الدر المختار مع الرد، کتاب الصيد، ۶۶/۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت

ایصالِ ثواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان چند مسئلوں میں کہ زید نے مثلاً نیت روزہ، نماز کی مانی یا کسی نے قرآن پڑھ کر بخشے کا اقرار کیا، تعداد ختم قرآن یا تعداد بھول گیا تو اس صورت میں ثواب کیونکر پہنچتا ہے؟ اگر تعداد ختم یا رکعت پچاس ہیں، اور زید ساٹھ (۶۰) رکعت یا ختم پڑھ کے یہ نیت کرے کہ پروردگار اس کا ثواب جن لوگوں سے اقرار کیا ہے ان لوگوں کو پہنچے، باقی کسی اور کو بخشے کی نیت نہ کرے، اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ اور نماز یا روزہ نفل کسی کو بخشے یا نہیں؟ اور درود شریف سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کو بخشے یا نہیں؟ بدون رعایت اور بلا ریا کے بیان کرنا چاہیے، ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

هو المصوب

جواب: مطابق غلبہ رائے اپنے کے شخص معبود کو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے خواہ تعداد مقدار نفی کے برابر یا زائد پہنچتا ہے اور نیت ایصالِ ثواب کے کرے، جائز ہے۔ کما فی الحدیث:

”کل امرئ ما نوى“ (۱) [ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی]

اور ثواب نماز و روزہ، نفل و صدقہ وغیرہ کا اموات کو پہنچانا درست ہے، اگرچہ عبادات مالیہ کا ثواب پہنچانا باتفاق درست ہے، (اور) عبادت بدنیہ میں اختلاف ہے لیکن

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدأ الوحی، باب کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۱، باب ما جاء أن الأعمال بالنیات والحسبة، رقم: ۵۴، صحیح مسلم کتاب الامارة باب قوله صلی اللہ علیہ وسلم: انما الأعمال بالنیات وأنه یدخل فیہ الغزو وغیرہ من الأعمال، رقم: ۱۹۰۷، سنن أبی داؤد کتاب الطلاق باب فیما عنی به الطلاق والنیات، رقم: ۲۲۰۱، جامع الترمذی أبواب فضائل الجہاد باب ما جاء فیمن یقاتل ریاً وللدنیا، رقم: ۱۶۴۷، سنن النسائی کتاب الطہارة باب النیة فی الوضوء، رقم: ۷۵، سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب النیة، رقم: ۴۲۲۷

اصح یہی ہے کہ جائز ہے۔ کذا فی الہدایۃ:

أن الانسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة. (۱) انتہی۔
وفی الحدیث: "ان الله تعالى يرفع الدرجة للعبد الصالح في الجنة، فيقول: يا رب انني لى هذه. فيقول: باستغفار ولدك. (۲) انتہی۔

[ہدایہ میں ہے: اہل سنت والجماعت کے یہاں انسان کا اپنے عمل، خواہ نماز ہو یا روزہ، یا صدقہ یا اس کے علاوہ (کسی عمل خیر) کا ثواب دوسرے کو دینا جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندہ کا درجہ و مقام بلند کرے گا، تو بندہ کہے گا کہ اے اللہ! یہ میرے لیے کہاں سے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیری اولاد کی مشغرت کی دعا کی وجہ سے ہے۔]

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، حرره الراجی عفو ربہ
المتین محمد أمين حسني الحسيني النصير آبادي تجاوز الله عن ذنبه
الخفي والمبين. فقط

محفل میلاد میں قیام؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین [ومفتیان] شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھے، اور یہی سمجھ کر

(۱) الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، کتاب الحج، باب الحج عن الغير ۲/۳۴۵، مکتبۃ البشرى کراچی، ۵۱۴۲۸ھ - ۲۰۰۷م، الطبعة الثانية

(۲) سنن ابن ماجہ أبواب الأدب باب بر الولدين، رقم: ۳۶۶۰، شرح السنة للبقوي
بزيادة كلمة "لك" كتاب الفعوات، باب من تستجاب دعوته، رقم: ۱۳۹۶، دار

الفکر بیروت، ۵۱۴۲۵/۶ - ۲۰۰۵م

محفل میلاد میں تعظیماً کھڑا ہو، تو وہ مشرک ہے یا نہیں؟ اور محفل میلاد مردوجہ و عمل ہذا، بہ ہیئت کذا سیہ کا قرون ثلاثہ میں وجود ہے یا نہیں؟ یتنوا تو جروا۔

واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل وهو الملہم

للحق والصواب والیہ المرجع والمآب

جواب: واقعی کفر قبیح و شرک صریح ہے غیر خدا کو حاضر و ناظر سمجھنا، اور یہی سمجھ کر محفل میلاد میں تعظیماً کھڑا ہونا، (اور) ہر وقت و ہر جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر جانتا۔ معاذ اللہ، والعیاذ باللہ من ذالک۔ نئی شریعت کا تیار کرنا (اور) مدعی ہونا (اور) آپ کو عالم الغیب جانتا (اور) اعتقاد کرنا فی الواقع یہ عقیدہ شرک و کفر ہے، (اور) خلاف مالم یاذن بہ اللہ کا اجازت دینا (اور) غیر ما یشرعه اللہ کا شرع ٹھرانا [ہے]۔ نعوذ باللہ من شرک المشرکین، والحمد للہ رب العالمین، قال اللہ سبحانہ وتنزه ذاته عز وجل [و] صفاتہ

﴿لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ﴾ (۱)

[اس جیسا کوئی نہیں]

﴿أَم لَّهُمْ شُرَکَآءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّینِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللّٰهُ﴾ (۲)

[کیا ان کے لیے جو شریک ہیں انھوں نے ان کے لیے دین کا راستہ

طے کیا ہے جس کی اللہ نے ان کو اجازت نہیں دی]

سوائے اللہ پاک کے کوئی شخص غیب دان نہیں، (اور) اگر کسی کو اللہ پاک کے

سوا غیب داں جانے تو کفر صریح ہے۔ ”بحر الرائق“ میں ہے:

لو تزوج بشهادة اللہ ورسوله لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقاده

أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔ انتہی (۳)

(ترجمہ: اگر نکاح کرے عورت سے اللہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ

و مسلم کی گواہی سے، کافر ہو جائے گا اور نکاح نہ ہوگا، اس لیے کہ اعتقاد کیا اس نے اس امر کا کہ نبی جانتے ہیں غیب کو۔
اور ”فتاویٰ بزازیہ“ میں ہے:

تزوج بلا شہود، قال: خدای و رسول خدای و فرشتگان را گواه کردم، یکفر لأنه اعتقد أن الرسول والملك يعلمان الغیب. انتہی۔ (۱)

[کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا، یہ کہا کہ خدا اور رسول خدا اور فرشتوں کو میں نے گواہ بنایا، کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اور فرشتہ دونوں غیب جانتے ہیں۔]
اسی بزازیہ میں ہے:

وعن هذا قال علماءنا: من قال: ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم، یکفر. (۲)

[جس نے کہا کہ مشائخ کی روہیں ہر جگہ حاضر رہتی ہیں اور (غیب کی

(۱) اصل عبارت یہ ہے:

تزوجها بشهادة الله تعالى جلّ جلاله ورسوله عليه السّلاة والسّلاء لا ینعقد وینعاف علیہ الکفر لأنه یوهم أنه علیہ السّلاة والسلام یعلم الغیب. وعنده مفاتیح الغیب والآیة، وما أعلم الله تعالى لخیار عبادة بالوحي أو بالالهام الحق لم یبق بعد الاعلام غیباً.
(البزازیة مع الہندیة: ۴/۱۹۹، مکتبہ زکریا دیوبند)

اسی طرح یہ عبارت بھی مسئلہ کو کتنی وضاحت سے بیان کرتی کہ

”من تزوج بشهادة الله ورسوله یکفر لأنه ظن أن الرسول یعلم الغیب“ [ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو وہ کافر ہے کیونکہ اس کا گمان ہے کہ رسول عالم الغیب ہے] مالا بدمنہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پٹی نے تحریر فرمایا ہے: اگر کسے بدون شہود نکاح کر دے، وگفت کہ خدا و رسول خدا را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود/۱۳۸، سب رنگ کتاب گھرالال کنواں دہلی

(۲) یہ عبارت فتاویٰ بزازیہ میں بڑی جستجو و تلاش کے بعد بھی نہیں ملی، کیا بڑی بات ہے کہ صاحب بزازیہ کی یہ عبارت ان کی کسی دوسری کتاب میں موجود ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

باتیں) جانتی ہیں، تو ایسا شخص کافر ہے]
 ”شرح عقائد نسفی“ میں ہے:

وبالجملة العلم بالغیب أمر تفرد به الله تعالى، لا سبيل اليه
 للعباد الا باعلام منه والهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو
 ارشاد الى الاستدلال بالآمارات فيما يمكن فيه ذلك، وبهذا
 ذكر في الفتاوى أن قول القائل عند رؤية حالة القمر [أى
 دائرته] بكون مطر مدعيًا علم الغیب، لا بعلمته، كفر. (۱)
 [باجملہ یہ کہ علم غیب ایک ایسا معاملہ ہے جس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ تن
 تنہا ہے۔ اس کی طرف بندوں کی کوئی سبیل نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی کی
 طرف سے اعلام ہو یا الہام، معجزہ یا کرامت کی راہ سے، یا ان
 نشانیوں سے استدلال کی رہنمائی کے ذریعہ جو کہ اس میں ممکن ہے،
 اسی وجہ سے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ چاند کے دائرہ کو دیکھ کر بارش کے
 ہونے کا قائل ہونا علم غیب کا مدعی ہونے کے، نہ کہ اس کی علامت کے،
 کفر ہے۔]

”مواعظ لدنیہ“ میں ہے:

ان علم الغیب يختص بالله تعالى، وما وقع منه على لسان
 رسوله صلى الله عليه وسلم وغيره، فمن الله تعالى، اما
 بوحى أو بالهام. والشاهد لهذا قوله تعالى ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا
 يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾ (۲) أى

(۱) شرح العقائد النسفية: ۱۷۱، المیزان ناشران کتب، الکریم مارکیٹ، لاہور
 پاکستان۔ شرح الفقہ الکبیر: ۱۲۵، الطبعة الأولى، مطبعة التقدم، بشارع محمد
 علی بمصر
 (۲) الجن: ۲۶-۲۷

لیکون معجزۃ له۔ انتھی۔ (۱)

[علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور نبی اور غیر نبی کی زبان سے جو بھی بات جاری ہوئی، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، یا تو وحی کے ذریعہ سے، یا الہام سے۔ اس بات کی دلیل ارشاد الہی ہے ”وہ ڈھکے چھپے کا جانتے والا ہے، تو وہ اپنے بھید پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے کسی رسول کے جس کو اس نے پسند کر لیا ہو“ تاکہ یہ اس کے لیے معجزہ ہو]۔
ملا علی قارئی نے شرح فقہ اکبر میں یوں تصریح کی:

ثم اعلم أن أنبياء الله عليهم الصلوة والسلام لم يعلموا
المغيبات إلا من الأشياء ما علمهم الله تعالى أحياناً، وقد ذكر
الحنفية تصريحاً بالكفر باعتقاد أن النبي صلى الله عليه
وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (۲)۔ انتھی۔ (۳)

[پیشک انبیاء علیہم السلام غیب کی باتوں کو نہیں جانتے سوائے ان چیزوں کے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے کبھی کبھار دیا ہے، احناف نے کفر کا بھراحت ذکر کیا ہے اس اعتقاد کی نسبت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، ارشاد الہی ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی مخالفت اور معارضت کی وجہ سے]۔

(۱) المواهب اللدنیۃ، الفصل الثانی فی أنباءہ صلی اللہ علیہ وسلم بالأنبياء
المغيبات، للعلامة الخطيب القسطلاني: ۲/ ۱۹۰، المطبعة الشرفية لصاحبها السيد
آفندی حسین شرف، ۱۹۰۸ م، مصر۔ عون المعبود باب ذکر الفتن والملاحم:
۲۳۹/۱۱، دار الفكر بیروت، ۱۴۱۵-۱۹۹۵ م

(۲) النمل: ۶۵ (۳) شرح الفقہ الاکبر: ۱۲۵، الطبعة الأولى، ۱۳۲۳ھ،
مطبعة التقدم، مصر، اعتناء۔ السيد محمد بدرالدين أبو فراس النعساني الحلبي

پس عقیدہ مذکورہ، خلاف نص قطعی وحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے، ہے:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ
وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتٍ
الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (۱)

[غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہی، وہی ان کو جانتا ہے، خشکی اور تری
میں جو کچھ ہے، اس سے وہ واقف ہے اور جو پتا بھی گرتا ہے اس کو
بھی وہ جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ ہے اور جو بھی خشک
وتر ہے وہ سب کھلی کتاب میں موجود ہے]

﴿إِنْ أَتَّبِعْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (۲)

[میں تو اسی پر چلتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اگر میں نے اپنے رب
کی بات نہ مانی تو یقیناً مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے]

﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْمَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ
السُّوءُ إِنَّ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (۳)

[اگر میں غیب کی بات جانتا تو بہت کچھ اچھی اچھی چیزیں جمع کر لیتا،
اور مجھے تکلیف بھی نہ پہنچتی، میں تو ان لوگوں کے لیے ڈرانے والا اور
بشارت دینے والا ہوں جو مانتے ہیں]

”وَاللّٰهُ مَا أَدْرِ [وَأَنَا رَسُولُ اللّٰهِ] مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا
بِكُمْ..... الحديث“ (۴)

[بے شک میں نہیں جانتا ہوں حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ

(۳) الأعراف: ۱۸۸

(۲) یونس: ۱۵

(۱) الأنعام: ۵۹

(۴) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب العین الجاریة فی المنام، رقم: ۷۰۱۸، در

السلام الریاض۔ مسند احمد، حدیث أم العلاء الأنصاریة، رقم: ۲۷۴۵۷، ۲۷۴۵۸

میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ ہوگا کیا؟]

جو خلاف قرآن وحدیث ہے مردود ہے۔ علیٰ ہذا القیاس محفل میلاد میں بھی حاضر و ناظر سمجھنا۔ جیسا کہ تصریح کی قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ نے ”تحفة القضاة“ میں:

ما یفعله الجهال علی رأس کل حول فی شهر ربیع الأول
لیس بشیء، ویقومون عند ذکر مولدہ صلی اللہ علیہ
وسلم، ویزعمون أن روحہ صلی اللہ علیہ وسلم یحیی
وحاضر، فزعمهم باطل، بل هذا الاعتقاد شرک، وقد منع
الأئمة الأربعة عن مثل هذا. انتهى. (۱)

[قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ ”تحفة القضاة“ میں لکھتے ہیں کہ
جونادان اور جاہل لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں ہر سال کے آغاز
میں کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں، اور وہ ذکر نبی (صلی اللہ علیہ
وسلم) کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں، اور وہ خیال کرتے ہیں کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم (محفل میلاد میں) تشریف لاتے ہیں، اور
حاضر ہوتے ہیں، تو ان کا یہ خیال باطل ہے بلکہ یہ اعتقاد شرک ہے۔
ائمہ کرام نے اس جیسی چیز سے منع کیا ہے [بات پوری ہوئی]۔

اکثر مشرکین جاہلین ہمارے زمانے کے اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم
السلام (اور) اولیاء اللہ ہر جگہ حاضر و ناظر رہتے ہیں، اور اپنی پکاروں کی دستگیری کرتے
ہیں، باطل (اور) محض غلط سمجھتے ہیں۔

پس براہ نذر و انجام مرام و مراد پر آسمجھ کر عمل مولد مروجہ متعارفہ قاضی الحاجات
جان کر کرنا ساتھ آلات روشنی بلا ضرورت و شیرینیوں و فرشوں بکثرت، (اور) مردوں
وغورتوں رنگارنگ بصورت و سیرت خلاف سنت و آیت بلکہ مرتکب حرمت بشدت

(۱) فتاویٰ رشیدیہ کامل: ۱۲۲ بحوالہ تحفة القضاة، مطبوعہ گلستان کتاب گھر، دیوبند، باہتمام شاہد علی،

سن طباعت ندارد

موجھیں بڑھی و داڑھی گھٹی و کٹی و موڈی و جھڑی، نمازیں چھوٹی، روزہ و نماز، حج و زکوٰۃ
 ندارد، مولدین دارد حرام خوار، حرام کار، سود خوار، جفا کار، جحد کا ندارد، جمدار، ستمگار،
 زنا کار، زنا دار، ریا کار، صغار و کبار کبار و صغار دارد، شرک و کفر جملہ منہیات گر چہ
 پیراموں با واپاد و منکرات و منکرات چنگ و رہاب، معارف و مضمار، رقص و نگار کرنے
 والے و کرانے والے (اور) سننے والے و سنانے والے و کھانے والے سلامی و جوابی و
 شاعری دروغ کے فروغ دینے والے، زور و حلف و تلف و غصب و فتنہ مرو نامرد
 امر و کلام مرثی و سوز کے دم سوز، سوز و ساز باج و تماشے والے، تعزیر پرستان و
 گور پرستان، تاکنے والے، جھانکے والے، تکبر و تجتر والے، حریر و ریشم پہننے والے و حرام
 رنگ سے رنگین ہونے والے، فسق و فجور والے، راگنی والے و گانے والے، نظم و نثر رسالہ
 مولد کی سنانے والے، سچی جھوٹی بنائی بات بتانے والے، فرض و واجب و سنت و ندب پر
 تدبیر کرنے والے، (اور) ان امور کے نام نہ لینے والے، غیر مشروع و محدث کو (اور)
 امور اختراعیہ و بدعیہ کے واجب بتانے والے، اعتساف و اسراف والے، ایسے مجمع مشرور
 کے ساتھ و محضر بدعات و مجلس منکرات کے ساتھ محفل سیات کے ساتھ تشریف آوری
 روح پر فتوح علیہ التحیۃ و التسلیم سمجھنا۔ غضب ہے، قیامت ہے، آفت ہے، ہراسر
 قباحہ ہے، ایسا عمل حرام ہے، شرک ہے۔ بدعت کون اہل سنت بتاویں ہیں؟؟!!

در مختار میں ہے:

واعلم أن النذر الذي يقع للأموال من أكثر العوام وما يأخذ
 من الدراهم و الشمع و الزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء
 الكرام تقرباً إليهم، فهو با لا جماع باطل، و حرام مالم
 يقصّدوا صرفها لفقرائ الأنام. انتهى. (۱)

[اکثر لوگ جو مردوں کے لیے نذر مانتے ہیں اور جو دراهم اور مومبتی

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصوم، مطلب فی صوم الست من شوال:

اور تیل وغیرہ اولیائے کرام کے مزاروں کے پاس ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں وہ سب باطل ہیں، اور حرام ہے جب تک کہ ان کا مقصود فقیروں میں صرف کرنا نہ ہو]

حاشیہ شامیہ [فتاویٰ شامی] میں ہے:

أى بأن تكون صيغة النذر لله تعالى للتقرب اليه، ويكون ذكر الشيخ مراداً به فقرائه كما مر، ولا يخفى أن له الصرف الى غيرهم كما مر سابقاً، ولا بد أن يكون المنذور مما يصح به النذر كالصدقة بالدرهم ونحوها، أما لو نذر زيتاً لا يقاد قنديل فوق [ضريح] الشيخ أو فى المنارة كما تفعل النساء من نذر الزيت لسيدى عبد القادر وتوقد فى المنارة جهة المشرق فهو باطل، وأصح منه النذر بقراءة المولد فى المنائر مع اشتماله على الغناء واللعب وإيهاب ثواب ذلك الى حضرة المصطفى (صلى الله عليه وسلم). انتهى. (۱)

[اللہ تعالیٰ کے لیے نذر کا صیغہ اسی کے تقرب کے لیے ہو، اور شیخ کے ذکر کرنے سے اس کی مراد اس کے فقراء ہو جیسا کہ گذر چکا، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس کے لیے صرف کرنا ان کے علاوہ کی طرف ہے جیسا کہ گزرا، اور جس چیز کی منت نانی جائے وہ ایسی چیز ہو جس سے نذر ماننا صحیح ہو جیسا کہ دراهم اور اس جیسی چیز کا صدقہ، اگر کوئی شیخ کے مزار کے اوپر قنديل جلانے کے لیے تیل کی منت نانی یا منارہ میں جیسا کہ عورتیں شیخ عبد القادر کے لیے تیل کی نذر مان کر کرتی ہیں اور منارہ میں مشرق کی طرف جلایا جاتا ہے، تو یہ سب باطل ہیں، اور اس سے بڑھ کر قبیح روشنیوں میں راگ ساگ اور لہو و لہب کے ساتھ میلاد کا پڑھا جانا

ہے، اور سرکارِ دو جہاں کی خدمت میں اس کا ثواب ہدیہ کرنا ہے [(اور) مجلس مروجہ بہ ہیئت کذا سیہ خلاف ”ما انا علیہ و اصحابی“ انتہی۔ (اور) وجود اس کا قرونِ ثلاثہ مشہور لہا بالخیر میں نہیں (اور) نہ عمل سلف سالفین وائمہ مجتہدین سے ہے۔ مدخل میں ہے:

ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادۃ وأظهر الشعائر ما يفعلونه فی شهر ربیع الأول من المولد، وقد احتوی ذلك علی بدع و محرمات [جملة]۔ انتہی۔ (۱)

[جملة ان بدعتوں کے جن کو لوگ اپنی طرف سے ایجاد کر لیں باوجود اس کے کہ ان کو بڑی عبادت اور رسوم اسلام کے سمجھتے ہیں، ایک یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں مجلس مولود شریف منعقد کرتے ہیں، اور حالانکہ یہ کتنی ہی بدعتوں اور حرام باتوں شامل ہے]۔ تاج الدین فاکہانی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

لا أعلم لهذا المولد أصلاً فی کتاب ولا سنة ولا ینقل عمله عن أحد من علماء الأمة الذین هم القدوة، المتمسکون بآثار المتقدمین، بل هو بدعة أحدثها البطالون و شهوة النفس اعتنی بها الأكالون۔ انتہی۔ (۲)

(۱) المدخل لابن الحاج المالکی، فصل فی مولد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) والبدع المحدثہ فیہ: ۲/۱، دار التراث، الحاوی للفتاویٰ للامام جلال الدین السيوطي الشافعي، حکم عمل المولد: ۹۳/۱، المكتبة النورية الرضویة، فیصل آباد، پاکستان، سن طباعت نثار۔ بدعة الاحتفال بالمولد النبوي من کتاب البدع الحولية: ۶۳/۱

(۲) الحاوی للفتاویٰ للامام جلال الدین السيوطي الشافعي، حسن المقصد فی عمل المولد: ۱۹۰/۱-۱۹۱، المكتبة النورية الرضویة، فیصل آباد، پاکستان، سن طباعت نثار۔ بدعة الاحتفال بالمولد النبوي من کتاب البدع الحولية: ۶۴/۱

[کچھ اصل کتاب اور سنت میں اس مجلس مولد کی میں نہیں جانتا، اور علمائے امت میں سے کسی ایک سے بھی اس کا عمل نقل نہیں کیا گیا ہے جو کہ پیشوائے دین ہیں اور آثار سلف کو مضبوطی سے تھامنے والے ہیں، بلکہ یہ ایک بدعت ہے جس کو یہودہ لوگوں نے ایجاد کیا ہے اور خواہش نفسانی ہے جس کو نفس و جہالت کے پیروؤں نے اختیار کیا ہے]۔

اور کرنا عرب کا کسی فعل کو بعد قرون ثلاثہ کے یعنی نویں برس [صدی] میں حجت نہیں۔ علامہ [بدرالدین] یعنی حنفی "عمدة القاری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں:

قلت: هذا انما كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم و
الخلفاء الراشدين الى انقضاء القرون الثلاثة، وهي تسعون (۹۰)
سنة، وأما بعد ذلك فقد تغيرت الأحوال و كثرت البدع،
خصوصاً في زماننا هذا [علی] ما لا يخفى. (۱)

[میں کہتا ہوں: یہ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تین صدیوں کے اختتام تک حجت ہے، اور یہ نوے سال پر محیط ہے، اور جہاں تک اس کے بعد کا مسئلہ ہے تو حالات بدل گئے اور بدعتیں زیادہ ہو گئی، خاص طور سے ہمارے اس زمانہ میں جو کہ کسی سے مخفی نہیں ہے]۔

وَأَمَّا نَفْسُ ذِكْرِ رَسُولٍ مَقْبُولٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا كَانَ كَرْتًا بِطَرِيقٍ مُشْرُوعٍ
(اور) کثرت صلوٰۃ و سلام باعث فزونی برکات و رحمت۔ اَرْزَقْنَا اللَّهُ وَ جَمِيعَ
المؤمن و المؤمنات.

حرره الراجی عفو ربه المتین محمد أمين الحسيني، رجاوز الله عن
ذنبه الخفي والمبين.

(۱) عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینة، بابا لا یمان یا رز الی
المدینة: ۲۴۰/۱۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت

میلاؤ کی شرعی حیثیت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر یہ دستور ہے [کہ] ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے لے کر بارہویں تک مسجد مقرر کر کے مولود شریف پڑھتے ہیں اور مٹھائی وغیرہ بھی پابندی کے ساتھ تقسیم بھی کرتے ہیں۔

اور بارہویں تاریخ میں عام مسلمان سے عرس کے نام [سے] چندہ اٹھاتے ہیں، اور دو تین گائے ذبح کر کے اور فاتحہ وغیرہ دے کر سب کو کھانا کھلاتے ہیں، اور اس کا نام ”رسول کا عرس“ رکھا ہے، اور اس بارے میں بعضے لوگ کہتے ہیں [کہ یہ سب] جائز ہیں، اور بعضے کہتے ہیں [کہ] ناجائز ہیں۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ (احقر غلام قادر غفی عنہ)

هو الهادی الى سبيل الرشاد

جواب: جملہ امور مستفسرہ باسراوتما مہا خلاف شریعت [ہیں]

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (۱)

[اور یہ کہ مساجد اللہ ہی کے لیے ہیں، تو اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو]

مساجد محل عبادت و درس و تدریس قرآن و حدیث و موعظت ہیں۔ (اور) کل امور مسئلہ خلاف آیت و خلاف سنت (اور) خلاف صحابہ و خلاف تابعین و خلاف تبع تابعین بلکہ خلاف ائمہ مجتہدین [ہیں]۔

قال ابن الحاج في المدخل: ومن جملة ما أحدثوه من

البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات و اظهار

الشعائر ما يفعلونه من شهر الربيع الأول من المولد، وقد

احتوى ذلك على بدع و محرمات. (۲) انتہی.

(۱) الجن: ۱۸ (۲) المدخل لابن الحاج المالکی، فصل فی مولد النبی صلی اللہ

علیہ وسلم والبدع المحدثہ فیہ ۲/۱، دار التراث بیروت، الحاوی للفتاویٰ للامام جلال الدین السیوطی الشافعی، حکم عمل المولد ۹۳/۱، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ، فیصل آباد، پاکستان، بن طباعت نادر، بدعۃ الاحتفال بالمولد النبوی من کتاب البدع الحولیۃ ۶۳/۱

وقال تاج الدين الفاكهاني في رسالته: لا أعلم لهذا المولد في كتاب ولا سنة، ولا ينقل عمله من أحد من العلماء الأئمة الذين هم القلوة في الدين، المتمسكون بآثار المتقدمين بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الآكلون. (۱) انتهى.

(ترجمہ: کہا امام ابو عبد اللہ بن الحاج نے بیچ کتاب رغل کے کہ من جملہ ان بدعتوں کے، جن کو لوگ اپنی طرف سے ایجاد کرتے ہیں، باوجود اس کے [کہ] ان کو بڑی عبادت اور رسوم، اسلام کے سمجھتے ہیں، ایک یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں مجلس، مولود شریف کی [منعقد] کرتے ہیں، اور حالانکہ یہ کتنے ہی بدعتوں اور حرام باتوں کو شامل ہے۔ ختم ہوا کلام ابن الحاج۔

اور کہا امام الائمہ امام تاج الدین فاکہانی نے اپنے رسالہ میں کہ نہیں جانتا میں اس مجلس مولود کی کچھ اصل کتاب اور سنت میں، اور [نہ] نقل کیا گیا کرنا اس کا، کسی سے علمائے امت میں سے جو کہ پیشوائے دین اور چنگل مارنے والے ہیں، ساتھ آثار اگلوں کے۔ بلکہ یہ بدعت ہے، ایجاد کیا اس کو یہودہ لوگوں نے۔ خواہش نفسانی ہے کہ ارادہ کیا ہے اس کا پیٹ کے کتوں، بہت کھانے والوں نے۔ بات پوری ہوئی۔ نَحْنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ وَأَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ شَرِّهِمْ، آمین۔

اور ”در مختار“ میں ہے:

واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما

(۱) الحاوی للفتاویٰ لایامام جلال الدین السیوطی الشافعی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۱/ ۱۹۰-۱۹۱، المكتبة النورية الرضوية، فيصل آباد، پاکستان، سن طباعت ثارو، بدعة الاحتفال بالمولد النبوي من كتاب البدع الحولية: ۱/ ۶۴

يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح
الأولياء الكرام تقريباً اليهم فهو بالاجماع باطل وحرام، ما لم
يقصدوا صرفها لفقراء الأنام. (۱)

[ترجمہ: اور جان لو! بیشک جو نذر اکثر لوگ مردوں کے لیے مانتے
ہیں، اور جو اولیاء کرام کے مزاروں کے پاس ان کا تقرب حاصل
کرنے کے لیے دراہم، موم بتی اور تیل وغیرہ رکھے جاتے ہیں، وہ
سب بالاجماع باطل اور حرام ہیں جب تک کہ شئی منذور کو عام
فقیروں پر صرف کرنے کا قصد نہ کریں]۔

اور ”رد المحتار“ حاشیہ شامیہ میں ہے:

أى بأن يكون صيغة النذر لله تعالى تقريباً اليه، ويكون ذكر
الشيخ مراداً به فقراءه كما مر ولا يخفى له الصرف الى
غيرهم كما مر سابقاً، ولا بد أن يكون المنذور مما يصح به
النذر كالصدقة بالدراهم ونحوها، أما لو نذر زيتاً لا يقاد
قنديل فوق الشيخ أو فى المنارة جهة المشرق فهو باطل،
وأقبح منه النذر بقراءة المولد فى المنائر مع اشتماله على
الغناء واللعب وإيهاب ثواب ذلك الى حضرة المصطفى
صلى الله عليه وسلم. (۲) انتهى.

[اللہ تعالیٰ کے لیے نذر کا صیغہ اسی کے تقرب کے لیے ہو، اور شیخ کی
ذکر اس کی مراد اس کے فقراء ہو جیسا کہ گذر چکا، اور یہ بات مخفی نہیں

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، مطلب فى صوم الست من شوال

۴۳۹/۲، دار الفكر بيروت

(۲) رد المحتار على الدر المختار لابن عابدين الشامي، كتاب الصوم: ۴۴۰/۲، دار

الفكر بيروت

ہے کہ اس کے لیے صرف کرنا ان کے علاوہ کی طرف ہو، جیسا کہ یہ بات گذر چکی، اور جس چیز کی منت نانی جائے وہ ایسی چیز ہو جس سے نذر ماننا صحیح ہو جیسا کہ دراهم اور اس جیسی چیز کا صدقہ، اگر کوئی شیخ کے مزار کے اوپر قندیل جلانے کے لیے تیل کی منت مانے یا منارہ میں، جیسا کہ عورتیں شیخ عبدالقادر کے لیے تیل کی نذر مان کر کرتی ہیں اور منارہ میں مشرق کی طرف جلایا جاتا ہے، تو یہ سب باطل ہیں، اور اس بڑھ کر قبیح روشنیوں میں راگ ساگ اور لہو لہب کے ساتھ میلاد پڑھنے اور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا ثواب ہدیہ کرنے کی نذر ماننا ہے۔]

اور ”تحفة القضاة“ میں ہے:

سئل القاضي عن المولد الشريف قال: لا ينعقد لأنه محدث وكل محدثة ضلالة وكل ضلالة في النار، وما يفعلون من الجهال على رأس كل حول في شهر ربيع الأول ليس بشيء ويقومون عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم ويزعمون أن روحه صلى الله عليه وسلم يحيى وحاضر، فزعمهم باطل بل هذا الاعتقاد شرك. وقد منع الأئمة عن مثل هذا. (۱) انتهى.

[قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ سے میلاد شریف کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: میلاد کی مجلس سبائی نہ جائے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے، اور یہ جو جاہل و نادان لوگ ماہ ربیع الاول

(۱) فتاویٰ رشیدیہ/ ۱۲۲، بحوالہ تحفة القضاة، مطبوعہ گلستان کتاب گھر، دیوبند، باہتمام شاہد علی، سن

میں ہر سال کے شروع میں کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں، اور وہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کھڑے ہوتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح تشریف لاتی اور (مجلس میلاد میں) حاضر ہوتی ہے، تو ان کا یہ خیال باطل ہے، بلکہ یہ اعتقاد شرک ہے، ائمہ کرام نے اس کی مثل چیزوں اور باتوں سے منع فرمایا ہے۔

اور فرمایا باری تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن شریف میں:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۱)

[پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک صاف راستہ پر رکھا، بس آپ اسی پر چلئے اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے مت ہو جائیے جو جانتے نہیں] اور فرمایا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“ (۲) انتہی۔
[جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز پیدا کی جو کہ اس میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہے]

واللہ اعلم، وعلمہ اتم وأحكم، حرره الراجی عفوریہ المتین، محمد
امین حسنی الحسینی، تجاوز اللہ عن ذنبه الدقیق والسمین۔

میلاد اور قیام تعظیمی کی شرعی حیثیت؟ (۳)

مجلس مرجعہ باقیام اجتماعی نہیں بلکہ رواجی [ہے]، اس لیے کہ اجماع کے لیے دو

(۱) الحاثیۃ: ۱۸

(۲) صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، رقم الحدیث: ۲۶۹۷، دار السلام الریاض، صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور، رقم: ۱۷۱۸، دار السلام، الریاض (۳) یہ ایک فقہی افادہ ہے جو ایک سوال کے جواب میں دیا گیا تھا..... باقی اگلے صفحہ پر.....

شرطیں ضروری [ی] ہیں، بغیر اس کے اجماع نہیں ہو سکتا، ایک تو ہونا داعی کا اس کے لیے اور حاجت ماسہ کا، اور دوسرے ہونا اہل اجماع مجتہدین متدین عدول کا، کما فی نور الأنوار:

ثم أنهم اختلفوا في أن الإجماع هل يشترط في انعقاده أن يكون له داع مقدم عليه من دليل ظني أو ينعقد فجاءة بلا دليل باعث عليه بالهام وتوفيق من الله بأن يخلق الله فيهم علماً ضرورياً، ويوفقهم لاختيار الصواب، فقول: لا يشترط الداعي، والأصح المختار أنه لا بد له من داع على ما قاله المصنف، والداعي قد يكون من أخبار الآحاد أو القياس، وفي قوله "قد يكون" إشارة إلى أن الداعي قد يكون من الكتاب أيضاً. انتهى ملخصاً. (۱)

[نور الانوار میں ہے کہ پھر ان لوگوں میں اجماع کے انعقاد میں اختلاف ہے کہ کیا یہ شرط ہے کہ اس کے لیے دلیل ظنی سے کوئی داعی ہو جو اس پر مقدم ہو، یا اچانک اس پر پیدا کرنے والے کسی دلیل کے بغیر الہام اور توفیق الہی سے منعقد ہو جائے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ ان کے اندر ضروری علم پیدا فرما دے، اور ان کو صحیح اور درست کے اختیار

..... باقی حاشیہ..... یہ سوال ایک مکتوب کی شکل میں حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی کے پاس آیا تھا، جس کا جواب آپ کے ایک عزیز شاگرد مولوی نصیر الدین اللہ آبادی نے لکھا تھا، سوال کے مطلوبہ حصے کا جواب یہ ہے، جس سے میلاد اور قیام تعطیسی کی شرعی حیثیت نمایاں ہو جاتی ہے، ممکن ہے کہ حضرت مولانا سید محمد امین محدث نصیر آبادی قدس سرہ نے بھی اس جواب کو ملاحظہ فرمایا ہو، یہ جواب مکتوبات امینی میں شامل ہے، اس لیے ایک تاریخی امانت جان کر اس کو مجموعہ میں افادہ کی غرض سے شامل کر لیا گیا ہے۔

(۱) نور الأنوار مع قمر الأقمار للعلامة الشيخ أحمد المعروف بملا أحمد جيون

الأميتي: ۲۲۲، الطبعة الأشرفية، طبعة عكسية عن طبعة ۱۳۷۳ هجرية

کرنے کی توفیق عطا کرے۔ کہا گیا ہے کہ دوعی کا ہونا شرط نہیں ہے، اور صحیح و مختار یہ ہے کہ اس کے لیے داعی کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ مصنف نے کہا ہے۔ اور داعی کبھی اخبار آحاد سے ہو سکتا ہے یا قیاس سے، اور مصنف کا قول قد یکون اشارہ کر رہا ہے کہ داعی کبھی کتاب سے بھی ہوتا ہے۔]

اور مخ الغفار میں باب الاجماع میں [ہے]

أهل الاجماع من كان مجتهداً صالحاً الى أن قال: وليس له هواء ولا فسق أى ليس صاحب بدعة يدعو الناس اليها، اذ ليس هو من الأمة على الاطلاق، وسقطت عدالته بالتعصب أو السفه، لأنه ان كان وافر العقل عالماً بقبح ما يعتقد، ومع ذلك يعاند الحق ويكابره فهو التعصب، وان لم يكن وافر العقل كان سفيهاً اذ السفه خفة واضطراب يحمله على فعل مخالف للعقل لقلة التأمل. كذا فى التوضيح، وصححه شمس الأئمة أن صاحب البدعة ان كان مظهراً لها فلا يعتد بقوله أصلاً والا فالحكم كما ذكر فى التلويح بأن المبتدعة من أمة الدعوة دون المتابعة كالكفار، ومطلق الاسم لأمة المتابعة المعهود لها بالعصمة، (۱) انتهى.

[اہل الاجماع وليس له هواء ولا فسق، کی شرح میں ہے کہ وہ صاحب بدعت نہ ہو جو لوگوں بدعت کی طرف دعوت دیتا ہے، کیونکہ ایسا شخص علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے، اور اس کی عدالت تعصب یا سفاہت کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، پس اگر وہ وافر العقل

ہے، اپنے اعتقادات کی برائی و فتح کو چاہنے والا ہے، اور اس کے ساتھ حق کی مخالفت کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے تو یہ تعصب ہے، اور اگر وافر عقل نہیں ہے تو وہ سفیہ، کم عقل والا ہے، تو سفاہت خفت و اضطراب کا نام ہے جو اس کو تامل و تدبر میں کمی کی وجہ سے عقل کے مخالف کام پر ابھارتا ہے۔ اسی طرح ”التوضیح“ میں ہے، شمس الاممہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ بدعتی اس کو ظاہر کر کے رہتا ہے، پس اس کا قول اصلاً معتبر نہیں، اگر یہ نہیں تو حکم وہی ہے جیسا کہ ”التوضیح“ میں مذکور ہے کہ بدعتی لوگ بجائے امت اجابت کے، کفار کی طرح امت دعوت میں سے ہیں، اور امت متابعت (اجابت) کے لیے مطلق نام اس کی گمراہی و ضلالت سے حفاظت کا عہدہ اور وعدہ ہے۔]

اور نور الانوار میں ہے:

والشرط اجماع الكل، وخلاف الواحد مانع كنخلاف الأكثر یعنی فی حین انعقاد الاجماع، لو تحالف واحد كان خلافه معتبراً ولا ینعقد الاجماع لأن لفظ الأمة فی قوله علیه السلام ”لا تجمع امتی علی الضلالة“ یتناول الكل، فیحتمل أن یكون الصواب مع المخالف. (۱) انتہی۔

[اور شرط ہے تمام مجتہدین کا اجماع، اور ایک کا اختلاف اکثر کے اختلاف کی طرح اجماع کے لیے مانع ہے، یعنی اجماع کے منعقد ہونے کے وقت، اگر کسی ایک نے اختلاف کیا ہے تو اس کا یہ اختلاف معتبر ہے، اور اجماع منعقد نہیں ہوگا، اس لیے کہ ارشاد نبوی علیہ السلام ”لا تجمع امتی علی الضلالة“ تمام کو شامل ہے،

چنانچہ احتمال ہے کہ درست اور صواب، مخالفت کے ساتھ ہو۔

سو شرط اول مفقود ہے بسبب اعدام داعی کے، (اور) شرط ثانی مفقود بسبب نہ ثابت ہونے قول کسی مجتہد کے بھی اس کے جواز میں، چہ جائے کہ اتفاق مجتہدوں کا ایک وقت میں اس پر ہو، البتہ مظفر الدین بادشاہ اربلی [نے] کہ موجد اس مجلس مروجہ بہ ہیت کذا سیہ کا سن ۶۰ھ [میں] کہ بدعت محدث رافع سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے، کہ اس کو نکالا ہے، جو ابن خلکان میں ہے، اور خود ناچتا تھا جو مرۃ الجنان میں لکھا ہے۔ اس کی پیروی بھی اسی وجہ سے قدما و اکابر علمائے مذہب اربعہ جو بڑے نامی و گرامی و صاحب تصنیف معتبرہ ہیں، وہ مانع و منکر اس عمل مولد کے ہیں مانند ابو عبد اللہ ابن الحاج مالکی صاحب مدخل، اور احمد بن محمد المصری مالکی صاحب قول معتمد، اور علی بن الفضل المقدسی مالکی اور ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد المجید مالکی اور محمد بن ابی بکر الخزومی مالکی مصنف کتاب البدع والحوادث، اور شمس الدین بن الیقیم حنبلی اور شرف الدین احمد صاحب تاویلات، اور علاء الدین بن اصل الشافعی مصنف شرح البعث والنشور، اور عبد الرحمن مقبری حنفی مصنف صاحب فتاویٰ اور قاضی شہاب الدین ملک العلماء دولت آبادی مصنف تفسیر بحر مواج و ما لک فتاویٰ تحفۃ القضاۃ اور ببر علی آفندی حنفی مصنف طریقہ محمدیہ اور ابن رجب آفندی حنفی شارح طریقہ محمدیہ اور علامہ فخر الدین خراسانی صاحب تاریخ، اور امام شعرانی صاحب کتاب تنبیہ، اور تاج الصلحاء تاج الدین فاکہانی اور مولانا فضل اللہ صاحب ہجۃ العشاق اور صاحب تلخیص البحر اور ابن نقطہ بغدادی اور صاحب فتاویٰ ذخیرۃ السالکین و حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور صاحب ”رد المحتار“ معروف بحاشیہ شامی اور نور الدین شارح ”المواہب اللدنیہ“ اور حسن بن علی ہندی صاحب ”طریقۃ السنۃ فی رد اہل البدعہ“ اور حجۃ اللہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور قسطلانی اور محمد اشرف لکھنوی اور صاحب راہ سنت اور صاحب ”مائۃ مسائل“ اور صاحب اور صاحب تفہیم المسائل

وغیرہ علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین، علیٰ ہذا القیاس ہر زمانہ و ہر طبقات میں اتنے بکثرت مانعین ہوتے آئے کہ جن کا احصاء و شمار نہایت دشوار ہے، نقل عبارت میں ان بزرگوں کے ایک دفتر طویل و طومار ہونے کا یقین ہے۔

لہذا اسی قدر پر اکتفاء کی گئی، بعض عبارت نقل کی جاتی ہے، حاشیہ شامیہ میں ہے:

وأصبح منه النظر بقراءة المولد في المنابر مع اشتماله على الغناء واللعب وإيهاب ثواب ذلك إلى حضرة المصطفى صلى الله عليه وسلم، انتهى. (۱)

[اور اس بڑھ کر قبیح روشنیوں میں راگ ساگ اور لہو لعب کے ساتھ میلاد پڑھنے اور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا ثواب ہدیہ کرنے کی نذر ماننا ہے۔]

اور تحفة القضاة میں ہے:

سئل القاضي عن المولد الشريف، قال: لا ينعقد لأنه محدث وكل محدثة ضلالة، وكل ضلالة في النار، وما يفعلون من الجهال على رأس كل حول في شهر ربيع الأول ليس بشيء، ويقومون عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم، ويزعمون أن روحه صلى الله عليه وسلم يجيء وحاضر، فزعمهم باطل بل هذا الاعتقاد شرك. وقد منع الأئمة عن مثل هذا (۲) انتهى.

(۱) رد المحتار علی الدر المختار لابن عابدین الشامی، کتاب الصوم: ۲/ ۴۴۰، دار

الفکر بیروت

(۲) فتاویٰ رشیدیہ (از: امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ): ۱۲۲، بحوالہ تحفة القضاة، (از: قاضی شہاب الدین دولت آبادی ثم جوہپوری صاحب تفسیر ”بحر موج“) مطبوعہ گلستان کتاب گھر، دیوبند، باہتمام شاہد علی بن طباعت ندارد۔

[قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ سے میلاد شریف کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: میلاد کی مجلس سجائی نہ جائے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے، اور یہ جو جاہل و نادان لوگ ماہ ربیع الاول میں ہر سال کے شروع میں کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں، اور وہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کھڑے ہوتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح تشریف لاتی اور (مجلس میلاد میں) حاضر ہوتی ہے، تو ان کا یہ خیال باطل ہے، بلکہ یہ اعتقاد شرک ہے، ائمہ کرام نے اس کی مثل چیزوں اور باتوں سے منع فرمایا ہے۔]



کتاب الطہارۃ

چرخی ڈول اور کنواں کی تطہیر کیسے ہو؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ ڈول چرخی ساخت چماران یا آنکھ ڈول بوسیدہ مرمت کردہ چماران، جس میں چڑا اور پانی اور چربی، اسی چمار مرمت کنندہ نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔

پس اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور احیاناً وہ پاک نہ کی گئی اور اسی طرح چاہ [کنواں] میں ڈالی گئی، تو اب چاہ نجس ہوا یا نہیں؟ اور نماز و طہارت ایسے ڈول کے پانی سے جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا۔

هو المصوب والملهم للحق و الصواب

جواب: صورت مسئلہ میں طریقہ پاک کرنے کا پانی سے دھو ڈالنا اور چہ طہارت و نظافت ہے۔ (اور) مزید احتیاط ”الماء طاهر مطہر“ [پانی فی ذاتہ پاک ہے، پاک کرتا ہے] صورت تطہیر ہے، (اور) اگر پانی سے نہیں دھویا گیا [تو بھی] چاہ نجس نہیں ہے، بوجہ قلیل کے معفو ہے۔

كما في الهداية: فجعل القليل عفواً للضرورة. (۱) وفي الدر

المختار: القليل المعفو عنه ما يستقله الناظر والكثير بعكسه

وعليه الاعتماد. انتهى. (۲)

(۱) الهداية مع الدراية، کتاب الطہارۃ، فصل فی البثر: ۱/۴۲، کتب خانہ زکریا، چوراستہ

جیسور، بنگلہ دیش، بلاستہ (۲) الدر المختار مع تنویر الابصار، کتاب الطہارۃ، باب

المیاء، فصل فی البثر: ۱/۳۸۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م

[ہدایہ میں ہے: قلیل کو ضرورۃً معفو عنہ قرار دیا گیا ہے۔ اور الدر المختار میں ہے کہ قلیل معفو عنہ وہ ہے جس کو دیکھنے والا قلیل سمجھے، اور کثیر اس کے بالعکس ہے، اور اسی پر اعتماد ہے۔ عبارت پوری ہوئی]۔
 علیٰ ہذا، مجوسیوں کے ظروف کی حالت ایسی ہی تھی کہ پانی و چرب سے ان کے [برتن] خالی نہ تھے (اور) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے طہارت کا حکم دیا، چنانچہ مروی ہے:

سألت عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، قلت: انا نكون بالمغرب، فيأتينا المحوس بالأسقية، فيها الماء والودك. فقال: اشرب. فقلت: رأيي تراه؟ فقال [ابن عباس]: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "دباغُه طهورٌ". كذا رواه مسلم في صحيحه. (۱)

[میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، اور کہا کہ ہم مغرب میں تھے، ہمارے پاس مجوسی ایسی مشکیں لے کر آئے جن میں پانی تھا اور گوشت اور چربی کی چکناہٹ تھی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پیو۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپؐ کے پاس کوئی دلیل ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اس کی دباغت اس کی پاکی ہے۔ اسی طرح امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے]۔

واللہ أعلم بالصواب، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد امین

حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبه الخفي والمبين

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، رقم: ۳۶۳،

مکتبۃ دار السلام الرياض

ناپاک کنویں کو کس طرح پاک کریں؟

سوال: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا، اس مسئلہ میں کہ چاہ میں خنزیر گر گیا، اور مٹا زندہ نکالا گیا، بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ کل پانی نکالا جاوے، اور بعضوں کی رائے یہ قرار پاتی ہے کہ گڈھامدور موافق اسی چاہ کے کھودا جاوے، اور اندازہ کر کے جس قدر پانی اس میں ہوئے نکالا جاوے، لیکن یہ دونوں باتیں غیر ممکن ہیں اس واسطے کہ بھجہ بارش کے چاہ میں پانی بہت کثرت سے ہے، بلکہ بالشت دو بالشت پڑ ہونے کو باقی ہے، اور قریب چاہ کے ایک تالاب بھی واقع ہے، تو اگر اس صورت میں موافق قول حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مجبوراً عمل کیا جائے، یعنی تین سو (۳۰۰) ڈول استحباً نکالا جاوے، تو چاہ پاک ہو جاوے گا یا کچھ شک باقی رہے گا؟ ازراہ عنایت جو حکم شرع شریف کا ہو، اسے مفصل ارقام فرماویں، داخل حسنات ہو جیے۔ بینوا توجروا۔

هو المصوب

جواب: حنفیہ کے نزدیک یہی حکم ہے کہ باعتبار قول امام محمد رحمہ اللہ کے فتویٰ دیا جاتا ہے، حالت تعذر میں دو سو (۲۰۰) ڈول نکالا جاوے۔

كما في الدر المختار: فان تعذر نزع كلها لكونه معيناً،
فبقدر ما فيها وقت ابتداء النزع. قاله الحلبي: يؤخذ في
ذلك بقول رجلين عدلين، لها بصارة بالماء، به يفتى وقيل
يفتى بمأتين الى ثلاث مائة، وهذا أيسر، وذاك
أحوط. انتهى. (۱) وفي الهداية وعن محمد: نزع مائتي دلو
الى ثلاث مائة. انتهى. (۲) وبحر العلوم في الأركان: وان

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، دار الكتب العلمية،

بيروت، الطبعة الثانية، ۱۴۲۴-۲۰۰۳م

(۲) الهداية، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز به، فصل

في الآبار ۱/۷۲، مكتبة البشري كراتشي

وقع فی البشر حیوان لا یعلم فی بدنه نجاسة، ویخرج حیاً،
 فان كان نجس العین، ینزع الماء كله. (۱) انتھی۔
 [اگر کنواں کا سارا پانی نکالنا اس میں سے مسلسل نکلنے کی وجہ سے
 مشکل اور دشوار ہو، تو ڈول نکالنے کے شروع وقت میں اس میں جتنا
 پانی ہے اس کا اندازہ لگایا جائے گا۔ علامہ (ابراہیم) حلبی کہتے ہیں
 کہ دو عادل آدمیوں کے قول کا اعتبار کیا جائے گا جو پانی کے بارے
 میں بصیرت رکھتے ہوں، اسی پر فتویٰ بھی ہے، یہ بھی منقول ہے کہ دو
 سو ڈول سے تین سو ڈول تک نکالنے کا فتویٰ دیا جائے گا۔ یہ
 (طریقہ) آسان ہے اور وہ طریقہ احتیاط پر مبنی ہے۔ اور ہدایہ میں
 ہے کہ امام محمد بن حسن شیبانی سے مروی ہے کہ دو سو ڈول سے تین سو
 ڈول تک نکالا جائے گا۔ بحر العلوم علامہ عبدالعلی لکھنویؒ نے ارکان
 میں لکھا ہے: اور اگر کنواں میں کوئی جانور گر جائے اور اس کے بدن
 پر نجاست کا علم نہ ہو اور زندہ نکل آئے اگر وہ جانور نجس العین ہے تو
 کنواں کا سارا پانی نکالا جائے گا۔]

حالت عدم تعذر میں (اور) در صورت عذر، حکم سابق باقی اور اماموں کے
 نزدیک، نجاست غیر ثابت۔ چنانچہ ارکان [اربعہ] میں بحر العلوم فرماتے ہیں:
 وعلى هذا الخلاف المذکور یتنزع بتنحیس البشر فعند
 الاثمة الثلاثة لا یتنجس الا بتغییر أحد الأوصاف الثلاثة
 لأنه ماء زائد علی القلتین، وعندنا یتنجس، فبوقوع النجاسة
 یتنزع الماء، ثم فی مسائل البشر تفصیل عندنا، ومسائل البشر
 عندنا خارج عن القیاس، انما المتبع فی الآثار، فنقول: ان
 ماتت فیہ الفارة، وأخرجت من فور قبل أن یتفسخ، ینزع

(۱) رسائل الأركان، كتاب الطهارة، فصل فی البعر: ۷۰، المطبع السعیدی بکلكته، الهند

عشرون دلوأ الى ثلاثين لأثر أنس رضى الله عنه فأنه: قال
فى الفارة ينزح عشرون. وفى نحو دجاجة و سنور، ينزح
أربعون الى خمسين لأثر سعيد رضى الله عنه، فأنه قال: فى
الدجاجة ينزح أربعون. والمعتبر فى كل بئر دلوها.

قال فى فتح القدير: الأثران المذكوران ذكرهما مشائخنا ولم
يوجد فى كتب الأحاديث، وأسند الطحاوي عن أمير
المؤمنين علي رضى الله عنه قال: "فى البئر وقعت فيها فارة
فماتت، ينزح ماؤها". هذا بظاهره يوجب نزح كل الماء، ثم
نقل الطحاوي بسنده الى ابراهيم النخعي، أنه قال: "فى
الجراد و السنور أربعون دلوأ". وهذا عجيب لأن الجراد
طاهر حلال ميتة. ثم عنه وعن الشعبي أقوالاً فى نحو السنور
أربعون دلوأ، وسبعون فى كل ماء وي، لا حجة. (۱) انتهى.

[اور اس اختلاف مذکور کی بناء پر کنواں کی طہارت و عدم طہارت
میں نزاع و اختلاف ہے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور
امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ و الرضوان) کے نزدیک نجس نہیں ہوگا الا
یہ کہ احد الاوصاف الثلاثہ متخیر ہو، کیونکہ یہ پانی قلعین سے زیادہ ہے،
اور ہمارے (احناف کے) یہاں نجس ہو جائے گا، کنویں کا سارا پانی
نجاست کے گرنے کی وجہ سے نکالا جائے گا۔ پھر کنویں کے احکام
و مسائل میں ہمارے یہاں کچھ تفصیلات ہیں، اور کنویں کے مسائل
خارج عن القیاس ہیں، ان میں تو صرف آثار کا تتبع ہے۔ چنانچہ ہم
یہ کہتے ہیں کہ اگر کنویں میں چوبیا گر کر مر جائے اور پھٹنے سے پہلے
نکال لیا جائے، تو ہمیں سے تمیں ڈول تک اثر حضرت انس رضى الله

عنه کی وجہ سے نکالے جائیں گے، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ چوہیا میں
 ہیں ڈول نکالے جائیں گے۔ بلی اور مرغی جیسے جانوروں میں
 چالیس سے پچاس ڈول اثر حضرت سعید کی وجہ سے نکالے جائیں
 گے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مرغی میں چالیس ڈول نکالے جائیں
 گے۔ [واضح رہے کہ پانی نکالنے کیا اعتبار مردار کو نکالنے کے بعد
 ہے] اور ہر کنویں میں اس کے ڈول کا اعتبار ہوگا۔

فتح القدیر میں فرمایا کہ مذکور الصدر دونوں آثار کا ہمارے مشائخ نے ذکر کیا ہے، اور
 کتب احادیث میں یہ دونوں روایتیں نہیں ہیں، امام طحاویؒ نے حضرت علیؓ سے مسنداً
 روایت کی ہے، کہ آپ نے اس کنویں کے بارے میں فرمایا جس میں چوہیا گر کر مر جائے
 کہ کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا، یہ (منقول اثر) اپنے ظاہر کے ساتھ کل پانی کو نکالنے کا
 موجب ہے، پھر امام طحاویؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کی اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ جراد (بڑا
 بڑا) اور بلی میں چالیس ڈول ہیں۔ یہ عجیب و غریب بات ہے کیونکہ بڑی طاہر ہے اور
 اس کا مردار بھی پاک ہے۔ ان سے اور امام شافعیؒ سے مختلف اقوال منقول ہیں کہ بلی جیسے
 جانور میں چالیس ڈول ہیں، اور ہر مائی میں ستر ہیں، کوئی دلیل نہیں ہے۔

پس مسئلہ ہذا میں باعتبار روایت احادیث، مذاہب ثلاثہ قویہ ہیں، اس میں شک
 نہیں۔ (۱) من شاء فلیر جمع الی کتب الحدیث. واللہ اعلم وعلمہ أحکم.

کتبہ محمد امین حسنی الحسینی، تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین.

(۱) پانی کی طہارت و نجاست کا مسئلہ فقہائے کرام کے مابین معرکہ الآراء مسائل میں سے ایک
 ہے، ائمہ ثلاثہ امام مالک بن انسؒ، امام محمد بن ادریس شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ائمہ احنافؒ
 میں نجاست اور عدم نجاست کے بارے میں مختلف آراء ہیں، چنانچہ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے
 ہیں کہ وقوع نجاست سے جب تک پانی کے تین اوصاف میں کا ایک متغیر نہ ہوں، اس وقت تک
 پانی نجس نہیں ہوگا، چاہے پانی قلیل ہو یا کثیر، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ
 علیہما الرحمہ فرماتے ہیں کہ پانی میں نجاست کے وقوع سے اس وقت تا پاک ہوگا جب کہ پانی قلیل
 ہو، اگرچہ پانی کا کوئی وصف نہ بھی بدلے۔..... باقی اگلے صفحہ پر

طہارت نسواں

سوال: کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ، کہ ایک زن معتادہ جس کے معمولی ایام طمث [حیض] چھ دن ہیں، ایک بار اس سے نو (۹) روز تک خون ظاہر ہوا، بعد غسل پانچ روز ظاہر رہے کے چھٹے روز پھر خون اس کو ظاہر ہوا، اور یہ خون بلا فصل گیارہ (۱۱) روز تک جاری رہا، بعدہ بند ہو گیا، پس یہ خون ثانی اور وہ تین جو ایام معتادہ سے زائد ہوئے، داخل حیض ہیں یا استحاضہ؟ بحالت استحاضہ اس پر

..... ہائی حاشیہ..... اور اگر کثیر ہے تو پانی نجس نہیں ہوگا جب تک کہ پانی کے اکثر اوصاف متغیر نہ ہوں، ان کے نزدیک کثیر کی مقدار قلتین ہے، اور یہ مقدار قلتین نہیں بلکہ تحقیقی ہے۔ آخری مسلک امام الامام سیدنا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی بغدادی اور آپ کے متبعین کا ہے کہ نجاست مائعات سے ملے یا جامدات سے، بہر صورت موجب جہت ہے، اس میں احدا لا اوصاف کے تغیر کی قید ضروری نہیں اور نہ ہی قلتین سے کم ہونے کی قید ہے، البتہ اس سے مقدار کثیر کا استثناء کیا گیا ہے، استثنائی دلیل ”وضوء یماء البحر“ وغیرہ کی احادیث ہیں، جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پانی کثیر ہو تو وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا، اور قلیل اور کثیر کی تحدید میں کوئی قول محکم نہیں ہے بلکہ امام ابو حنیفہؒ نے مہملیٰ بہ کی رائے پر اس کو چھوڑا ہے، اور امام ابو یوسف نے سے منقول ہے کہ جس پانی میں ”تخلو صُ أثر النجاسة الى الطرف الآخر“ ہو، وہ قلیل ہے اور جس میں نہ ہو وہ کثیر ہے، امام ابو الحسن قدوریؒ نے اس کی تعبیر ان کلمات سے کی ہے ”ما لم يتحرك بتحرك الطرف الآخر“ اور ایک قول ”عشرہ فی عشرہ“ کا بھی ہے، فقہائے متاخرین نے سہولت کے پیش نظر ”عشرہ فی عشرہ“ کے قول کو اختیار کیا ہے، امام مالکؒ کی دلیل ”حدیث بربضاء“ ہے، اور امام شافعیؒ کی دلیل ”حدیث قلتین“ ہے، اور اولہ احناف میں چار احادیث پیش کی جاتی ہیں: (۱) حدیث: لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم، ثم يتوضأ منها. (۲) حدیث المستیقظ من منامہ. (۳) حدیث ولوغ الكلب. (۴) حدیث وقوع الفارة فی السمن. پیش کردہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں جن پر احناف کے مسلک کی بنیاد و اساس ہے، (مسالک ثلاثہ کے راجح مرجوح سے متعلق پوری تفصیلات مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی درس ترمذی شرح جامع الترمذی: ۱/۲۶۶-۲۷۸، مطبوعہ دیوبند، میں ملاحظہ فرمائیں) نیز یہ بات ذہن نشین رہے کہ کنواں سے متعلق تمام احکام آثار صحابہؓ پر مبنی ہیں، جبکہ علمائے شوافع و مالک کے یہاں مذکورہ اولہ کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے، اس لحاظ سے بھی مسلک احناف کو دیگر مسالک پر ترجیح حاصل ہے۔

احکام ظاہر ہیں؟ بچوں مسح مصحف و تلاوت آں، وادائے نماز وغیر آں جاری ہوں گے؟ اور گیارہ روز کل استحاضہ سمجھے جاویں گے؟ یا بعض اس کا حیض اور بعض استحاضہ؟ اگر ایام معتادہ کے بعد اقل میعاد طہر پندرہ (۱۵) دن تصور کیے جاویں تو ظاہر ہے کہ تین دن جو معتادہ کے بعد بڑھے، اور پانچ دن جن میں خون نہیں آیا، اور سات دن منجملہ گیارہ روز کے جن میں خون آیا، ملا کے پندرہ (۱۵) روز ہو جاویں گے، اور پانچ دن جو بڑھے، وہ طہر سے علاوہ یعنی حیض میں معدود ہوں گے؟

پس اگر یہ پانچ دن حیض ہیں (یا اس سے بھی کم دو ہی تین بچتے اور وہ حیض ہوتے) تو اس کے بعد جو پاکی ہوئے، وہ طہر حقیقی ہوگا؟ یا ایام مقررہ معتادہ جوشش [چھ] روز ہیں، جب تک یہ دن پورے نہ ہو لیں، حکم طہر اصلی کا نہ دیا جائے گا؟ بینوا تو جروا۔

هو الموفق

جواب: صورت مسئلہ میں عادت سے زائد جو تین دن خون آیا مگر حیض کے اندر حیض ہے۔

کما فی شرح الوقایہ: وما رأت من لون فیہا ای فی المدة

سوی البیاض حیض. انتہی. (۱)

[شرح الوقایہ میں ہے: عورت اس مدت میں جو بھی رنگ، سوائے

سفید کے دیکھے گی، وہ حیض ہے۔]

اور گیارہ دن جو خون آیا وہ استحاضہ ہے، اور ماہین نو و بارہ (۹-۱۲) جو پانچ دن ظاہر رہی، اس کو طہر مختل کا حکم نہ ہوگا، اس واسطے کہ مدت حیض سے باہر ہے اور اس کے لیے شرط ہے کہ مدت حیض کے اندر ہو۔

کما فی الہدایہ: والطہر اذا تحلل بین الدمین فی مدة

الحیض فهو کالدم المتوالی. انتہی. (۲)

(۱) شرح الوقایہ مع عمدة الرعاية، کتاب الطہارة، باب الحیض، الطہر المتخلل:

۱۱۰/۱۔ مطبوعہ فیصل پبلی کیشنز، جامع مسجد دیوبند

(۲) الہدایہ مع الدرر، کتاب الطہارة، باب الحیض والنفاس: ۶۶/۱۔ کتب خانہ زکریا

چوراستہ جیسور، بنگلہ دیش، مطبوعہ بلاسنہ

[ہدایہ میں ہے: اور طہر حیض کی مدت میں دو دم (خون) کے درمیان متخلل ہو، تو دم مسلسل کے حکم میں ہے]۔

پس ہر گاہ اس میں معدودہ ہوا، طہر فاسد نہ ہوگا، بلکہ طہر فاصل و صحیح میں ہوگا، (اور) معتادہ کو عادت کی قدر لینا، (اور) زائد کو استخاصہ شمار کرنا جبکہ اکثر مدت حیض یعنی عشرہ (۱۰) سے زائد دم متوالی [برابر خون] آوے۔

كذا في الهداية: ولو زاد الدم على عشرة أيام ولها عادة معروفة دونها ردت الى أيام عاداتها، والذي زاد استحاضة. انتهى. (۱)
[ہدایہ میں ہے: اور اگر دس دن سے زیادہ خون آئے، جبکہ وہ معتادہ معروفہ تھی تو اس کے ایام معتادہ کی طرف لوٹائی جائے گی، اور جو زائد ہے وہ استخاصہ ہے]۔

(اور) جبکہ ایسا نہیں، (اور) حکم عادت پر منوط [جڑا ہوا] نہیں۔ چنانچہ در مختار میں ہے:
والناقص عن أقله والزائد على أكثره أو أكثر النفاس أو على العادة، وجاوز أكثرهما وما تراه صغيرة دون تسع على المعتمد، وآئسة على ظاهر المذهب، وحامل ولو قبل خروج أكثر الولد استحاضة. (۲)
[اس کے اقل مدت سے کم ہو یا زیادہ ہو یا نفاس سے زیادہ ہو یا عادت سے اوپر ہو، اور ان دونوں سے تجاوز کر جائے اور جو لڑکی نو سال سے پہلے معتمد قول کے مطابق اور آئسہ عورت ظاہر المذہب کے موافق اور حاملہ (کو جو خون آتا ہے) بچہ کے اکثر حصہ نکلنے سے پہلے وہ استخاصہ ہے]۔

(۱) الهداية مع الدراية، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس: ۶۷/۱۔ یا سرائیڈ ندیم کمپنی دیوبند، مطبوعہ بلا سنہ (۲) الدر المختار مع تنویر الابصار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۴۷۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م الطبعة الثانية.

اور حکم استخاضہ یہ ہے کہ:

لا تمنع صلاة وصوماً ووطياً. هكذا في وقاية الرواية. (۱)
 اور مس مصحف میں محدث وغیرہ برابر ہیں۔ مگر خلاف کے ساتھ درست [ہے]۔
 واللہ أعلم بالصواب وعنده أم الكتاب، حرره الراجی عفور بہ المتین،
 محمد أمين حسني الحسيني، تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين.



(۱) شرح الوقایة مع عمدة الرعاية، کتاب الطهارة، باب الحيض، الطهر المتخلل:
 ۱۱۰/۱، مطبوعہ فیصل پبلی کیشنز، جامع مسجد دیوبند، باہتمام محمد صہیب بن محمد فاروق صدیقی

کتاب الصلاة وأحكامها

شب باشی اور مباشرت والے مکان میں نماز پڑھنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، بیچ مسئلہ مستفسرہ ذیل کے، جس مکان میں میاں بی بی شب باشی کرتے ہوں، اور مجامعت و مباشرت کا بھی اتفاق ہوتا ہو، اس مکان میں ادا کرنا، نماز فریضہ کا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

هو الموفق

جواب: بشرطیکہ جائے نماز ظاہر ہے [تو] اس مکان میں بھی جواز صلاۃ کا ثبوت، بھوم حدیث [ہے]

”الأرض كلها مسجد الا المقبرة و الحمام“ کذا رواه أبو داؤد، (۱)

[ترجمہ: پوری روئے زمین سجدہ گاہ ہے سوائے مقبرہ اور غسل خانہ

کے۔ اس طرح امام ابو داؤد نے حدیث کی روایت فرمائی]۔

(اور) مکان مستفسرہ کا نہ ہونا، مقامات مستثنیات [میں] سے دلالت کرتا ہے

اوپر، جواز صلاۃ کے۔

”نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن یصلی فی سبعة

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی المواضع التي لا تجوز فیها الصلاة، رقم

الحديث: ۴۹۲، جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن الأرض كلها مسجد

الا المقبرة و الحمام، رقم الحديث: ۳۱۷

مواطن، فی المذبلة و المعجزرة و المقبرة و قارعة الطريق، و فی الحمام و فی مواطن الابل و فوق ظهر بیت اللہ (۱)۔ انتہی، کذا رواہ الترمذی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

[ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ ان سات جگہوں میں نماز پڑھی جائے، کباڑ خانہ میں، قربان گاہ میں، قبرستان میں اور راستہ کے بیچ میں، اور غسل خانہ میں اور اونٹوں کے باڑھے میں، اور بیت اللہ شریف کی چھت میں۔ عبارت مکمل ہوئی، اسی طرح امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی۔]

(اور) نظیر ادائے صلاۃ مکتوبہ باجماعت گھر میں، بایں عذر کہ امیر اور ان کے تابعین نے تاخیر کی، قصہ اسود و علقمہ [ہے] جو اخراج کیا مسلم نے۔

”أتینا عبد اللہ بن مسعود فی دارہ، فقال: أصلي هؤلاء خلفكم؟ فقلنا: لا. قال: قوموا فصلوا..... الحديث“ أخرجه مسلم فی صحيحه. (۲)

[ترجمہ: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے گھر میں آئے، تو آپ نے فرمایا: کیا ان لوگوں نے تمہارے پیچھے نماز پڑھی؟ تو ہم نے جواب نشی میں دیا، آپ نے فرمایا: ٹھہرے ہو اور نماز پڑھو..... اس حدیث کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں فرمائی ہیں۔]

(اور) بلا عذر شرعی ترک مسجد و ترک جماعت پر تشدید شدید [تحتی] اور وعید

[ہے] چنانچہ [احادیث میں ہیں]

(۱) جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی كراهية ما يصلي اليه و فيه، رقم الحديث: ۳۴۶۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب النذب الي وضع الأيدي على الركب في الركوع و نسخ التطبيق، رقم الحديث: ۱۱۹۱۔

”مساجدهم عامرة، وهي خراب عن الهدى“۔ أخرجه البيهقي (۱)
من سمع النداء فلم يجبه، فلا صلاة [له] الا من عذر. رواه
الدارقطني (۲) كذا في المشكاة.

ثم أنطلق معي برجال، معهم حُزْمٌ من حطب، الى قوم لا
يشهدون الصلاة، فأحرق عليهم بيوتهم بالنار. كذا أخرجه
مسلم (۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه.

وقول عبد الله بن مسعود رضي الله عنه: ما يتخلف عنها الا
منافق، معلوم النفاق. انتهى، رواه مسلم (۴) في صحيحه.

[ترجمہ: ان کی مسجدیں بھری ہوئی ہوں گی، اور رشد و ہدایت سے
خالی ہوں گی۔ اس حدیث کی تخریج محدث بیہقی نے فرمائی۔

جس نے اذان (کی آواز) سنی، اور اس نے جواب نہیں دیا تو اس کی
نماز نہیں مگر عذر کے۔ اس حدیث کو امام دارقطنی نے اپنی کتاب میں
نقل کیا ہے، اسی طرح مشکوٰۃ میں (بھی) مذکور ہے۔

”پھر میں اپنے ساتھ چند لوگوں کو، جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھر ہوں،
لے کر جاؤں، ان لوگوں کے یہاں، جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے، ان
کے گھروں کو انہی کے سامنے آگ لگا دوں“۔ اس طرح امام مسلم نے

(۱) شعب الایمان للبیہقی، باب فی نشر العلم، فصل، قال: یتبغی لطالب العلم أن
یکون تعلیمه لوجه الله تعالى جلد، رقم الحدیث: ۱۹۰۸

(۲) سنن الدارقطني، باب الحث لجار المسجد علی الصلاة فيه الا من عذر، رقم
الحدیث: ۱۵۷۴

(۳) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة و بیان التشدید فی
التخلف عنها و أنها فرض کفایة، رقم الحدیث: ۱۴۸۲

(۴) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب: صلاة الجماعة من سنن الهدی، رقم
الحدیث: ۱۴۸۸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت کی تخریج فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”نماز سے پیچھے

صرف منافق رہ جاتا ہے، جس کا نفاق معلوم (ظاہر) ہوتا ہے۔“

عبارت مکمل ہوئی، اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ، وَ عَلِمَهُ اَتَمُّ، رَقْمَهُ الْعَبْدُ الْمَذْنِبُ الْمَعْتَرِفُ الْمَقْرَبُ بِذَنْبِ

كَثِيرٍ اَوْ عَظِيمٍ، يَرْجُو لِكُلِّ عَظِيمٍ، اَغْفَرَ الْمَذْنِبَ الْعَظِيمَ، الْمَدْعُو بِمُحَمَّدٍ

اَمِيْن حَسَنِي الْحُسَيْنِي، تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْ ذَنْبِهِ الْخَفِيِّ وَ الْمُبِيْنِ.

تجھیل و تاخیر صلوٰۃ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل ایام سرما میں ایک مسجد میں جماعت ظہر کی، دو بجے دن کو، اور کبھی ڈھائی بجے دن کو ہوتی ہے، اور زید حسب معمول کبھی ساڑھے بارہ بجے (۱۲/۳۰) اور کبھی ایک بجے نماز ظہر کی، پڑھتا ہے۔ زید نے بخیاں ہونے جماعت کے انتظار کی کر کے ۲ دن کو نماز جماعت سے پڑھنا چاہا، مؤذن نے تکبیر کہی، بکرنے روک دیا کہ ابھی ایک آدمی سنت پڑھتا ہے، وہ پڑھ لیوے، تب جماعت ہو، زید نے تھا اسی تکبیر سے فرض پڑھ لیا، اور لوگ حسب کہنے بکرنے، اس جماعت سے علاحدہ ہو گئے، جب زید نے نماز سے فراغت حاصل کیا، تب جماعت دوسرے شخص نے ۲ بجے پڑھائی، آج کل ایام سرما میں نماز ظہر کس وقت ہونا چاہیے؟ اور کس کی نماز مکروہ ہوئی؟ دوسرے یہ کہ بکر دس بجے دن کو قرآن پڑھتا تھا، زید نے حکم:

﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (۱)

(اور پڑھ قرآن فجر کو، تحقیق [کہ] قرآن پڑھنا فجر کا ہے حاضر کیا

گیا۔ یہ ترجمہ تفسیر حسینی کا ہے)

کہا کہ پڑھنا قرآن کا وقت صبح کے، اچھا ہوتا ہے بہ نسبت اس وقت دس بجے دن کے، بکرنے نہیں مانا، اور کہا کہ قرآن کے معنی قرأت کے [ہے] نماز میں، اور بیان صبح کی نماز کا ہے۔ اور جس وقت چاہے قرآن پڑھے، سب اچھا ہے۔ براہ مہربانی اس کی تفسیر صحیح سے بھی آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا، فقط۔

هو المصوب

جواب: مدار شریعت کا [ہے] اوپر وقت کے، نہ اوپر غیر کے، ایک بجے، دو بجے وڈھائی بجے کے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿اقِمِ الصَّلَاةَ لِلذَّلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ
إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (۱)

وفی الحدیث: صلوا الصلوٰۃ لوقتہا..... کذا رواہ مسلم فی

صحیحہ (۲) والراوی أبو ذر.

اور زید قریب بصواب اور بکر خلاف پر، کیونکہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا کیفیت ہوگی تمہاری جبکہ ہوں گے امیر لوگ تم پر، دیر کریں گے نماز کو وقت سے یا ماریں گے نماز کو وقت سے۔ یہ فرمایا راوی نے، عرض کیا، پس مجھ کو کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا: پڑھ لے نماز کو اپنے وقت پر، اگر پاوے نماز کو ساتھ ان کے، پڑھ لے تو، پس تحقیق واسطے تیرے نفل ہو جاویں گی۔

کما جاء فی الحدیث: عن أبي ذر قال، قال لي رسول الله

صلى الله عليه وسلم: كيف أنت اذا كانت عليك أمراء،

يؤخرون الصلوٰۃ عن وقتها - أو - يمتنون الصلوٰۃ عن

وقتها؟ قال؛ قلت: فما تأمرني؟ قال: صل الصلوٰۃ لوقتها.

(۱) الاسراء: ۷۸ (۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب کراہیۃ

تأخیر الصلاۃ، رقم: ۶۴۸، سنن ابن ماجہ، أبواب اقامۃ الصلاۃ والسنة فیہا، باب ما

جاء فیما أخرؤا الصلاۃ عن وقتها، رقم: ۱۲۵۶

فان أدر كتبها معهم فصل، فأنها لك نافلة. ولم يذكر خلف
عن وقتها. انتهى. كذا رواه مسلم في صحيحه عن عبد الله

بن الصامت عن أبي ذر. (۱)

اتفاق کیا تمامی علمائے مسلمین نے اوپر اس کے کہ اول وقت نماز ظہر کا زوال
شمس سے ہے، آخر میں اختلاف کیا۔

فی الهدایة: أول وقت الظهر اذا زالت الشمس لامامة
جبرئیل علیہ السلام فی اليوم الأول حين زالت
الشمس. (۲) انتهى.

وفی الدر المختار: ووقت الظهر من زواله أي ميل ذكاء عن
كبد السماء. (۳) انتهى.

وفی الکفایة: وذكر شيخ الاسلام؛ واختلفوا في وقت
الظهر، قال أبو حنيفة رحمه الله في ظاهر الرواية: اذا صار
ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال، خرج وقت الظهر
ودخل وقت العصر. وقالوا: اذا صار ظل كل شيء مثله،
خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر، وهو رواية عن أبي
حنيفة رحمه الله. (۴) انتهى.

(۱) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب كراهية تأخير الصلاة، رقم: ۶۴۸، سنن أبي

داؤد، كتاب الصلاة، باب اذا الامام عن وقتها، رقم: ۴۳۱

(۲) الهداية، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۴۳، مكتبة البشري كراتشي

۵۱۴۲۸-۲۰۰۷ء، الطبعة الثانية

(۳) الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة ۲/۱۴، دار الكتب العلمية بيروت،

۵۱۴۲۴-۲۰۰۳ء، الطبعة الثانية

(۴) الكفایة شرح الهدایة مع فتح القدير ۱/۱۹۴، دار احیاء التراث العربی بیروت

والترمذی عن عائشة رضي الله عنها قالت: ما رأيت أحداً كان أشدَّ تعجلاً للظهر من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا من أبي بكر، ولا من عمر رضي الله عنهما وأرضاهما. (۱) انتهى.
وفى مسلم: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الظهر بالهاجرة. (۲) انتهى.

وفى الترمذی: أخبرني أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر حين زالت الشمس. هذا حديث حسن صحيح. (۳) انتهى.

[ہدایہ میں ہے کہ ظہر کا اول وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے، اس لیے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے پہلے دن زوال آفتاب کے بعد امامت فرمائی۔ در مختار میں ہے کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے ہے۔ کفایہ میں لکھا ہے: شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ ظہر کے وقت [ختم ہونے] میں لوگوں (علماء و فقہاء) میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے ظاہر الروایہ میں فرمایا ہے کہ ہر چیز کا سایہ زوال کے وقت کے سایہ کے سوا دوشل ہو جائے تو ظہر کا وقت نکل جاتا ہے اور عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے تو ظہر کا نکل جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

(۱) جامع الترمذی، ابواب الصلاة، باب ما جاء في التعجيل بالظهر، رقم: ۱۵۵

(۲) جامع البخاری، کتاب مواقیات الصلاة، باب وقت المغرب، رقم: ۵۶۰، باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس أو تأخروا، رقم: ۵۶۵، صحيح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب التكبير بالصبح في اول الوقت، رقم: ۶۴۶، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب في وقت النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ۳۹۷، ۴۱۱، سنن النسائي، کتاب الصلاة، باب تعجيل العشاء، رقم: ۵۲۸

(۳) جامع الترمذی، ابواب الصلاة، باب ما جاء في التعجيل بالظهر، رقم: ۱۵۶

اور ایک روایت امام ابو حنیفہ سے یہ بھی منقول ہے۔

امام ترمذیؒ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کو نماز ظہر کی بہت زیادہ تعجیل کرنے والا نہیں دیکھا۔ مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دو پہر [مراد اول وقت ہے] میں پڑھتے تھے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب زوال آفتاب ہو گیا تھا۔

اور موسم گرما میں ابراد ہے، اور سرما میں تو ابراد بھی نہیں (۱) پس بکر کے دو بچے (اور) ڈھائی بچے کو غور کرنا چاہیے، کس قدر خلاف پر [ہے] اور مؤذن کی خیانت پر لحاظ چاہیے۔ اور درباب آیت

﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (۲)

قرأت فجر میں، نہ تلاوت میں اول دن میں۔

(۱) علمائے احناف کا مسلک یہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز ذرا تاخیر سے یعنی ابراد کر کے ادا کی جائے اور سردی کے موسم میں تعجیل یعنی اول وقت میں ادا کی جائے، یہی مفتی بہ قول ہے، فتویٰ میں مذکور احادیث شریفہ تعجیل کی بنیاد ہے، اور تاخیر کی اساس و بنیاد ”ابر دو بالظہر فی الصيف، لأن شدة الحر من فيح جهنم“ اور ”إذا كان الحر، أبرد بالصلاة، وإذا كان البرد عجل“ جیسی احادیث شریفہ ہیں، ایک اور حدیث میں ہے کہ سردی کے موسم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز اول وقت میں ادا فرماتے تھے اور گرمی کے دنوں میں ابراد یعنی تاخیر سے ادا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں احناف کا مسلک زیادہ بہتر اور قابل ترجیح ہے، اس لیے کہ سردی میں اول وقت میں نماز ادا کرنے اور گرمی میں تاخیر کرنے سے بکثیر جماعت کا فائدہ ہے، البتہ مسلک شافعی کے یہاں تمام نمازوں میں تعجیل یعنی اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے۔

کما فی جامع الترمذی عن أبی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قوله تعالیٰ ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ قال: تشهدہ ملائکۃ اللیل وملائکۃ النهار. هذا حدیث حسن صحیح. (۱) انتهى.

وفی صحیح البخاری عن أبی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: فضل صلوۃ الجمیع علی صلوۃ الواحد خمس وعشرون درجۃ وتجمع ملائکۃ اللیل وملائکۃ النهار فی صلوۃ الصبح. یقول أبو ہریرۃ: اقرأوا ان شئتم ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (۲) انتهى.

[جامع الترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ کے بارے میں فرمایا: صبح وشام کے ملائکہ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز جماعت کی فضیلت تنہا پڑھی جانے والی نماز سے پچیس درجہ بڑھ کر ہے، صبح کی نماز میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے دونوں جمع ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ پڑھا کرو۔]

واللہ أعلم بالصواب، والیہ المرجع والمآب. حررہ الراجی عفو ربہ

المتین أبوالمحسن محمد أمين عفا الله المتین عن ذنبه الخفي والمبین.

(۱) جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورۃ بنی اسرائیل، رقم:

۳۱۳۵، سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، باب وقت صلاۃ الفجر، رقم: ۲۷۰

(۲) البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: ان قرآن الفجر كان مشهودا، رقم: ۴۷۱۷

قرأت سورۃ فاتحہ (۱)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے یا کہ نہیں؟ خواہ نماز سری ہو خواہ جہری، جو [مقتدی] کہ پیچھے امام کے، سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے، ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی کون کون سی دلیلیں ہیں؟ اور قوی ہیں یا کہ ضعیف؟ اور جو [مقتدی] کہ پیچھے امام کے، سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں، ان کے پڑھنے کی کون کون سی دلیلیں ہیں؟ اور قوی ہیں یا کہ ضعیف؟ فقط۔

هو الموفق

جواب: [صورت مسئلہ بالا میں] جبکہ دلیلیں فریقین کی قوی ہیں، اس میں اقویٰ

(۱) مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام بین المسالک معرکہ الآراء مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے، اور اس مسئلہ میں فقہائے امت کے درمیان اختلاف دو طرح کی احادیث شریفہ کی وجہ سے ہے، اس سلسلہ میں علمائے احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں قرأت فرض ہے، اور سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جا رہی ہو تو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ امام کی قرأت ہی مقتدی کے لیے کافی ہے، اسی لیے قرأت فاتحہ خلف الامام کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، البتہ امام محمد بن الحسن شیبانی کا ایک قول صاحب ہدایہ نے کتاب الصلوٰۃ، فصل فی القراءة میں نقل کیا ہے، جس میں قرأت فاتحہ خلف الامام کو احتیاطاً استحسان درجہ دیا گیا ہے، علامہ ابن ہمام حنفی نے اپنی کتاب میں لمبی بحث و تمحیص کے بعد رقم فرمایا ہے کہ خلف الامام قرأت نہ کرنے میں ہی احتیاط ہے، کیونکہ احتیاط تو اسی وقت ممکن ہے جب قوی ترین دلیل پر عمل کیا جائے، اور یہاں قوی ترین دلیل قرأت نہ کرنے میں ہے۔ اس موضوع پر متعدد چھوٹی بڑی کتابیں اور رسائل عربی، اردو اور فارسی میں موجود ہیں، اردو میں حنفی مسلک کے لیے تنقیح الکلام فی النهی عن القراءة خلف الامام از حضرت مخدوم محمد ہاشم سندھی ترجمہ از مولانا عبد العظیم آغا ندوی تلمیذ حضرت مولانا حیدر حسن خاں محدث ٹوکی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی تصنیف ”ہدایۃ المعتدی فی قراءة المقتدی“ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی [بانی دارالعلوم دیوبند] کی کتاب ”الدلیل المحکم علی عدم قراءة المؤتم، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کی ”ایضاح الاولیٰ“ اور ”اولیٰ کاملہ“ اور استاد گرامی مولانا مفتی راشد حسین ندوی مدظلہ العالی کی کتاب ”مسکلی اختلافات اور راہ اعتدال“ کا مطالعہ مفید ہے۔

اور اولیٰ بعد تامل کے، پیچھے امام کے، پڑھنا [ہے] سورۃ فاتحہ کا سری [نماز] میں۔ اور جہری [نماز] میں اگر سکنا ت امام [دو آیتوں کے درمیان کا وقفہ] کو پاوے، بہر کیف پڑھنا بہتر ہے نہ پڑھنے سے، اس طور پر کہ امام کی قرأت کو پریشان نہ کرے۔ ایک فریق کا آیت کے ساتھ حجت پکڑنا [یہ ہے]

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾ (۱)

[اور جب بھی قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر اسے سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحمت ہو]۔

دوسرے فریق کا [استدلال] ساتھ آیت [کے یہ ہے]

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ (۲)

[تو جو اس میں آسانی سے ہو، وہ پڑھ لیا کرو]۔

اور سنت یعنی حدیث [سے استدلال] کر کے ایک گروہ [عدم قرأت فاتحہ خلف الامام کا قائل ہے]

”من كان له امام، فقراءة الامام قراءة له“ (۳)

[ترجمہ: جس مقتدی کا کوئی امام ہو، تو امام کی قرأت اس کے لیے بھی

ہے] [اور] حدیث دوسری [ہے]

”إذا كبر الامام فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا“ (۴)

(۱) الأعراف: ۲۰۴ (۲) المزل: ۲۰

(۳) سنن ابن ماجہ، باب اذا قرأ الامام فأنصتوا، رقم الحدیث: ۸۵۰، شرح معانی الآثار للامام الطحاوی، باب القراءة خلف الامام، رقم الحدیث: ۱۱۹۲-۱۲۸۷-۱۲۹۴، سنن الدارقطني، باب ذکر نیابة الامام عن المؤمنین، رقم الحدیث: ۴، مسند الامام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۷۲۶۸

(۴) سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب قراءة أم القرآن خلف الامام فيما جهر به، رقم الحدیث: ۹۲۲-۹۲۳، ابن ماجہ، أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب اذا قرأ الامام فأنصتوا، رقم الحدیث: ۸۴۶

[ترجمہ: جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو]

(اور) حدیث تیسری [ہے]

”مالی أنزع القرآن“ (۱)

[مجھے کیا ہوا ہے کہ میں قرآن سے جھگڑ رہا ہوں]۔

دوسرے گروہ کا، سنت یعنی حدیث [سے استدلال] کر کے، سند [دلیل] پکڑنا

[یہ ہے]

”من صلی صلاة، لم یقرأ فیها بفاتحة الكتاب، فہی خداج،

یقولہا ثلاثاً“ (۲)

[کسی نے کوئی نماز ایسی پڑھی جس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی، تو وہ غیر

مکمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی]۔

(اور) حدیث دوسری [ہے]

”لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب“ (۳)

(۱) جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی ترك القراءة، رقم الحديث: ۳۱۲،

سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب من رأى القراءة اذا لم یجهر، رقم الحديث:

۸۲۶-۶۲۷، سنن النسائی، باب ترك القراءة خلف الامام فیما جهر به الامام، رقم

الحديث: ۹۲۰، سنن ابن ماجہ، اذا قرأ الامام فأنصتوا، رقم الحديث: ۸۴۸

(۲) صحيح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة القرآن فی کل رکعة وانه اذا

لم یحسن الفاتحة ولا أمکنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها، رقم: ۳۹۵، وفي هذا

الباب ورد بلفظ أم القرآن أيضاً، سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب من ترك القراءة

ففي صلاته بفاتحة الكتاب، رقم: ۸۲۱، الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما فی القراءة

خلف الامام اذا جهر به الامام: ۳۱۲، باب: ومن سورة فاتحة الكتاب، رقم: ۲۹۵۳،

سنن النسائی، باب ایجاب قراءة فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۹۱۱/۳۱۱

(۳) صحيح البخاری، کتاب الأذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم فی

الصلوات كلها فی السفر والحضر وما یجهر فیها وما یخافت..... باقی اگلے صفحہ پر

[اس شخص کے لیے نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی]۔ حدیث تیسری [ہے]

”لا صلاة الا بقراءة“ (۱)

[کوئی نماز قرأت کے بغیر نہیں ہوتی ہے]۔

واللہ أعلم وعلمہ اتم وأحکم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد أمين حسنی الحسینی عفا اللہ عنہ ذنوبہ وستر عیوبہ وعن والدیہ، وکرمہم من لدیہ.

حرف ضاد کا مخرج اور اس کا حکم؟ (۲)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حرف ”ض“ کی آواز پڑھنے میں مثل آواز ”ظ“ کے ہے، یا مثل آواز ”ذ“ پڑھنے پر دواد کے،

.....بقیہ حاشیہ..... رقم الحدیث: ۷۵۶، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب القراءة فی کل رکعة، رقم الحدیث: ۳۹۴، وفیہ أيضاً ورد بلفظ أم القرآن۔ جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء أنه لا صلاة الا بفاتحة الكتاب، رقم الحدیث: ۲۴۷، باب ما جاء فی القراءة خلف الامام، رقم الحدیث: ۳۱۱-۳۱۲

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب الفاتحة فی کل رکعة، رقم الحدیث: ۳۹۶

(۲) مخارج میں سب سے مشکل ضاد کا مخرج ہے، یہ چیز مشقوں سے ہی صحیح طور پر حاصل ہوتی ہے، اس کی کوشش ہونی چاہیے کہ قرآن مجید کو قرأت و تجوید کے ساتھ پڑھا جائے، ورنہ معمولی سی غلطی سے بہت کچھ فرق پڑتا ہے۔ جہاں تک حرف ضاد کی بات ہے تو اس کے مفصل احکام متعدد عربی اور فارسی کتابوں میں موجود ہیں، اور اردو میں علمائے ہندوپاک کی کتب فتاویٰ میں کہیں پر مختصر اور کہیں پر مفصل موجود ہیں، البتہ اس موضوع پر سب سے جامع و مفید رسالہ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی کے قلم سے ہے، جواہر الفقہ ۳/۱۹-۴۴، طبع جدید مع اضافات مقالات و رسائل کثیرہ، میں شامل ہے، اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی قیمتی تحقیق ”حرف ضاد-مخرج واحکام“ امداد الفتاویٰ جلد اول میں ہے، زلۃ القاری کے موضوع پر ایک اہم رسالہ، ”مسائل زلۃ القاری“ کے نام سے جامعہ علوم القرآن (جہو سر، ہجرات) نے نہایت عمدگی سے شائع کیا ہے، جو نہایت قیمتی اور لائق استفادہ ہے۔

اگر ”ض“ کو مشابہ آواز ”ظ“ کے پڑھیں، تو نماز میں کسی قسم کا نقصان ہوتا ہے یا نہیں؟ اور ہم لوگ کہ ہمیشہ ”ض“ کو مشابہ آواز ”ذ“ پر یعنی مغضوب کو مغدوب اور ضالین کو دالین یا دوالین پڑھتے ہیں، سو دریافت کیا جاتا ہے کہ ہماری نماز میں ازراہ دلائل فقہیہ و تفسیریہ و تجوید و صرف کسی قسم کا فساد و فتور تو نہیں ہوتا؟ مع حوالہ و سند کتب معتبرہ جواب صاف تحریر فرمائیں۔ ہمارے اس شک کو رفع کیجئے کیونکہ آپ لوگ وارث انبیاء ہیں، آپ کو صاف صاف تحریر فرمانا ضروریات [میں] سے ہے۔

وجہ دریافت یہ ہے کہ آج کل ایک کتاب ”مجموعۃ الفتاویٰ“ مؤلفہ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھنویؒ [یکے از مشاہیر علمائے فرنگی محل، وارث درس نظامی و استاد صاحب فتاویٰ] آئی ہے، سو جلد اول/۲۱۳، سطر/۱۶ میں مسطور ہے: ”جو شخص کہتا ہے کہ حرف ”ضاد“ کو اگر بصورت ”ظاء“ یا ”زاء“ پڑھا تو مفسد ہے اور بصورت ”دال“ مفسد نہیں ہے۔ اس کا قول نہ موافق مختار اکثر مشائخ کے، ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ”ظاء“ اور ”زاء“ سے نماز نہیں فاسد ہوتی ہے، اور نہ موافق معتدین کے، کیونکہ ان کی رائے پر ”ظاء“ - ولا الضالین - میں مفسد نماز نہیں ہے جیسا کہ عبارت قاضی خان وغنیۃ سے ظاہر ہے، بلکہ موافق عبارت قاضی خان کے ”زال معجمہ“ بھی ولا الضالین میں مفسد نہیں اور ”دال مہملہ“ مفسدہ..... الخ۔“

اور صفحہ/۱۱۵، سطر/۳ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قراء عرب و عجم کا ولا الضالین کو دال مہملہ سے پڑھنا غلط محض ہے، کیونکہ جس کو امتیاز مخرج ضاد اور دال میں نہیں اور دونوں میں امتیاز پر قدرت نہیں، وہ قاری نہیں۔ اور علمائے عرب و عجم بھی جو فن قرأت سے واقف ہیں، اور مسائل فقہیہ پر مطلع ہیں وہ دال مہملہ نہیں پڑھتے ہیں، اور جو ایسے نہیں وہ حکم عوام میں ہیں، ان کا اعتبار نہیں..... الخ۔“

ان عبارات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حرف ”ضاد معجمہ“ مشابہ آواز حرف ”ظاء معجمہ“ وغیرہ کے ہے، اسی کے مشابہ پڑھنے میں احتیاط ہے، کیونکہ ہم لوگ قاری نہیں،

خارج حروف سے واقف نہیں، مشابہ آواز ”دال مہملہ“ کے نہ پڑھنا چاہیے، مگر چونکہ ہم لوگ ایک عرصہ دراز سے مشابہ ”دال مہملہ“ کے غیر المنصوب علیہم ولا الضالین کو پڑھا کرتے ہیں۔ اس سبب سے فقط ”مجموعۃ الفتاویٰ“ کو دیکھ کر عمل کر لینا مناسب نہ جان کر آپ کے ملاحظہ میں یہ استفتاء ارسال کیا جاتا ہے کہ اس باب میں کیا صحیح ہے؟ یعنی ضاد کو مشابہ طاء کی آواز کے پڑھنا احتیاطاً بہتر ہے یا مثل آواز دال مہملہ کے؟ اور جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے اس مجموعہ مذکورہ بالا میں تحریر فرمایا ہے، مطابق اس کے عمل کرنا چاہیے؟ یا ان کی تحریر کو غلط سمجھ کر نہ عمل کرنا چاہیے؟

بہت ہی صاف صاف جواب مدلل بدلائل قویہ مع عبارات کتاب ظہری فرمائیے، یہاں مسلمانوں میں اس مسئلہ کی وجہ سے بہت بڑا اختلاف واقع ہے، اور مزاع و فساد پڑا ہوا ہے، اس اختلاف کو خدا کے واسطے رفع کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس اصلاح کے عوض میں ثواب عظیم عطا فرماوے گا۔ بیواؤ جو را۔ (مرسلہ: الہی بخش از جبل پور مقام خاص اوٹنی کا پل)

هو المصوب

جواب: فی الواقع ضاد معجمہ مشابہ ساتھ طاء معجمہ کے [ہے]۔ یہی امر کتب تفسیر و فن تجوید و علم صرف و کتب فقہیہ سے ثابت [ہے]۔ نہ مشابہ دال مہملہ کے۔ چنانچہ [حضرت] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ ”تفسیر فتح العزیز“ تحت آیہ کریمہ ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٌ﴾ (۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”بدانکہ فرق مخرج ضاد و طاء بسیار مشکل است، اکثر ہر دورا یکساں برآرند“ [ترجمہ: چنانچہ کہ ضاد اور طاء کے مخرج میں فرق کرنا بہت مشکل ہے، اکثر لوگ دونوں کا مخرج یکساں نکالتے ہیں]۔ اور ”تفسیر کبیر“ میں ہے:

فثبت بما ذكرنا أن المشابهة بين الطاء والضاد شديدة، وأن

التمييز عسر. (۲) انتہی۔

[یہ بات ثابت ہوگئی کہ ضاد اور ظاء میں بہت مشابہت ہے، اور آپس میں تمیز و فرق کرنا دشوار اور مشکل ہے] اور ”جہد المقل“ میں ہے:

والضاد والظاء والذال والزاء المعجمات الكل متشاركة في الجهر والرخاوة، متشابهة في السمع. (۱) انتھی.

[ضاد، ظاء، زاء اور زاء مجہات، سب مجہورہ اور رخوہ ہیں، آواز سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں] اور ”فتاویٰ تاتارخانیہ“ اور ”خلاصۃ الفتاویٰ“ اور ”[فتاویٰ] قاضی خان“ میں ہے:

لو قرأ الضالین بالظاء مکان الضاد أو بالذال لا تفسد صلاته، ولو قرأ الدالین تفسد. (۲) انتھی.

”ذخیرہ“ میں ہے:

وأن يأتي بالذال مکان الضاد أو على العکس أو يأتي بالزاء المحض مکان الذال أو بالظاء مکان الضاد لا تفسد عند العامة. (۳) انتھی.

”رعایہ“ مصنفہ امام ابو محمدؒ کی ۴۲۰ ہجری میں ہے:

والضاد لا تفترق عن الظاء الا باختلاف المخرج وزيادة

..... باقیہ حاشیہ..... مکتب الاعلام الاسلامی، الطبعة الثانية، حوزہ علمیہ قم، ایران
(۱) مجموعه الفتاوی: ۱/۳۹۰، بحوالہ جہد المقل، علامہ عبدالحی فقہ اکیدمی، اسلامک سینٹر آف انڈیا لکھنؤ، سن اشاعت ۲۰۱۰ء-۱۴۳۱ھ، طبع اول

(۲) قاضی خان مع الہندیہ: ۱/۱۴۳، مطبوعہ قدیمہ زکریا بک ڈپو دیوبند، فتاویٰ تاتارخانیہ ۸۲/۲، کتاب الصلاة، الفصل الثانی، مسائل زلۃ القاری، تہذیب و تعلیق: الشیخ شبیر أحمد القاسمی، استاد حدیث و فقہ مدرسہ شامی مراد آباد، (مغربی یوپی)، مکتبہ زکریا دیوبند، طبع اول ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰م

(۳) فتاویٰ تاتارخانیہ: ۸۲/۲، کتاب الصلاة، الفصل الثانی، مسائل زلۃ القاری، تہذیب و تعلیق: الشیخ شبیر أحمد القاسمی، مکتبہ زکریا دیوبند، طبع اول ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰م

الاستطالة في الضاد. (۱) انتھی۔

[اگر ضالین کو طاء یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر وال سے دالین پڑھا تو نماز فاسد ہوگی۔ ”ذخیرہ“ میں ہے کہ ضاد کی جگہ ذال یا اس کے برعکس، یا ذال کی جگہ زائے محض یا ضاد کی جگہ طاء پڑھے تو عام فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی۔ امام ابو محمدؒ کی کتاب ”رعایہ“ میں ہے کہ ضاد طاء سے سوائے اختلاف مخرج اور ضاد میں استطالت کے کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔]

واللہ أعلم، وعلمہ أتم وأحكم، حرره عفو ربہ المتین محمد أمين
حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین. فقط

ضاد کا مخرج کیا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ اس زمانہ میں بعض لوگ ”ضاد“ کو مشابہ دال کے پڑھتے ہیں یعنی ”ضالین“ کو ”دالین“ پڑھتے ہیں، نماز ان لوگوں کی ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ضاد مشابہ طاء کے ہے یا دال کے؟ فقط، بینوا تو جروا۔

(آپ کا خادم قدیم محمد عظمت اللہ اعظم گڑھی، حال مقامی سوپول ضلع بھاگل پور)

هو المصوب

جواب: ضاد مجملہ کو اگر مشابہ دال مہملہ کے پڑھے گا، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔
کما فی فتاویٰ قاضی خان: ولو قرأ الضالین بالطاء أو بالذال لا تفسد صلاته، ولو قرأ الدالین تفسد. (۲) انتھی۔

(۱) مجموعه الفتاوى: ۱/۳۹۰، بحوالہ شرح الشاطبی، رعایہ، جہد المقل، علامہ عبد الحی فقہ اکیڈمی، اسلامک سینٹر آف انڈیا لکھنؤ، من اشاعت ۲۰۱۰ء-۱۴۳۱ھ، طبع اول

(۲) فتاویٰ قاضی خان مع الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۴۳۱ مکتبہ زکریا دیوبند بدون تاریخ

وفی خلاصۃ الفتاوی: ولو قرأ الضالین بالظاء أو الذال أو
بالزاء لا تفسد. (۱) انتہی۔

[فتاوی قاضی خان میں ہے کہ اور اگر ضالین کو ظاء اور ذال سے
پڑھے تو نماز ہو جائے گی، اور اگر ذال سے پڑھے، تو نماز نہیں ہوگی۔
خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ ضالین کو ظاء اور ذال یا زاء سے
پڑھے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔]

ضاد و مشابہ ظاء کے ہے، نہ وال کے۔ تمامی کتب تفاسیر و فقہ و تجوید و صرف سے
ثابت ہے۔ من شاء فلیرجع الیہا۔ ”جہد المقل“ میں ہے:

ویشبه صوتها أى صوت الضاد المعجمة صوت الظاء
المعجمة بالضرورة. (۲) انتہی۔

[اور ضاد و حمزہ کی آواز بالبدائیہ ظاء و حمزہ کی آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔]
ضاد رخو ہے، ساکنہ ہے، مطبوقہ ہے، مستعلیہ ہے، مفتوحہ ہے، مستطیلہ ہے،
منفوخہ ہے۔ وال شدیدہ ہے، قلقلہ ہے، مفتوحہ ہے، مستقلہ ہے، مرققہ ہے، قصیرہ
ہے، غیر منفوخہ ہے۔ میان ضاد و وال ان سات صفتوں کا فرق ہے۔ فقط

واللہ أعلم بالصواب، وعندہ أم الكتاب، والیہ المرجع والمآب.
نقمہ محمد امین الحسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الدقیق والسمین.

نماز میں سورت خاص کرنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین [و] مفتیان شرع مبین بیچ اس مسئلہ کے کہ
مخصوص کرنا سورہ کا کسی نماز میں یعنی خاص کر، وہی سورہ اس نماز میں پڑھنا اور اسی کو

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ: ۱/۳۹۳، بحوالہ خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ علامہ عبدالحی فقہ اکیڈمی لکھنؤ، سن
اشاعت ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰ء، طبع اول

(۲) مصدر سابق: ۱/۳۹۳، بحوالہ جہد المقل، مطبوعہ علامہ عبدالحی فقہ اکیڈمی لکھنؤ، سن اشاعت
۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰ء، طبع اول

سنت سمجھنا کیسا ہے؟ امید [ہے] کہ بحوالہ حدیث مطمئن فرماویں [گے]۔

هو الموفق

جواب: مخصوص کرنا کسی سورت کا نماز میں نزدیک فقہاء کے، مکروہ ہے۔

كما في الهداية: ويكره أن يوقت بشيء من القرآن لشيء من

الصلوات لما فيه من هجر الباقي وإيهام التفضيل. انتهى (۱)

وفى الكافي: قيل، إنها تكره الملازمة إذا لم يعتقد الجواز

بغيره، وإنما قرأها لأنها أيسر فلا يكره. انتهى (۲)

[ہدایہ میں ہے کہ نماز کے لیے قرآن مجید میں سے کسی ایک صورت یا

آیات کی تعیین کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں باقی کا ترک لازم

آئے گا، اور فضیلت کا وہم پیدا ہوگا۔ الکافی میں ہے: کہا گیا کہ لزوم

(پابندی کرنا) مکروہ ہے، اگرچہ اس کے بغیر جواز کا اعتقاد نہ رکھے،

اور اس (پڑھنے والے) نے اس کو اس لیے پڑھا ہے کہ کیونکہ یہ

آسان ہے، تو مکروہ نہیں ہے] باقی بطرز مسنون۔

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، حرره الراجي عفو ربه

المتين محمد أمين حسني الحسيني غفر الله له ولوالديه.

فرض نماز و جمعہ کے بعد دعا میں آمین کہنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز فرض و جمعہ، دعا کے

وقت مقتدری تا اختتام دعا باواز بلند ساتھ قرأت آمین آمین کہا کرتے ہیں۔ کہنا سنت

ہے یا واجب یا مکروہ؟ مع دلیل احادیث وغیرہ کے ارشاد فرمائیں۔

(۱) الهدایہ، کتاب الصلوٰۃ، باب صفة الصلوٰۃ، فصل فی القراءة: ۱/۱۰۸، مطبع یونیورسٹی محل لکھنؤ

(۲) الکافی.....؟ البناية شرح الهدایہ، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی القراءة: ۲/۳۱۳، مکتبہ

اشرفیہ دیوبند، طبع اول ۱۳۲۶ھ-۲۰۰۵ء

[نیز] کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز کے جو دعا امام مانگتا ہے، اور مقتدی آمین کہتے ہیں، وہ باواز بلند جائز ہے یا سنت یا ناجائز؟
(رقیمہ نیاز آثم محمد شریف خان حنفی عفی عنہ از حسن پور، ۲۲ نومبر ۲۲ء)
هو الهادی الی سبیل الرشاد

جواب: مسنونیت ہویدا و پیدا [ہے]۔

كما أخرجه الطبراني أنه صلى الله عليه وسلم قال: "رب اغفر لي، آمين". (۱). انتھی۔

(ترجمہ: بیشک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے پالنے والے میرے! بخش دے واسطے میرے۔ آمین)۔

وفی سنن أبی داؤد (۲):

فاذا دعا الرجل منا بدعاء، قال: اختتمه بآمين، فان آمين مثل الطابع على الصحيفة. قال أبو زهير: أخبركم عن ذلك، خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، فأتينا على رجل قد ألح في المسئلة فوقف النبي صلى الله عليه وسلم يستمع منه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أوجب ان ختم، فقال: بأي شيء يختم؟ فقال: بآمين، فانه ان ختم بآمين فقد وجب، فانصرف الرجل الذي سأل النبي صلى الله عليه وسلم، فأتى الرجل فقال: اختتم يا فلان بآمين وأبشر. (۱) انتھی۔

(۱) المعجم الكبير للطبراني، باب الخروج الى الصفا: ۱۵/۶۱۹، رقم الحديث: ۱۷۵۷۳ "عن وائل بن حجر أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قال: غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال: رب اغفر لي. آمين." (۲) سنن أبو داؤد، مطبوعه نول كشوري، صفحہ ۱۱۳، سطر: ۱۶، فی باب التأمین وراء الامام، حوالہ از صاحب فتاویٰ حضرت محدث نصیر آبادی (۳) سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الامام، رقم الحديث: ۹۳۹، دار السلام، الرياض، المملكة العربية السعودية

(ترجمہ: پس جس وقت دعا کرتا ہم میں سے مرد، ساتھ دعا کے۔ کہا: ختم کرے اس کو ساتھ آمین کے، پس تحقیق آمین مانند مہر کرنے کی ہے اوپر خط کے۔ ابو زہیر نے کہا: خبر کرتا ہوں میں تم کو اس سے، ہم ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک رات نکلے، پس آئے ہم اوپر مرد کے، پیشک الحاح کیا بیچ سوال کے، پس پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم، سنتے تھے اس سے، پس فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے: واجب کیا اگر ختم کیا، پس کہا مرد نے: کس چیز کے ساتھ ختم کرے؟ پس فرمایا: ساتھ آمین کے۔ پس تحقیق شان یہ کہ اگر ختم کرے ساتھ آمین کے، پس پیشک واجب کیا۔ پس پھر (وہ) مرد جس نے سوال کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، پس آیا مرد کو، پس کہا: ختم کر اے فلا نے! ساتھ آمین کے اور خوش خبری لے۔)

ترغیب و ترہیب مندریٰ اور [مستدرک حاکم میں ہے]۔

وعن كعب بن عجرة رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحضروا المنبر، فحضرنا، فلما ارتقى درجة، قال: آمين، فلما ارتقى الدرجة الثانية، قال: آمين، فلما ارتقى الدرجة الثالثة، قال: آمين. فلما نزل، قلنا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! لقد سمعنا منك اليوم شيئاً ما كنا نسمعه! قال: إن جبريل عرض لي، فقال: بعد من أدرك رمضان فلم يغفر له، قلت: آمين، فلما رقيت الثانية، قال: بعد من ذكرت عنده، فلم يصل عليك، فقلت: آمين، فلما رقيت الثالثة، قال: بعد من أدرك أبويه الكبير عنده أو أحدهما فلم يدخلا الجنة، قلت: آمين. (۱) رواه

الحاکم وقال: صحيح الاسناد. انتهى.

[حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منبر حاضر کرو، تو ہم نے حاضر کیا، جب آپ منبر کی پہلی سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین، اور جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، اور جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب آپ سیڑھی سے اترے تو ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یقیناً ہم نے آپ سے آج ایک ایسی بات سنی ہے جو کہ ہم نے سنی نہیں تھی!! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھ سے عرض کیا، انہوں نے کہا کہ وہ آدمی دور ہو جس نے رمضان کا مہینہ پایا ہو اور اس کی مغفرت نہ ہوئی ہو، تو میں نے کہا: آمین۔ اور جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو کہا کہ وہ آدمی دور ہو جس کے پاس آپ کا ذکر ہو، اور وہ درود نہ بھیجے، تو میں نے آمین کہا، اور جب تیسری سیڑھی پر چڑھا تو کہا کہ وہ شخص دور ہو جس کے والدین یا دونوں میں سے ایک کو اس کے پاس بڑھاپے نے اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور وہ دونوں اس کو جنت میں داخل نہ کریں یعنی ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکے، تو میں اس کے جواب میں آمین کہا۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا اور صحیح الاسناد کہا۔

.....بقیہ حاشیہ..... کتاب البر والصلۃ: ۴/۱۷۰، رقم الحدیث: ۷۲۵۶، دار الکتب العلمیۃ بیروت. شعب الایمان للیہقی، باب تعظیم النبی واجلالہ وتوقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۳/۱۳۴، رقم الحدیث: ۱۴۷۱، المعجم الکبیر للطبرانی، باب نفقۃ الدواب، رقم الحدیث: ۱۵۶۶۴۷، الترغیب والترہیب للمنذری، الترغیب فی صیام رمضان احتساباً، وقیام لیلہ سیما لیلۃ القدر، وما جاء فی فضلہ: ۲/۹۲، رقم الحدیث: ۹، عنی بطبعہ ونشرہ خادم العلم عبد اللہ بن ابراہیم الأنصاری

ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا:

وعن مالك بن الحسن بن مالك بن الحويرث عن أبيه عن جده
رضي الله عنه قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر
فلما رقى عتبة، قال: آمين ثم رقى أخرى، قال: آمين، ثم رقى عتبة
ثالثة، قال: آمين، ثم قال أتاني جبريل فقال: يا محمد! من أدرك
رمضان فلم يغفر له فأبعده الله، فقلت: آمين، قال: ومن أدرك
والديه أو أحدهما فدخل النار، فأبعده الله، فقلت: آمين، قال:
ومن ذكرت عنده فلم يصل عليك، فأبعده الله، فقلت:
آمين. رواه ابن حبان في صحيحه. (۱)

[مالک بن حسن اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، جب آپ نے پہلی سیڑھی
پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، اور
جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو ارشاد فرمایا: آمین، پھر آپ نے فرمایا
کہ میرے پاس جبریل آئے تھے، اور انہوں نے کہا کہ اے
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہیں
ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کو دور کرے، تو میں نے کہا: آمین، جبریل نے
فرمایا کہ جو اپنے والدین کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو پائے، پھر
بھی وہ دوزخ میں جائے! اللہ تعالیٰ اس کو دور کرے، تو میں نے کہا:
آمین، انہوں نے کہا کہ جس کے پاس آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر
درود نہ بھیجے، تو ایسے کو اللہ دور کرے، تو میں نے کہا: آمین۔]

اور ماٹنڈاس کے بڑا ز اور طبرانی نیز روایت کیا ہے، اور اس کی ماٹنڈا بن خزیمہ نے

(۱) صحیح ابن حبان، باب حق الوالدین: ۱۴۰/۲، رقم الحدیث: ۴۰۹، باب

الأدعية: ۹۰۷، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۱۴-۱۹۹۳ م

روایت کیا (۱) اور اور تفسیر بیضاوی شریف میں [ہے]

ولیس فی القرآن وفاقاً. (۲)

وفی تفسیر السراج المنیر:

أن التأمین انما یكون بعد الدعاء، ولیس آمین من القرآن
اتفاقاً لقوله علیه السلام علمنی جبریل علیه السلام آمین

عند فراغی من قراءة الفاتحة. رواه البيهقي وغيره. (۳)

وفی ابن ماجه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم

اليهود علی شیئ ما حسدتکم علی السلام والتأمین. (۴)

أخرجه ابن ماجه.

[آمین بالاتفاق قرآن میں سے نہیں ہے۔ تفسیر سراج منیر میں

ہے: بلاشبہ تأمین (آمین کہنا) دعا کے بعد ہوتی ہے، اور بالاتفاق

آمین قرآن میں سے نہیں ہے۔ حضور اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ

حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے سورہ فاتحہ سے ختم کرنے کے بعد

آمین کی تعلیم دی۔ (بیہقی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول

اللہ (ﷺ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد

(۱) مسند البزار، مسند عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما، رقم الحدیث: ۱۴۰۵،

مسند عبد اللہ بن الحارث، رقم الحدیث: ۳۷۹۰، المعجم الكبير للطبراني، باب

الامام یحجر بالتأمین فی صلاة الجهر، رقم: ۱۹۹۰، ۱۰۹۵۲، ۱۵۶۴۷، صحیح

ابن خزيمة، باب استحباب الاجتهاد فی العبادة فی رمضان..... الخ، رقم: ۱۸۸۸،

المکتب الاسلامی بیروت، الطبعة الثانية

(۲) تفسیر البيضاوي، سورة الفاتحة: ۱/۸۳، دار الفكر بیروت

(۳) تفسیر السراج المنیر للشریني، سورة الفاتحة: ۱/۱۸، دار الکتب العلمیة بیروت

(۴) سنن ابن ماجه، أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب الجهر بآمین، رقم: ۸۵۶،

فرمایا: یہود تمہارے ساتھ کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا کہ وہ سلام اور آئین کہنے پر حسد کرتے ہیں۔]

آئین کا دعا ہونا نہ قرآن سے ثابت [ہے] نہ حدیث سے ثابت ہے، اگر کسی کے قول سے ثابت، وہ لائق حجت پکڑنے کے نہیں، کیونکہ بے دلیل ہے:

وفی صحیح البخاری (۱) أخبرہ ابن عباس رضی اللہ عنہما أن رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وقال ابن عباس كنت أعلم اذا انصرفوا بذلك اذا سمعته. (۲) انتہی۔

[حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو معبد کو بتایا کہ جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے تو عہد نبوی (ﷺ) میں بلند آواز سے ذکر کرنا رائج تھا، حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ جب میں سنتا کہ لوگ ذکر کرتے ہوئے لوٹے تو معلوم ہو جاتا کہ نماز ختم ہو گئی ہے۔]

ابن ماجہ کی روایت (۳) میں ہے:

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما حسدتكم اليهود على شيء ما حسدتكم على

السلام والتأمين. رواه ابن ماجه في باب الجهر بآمين. (۴)

حافظ عبد العظیم منذریؒ نے کتاب ترغیب وترہیب (۵) میں کہا:

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم

(۱) صحیح بخاری، مطبوعہ احمدی، صفحہ: ۱۱۶، حوالہ از صاحب فتاویٰ (۲) صحیح

البخاری، کتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، رقم: ۸۴۱، دار السلام، الرياض

(۳) سنن ابن ماجہ، چھاپہ اول دہلی صفحہ ۱۳۱، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۴) سنن ابن ماجہ، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم: ۸۵۶،

دار السلام، الرياض (۵) ترغیب وترہیب، چھاپہ اول دہلی، صفحہ: ۱۳۰، حوالہ از صاحب فتاویٰ

ما حسد تکم الیہود علی شیئ ما حسد تکم علی السلام
والتأمین۔ رواہ ابن ماجہ باسناد صحیح وابن خزيمة فی
صحیحہ وأحمد۔ (۱)

([حضرت] عائشہ رضی اللہ عنہا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے
روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: یہود تمہارے ساتھ اتنا کسی چیز پر
حسد نہیں کرتے جتنا سلام اور آمین کہنے پر) اسے ابن ماجہ نے صحیح
اسناد سے روایت کیا ہے، اور ابن خزيمة نے اپنی صحیح میں روایت کیا
ہے، اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

اور معنی آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً.....﴾ (الآیۃ) (۲) سے
استدلال کر کے دلیل پکڑنا خفیہ آمین کہنے پر، آج تک کسی مفسر نے بھی خفیہ آمین
کہنے کی نہیں کی۔ تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر اور تفسیر مدارک اور
تفسیر جلالین اور تفسیر فتح البیان وغیرہ تفسیریں دیکھ لیجئے۔

دوسری [بات] آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً.....﴾ (الآیۃ) (۳) سے
آہستہ کہنا دعا کا ثابت، نہ آہستہ کہنا آمین کا۔ آہستہ کہنا آمین کا اس سے اس وقت
ثابت ہو کہ [جب کہ] آمین دعا ہو، اور آمین کا دعا ہونا نہ قرآن سے ثابت، نہ حدیث
سے، صرف تابعی کے قول سے [ثابت] جس کو عینی نے لیا، وہ بھی آمین اندر نماز کی
بحث میں، اور مولوی احمد علی صاحب نے جس قرآن [کے] حاشیہ پر تفسیر ابن عباس کو

(۱) الترغیب والترہیب، کتاب الصلاة، الترغیب فی الأذان وما جاء فی فضلہ،
رقم: ۷۳۸، ۷۳۹، صحیح ابن خزيمة، کتاب الصلاة، باب ذکر حسد الیہود المؤمنین
علی تأمینہم، رقم: ۱۵۸۵، سنن ابن ماجہ، أبواب إقامة الصلوات والسنة فیہا، باب
الجهر بآمین، رقم: ۸۵۶، دار السلام، الرياض، مسند الامام أحمد بن حنبل، مسند
عائشہ، رقم: ۲۵۷۷۱، اس میں الفاظ حدیث یہ ہے: علی قولنا خلف الامام آمین۔

چڑھایا، اس میں [ہے]

”تضرعاً علانۃ، وخفیۃ سرّاً، ویقال تضرعاً [أی] مستکیناً

وخفیۃ أی خوقاً. (۱) انتہی۔“

سائل خارج صلوٰۃ سے یعنی باہر نماز کے، مقتدیوں کا پیچھے امام کے دعائیں آئین کہنے کو پوچھ رہا ہے، مجیب لا جواب بلا سمجھے، بے فہمی و کج فہمی سے اڑا اڑا کر کبھی مساوی، کبھی قیاسی، کبھی اجتہادی، کبھی قیاس مع الفارغ، کبھی مکروہ، کبھی جائز، کبھی خلط بحث، کبھی افضل، کبھی جہر مفرط، کبھی عموم و خصوص، کبھی ممنوعیت بتا رہا ہے، سوال از آسمان جواب از ریسمان دکھا رہا ہے، سر و پیر کی خبر نہیں، معقول و منقول ایک کر رہا ہے، کل ذلك عند ربك مکروہاً، خدا کو نہیں ڈرتا، خود و نمائش دنیا کا فیمون یائے، ہائے، خاتم بلا گینہ، سفینہ پلا سینہ سے اللہ تعالیٰ بچا وے۔

ع زکس گر نترسی ہترس از خدا

اللہ تعالیٰ توفیق علم و عمل عنایت فرماوے اور توفیق تحقیق و تدقیق و تنقیح کرامت فرماوے، آئین۔ اور آئین کے باب میں جہاں تک طبع آزمائی کی گئی اندر نماز کے، حالانکہ سوال سائل کا باہر نماز میں دعا مانگنے میں مقتدیوں کا ساتھ امام کے قبولیت دعائیں آئین یعنی استجب ربی کا کہنا جواب ندارد، (اور) محول اندر نماز کر کے اڑایا گیا اندر نماز کے تو مصرح فرمایا ملا علی قاری حنفی نے اپنی تصنیف کردہ ”مرقاۃ شرح مشکاۃ“ میں، [چنانچہ وہ] لکھتے ہیں:

عن عطاء رضي الله عنه قال: أدركت مأتين من الصحابة،

إذا قال الإمام ولا الضالين رفعوا أصواتهم بآمين. رواه

البیهقي وابن حبان فی [الثقات]. (۲)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم

(۱) تنوير المقياس من تفسير ابن عباس، سورة الأعراف، رقم الآية: ۵۵، رقم

الصفحة: ۱۱۱، ۱۲۹، دار الكتب العلمية لبنان

(۲) مرقاة المفاتيح لعلي القاري، كتاب الصلاة، باب القراءة في الصلاة، الفصل

الثاني: ۲/۵۶، دار الفیصل للنشر والتوزیع، دیوبند

قال: وكل به سبعون ملكاً (يعنى الركن اليماني) فمن قال:
اللهم انى أسئلك العفو والعافية فى الدنيا والآخرة، ربنا آتنا
فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، قالوا:
آمين. رواه ابن ماجه. (١)

وعن أبى الدرداء رضى الله عنه قال، قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم: دعوة المرء المسلم لأخيه - بظهر الغيب -
مستجابة، عند رأسه ملكٌ مُوَكَّلٌ، كلما دعا لأخيه بخير،
قال الملك الموكَّل به: آمين، ولك بمثل. رواه مسلم. (٢)
وعن وائل بن حجر رضى الله عنه أنه صلى خلف رسول الله
صلى الله عليه وسلم فجهر بآمين. (٣) رواه أبو داؤد. (٤)
وعن وائل بن حجر رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله
صلى الله عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا
الضالين، فقال: آمين، مد بها صوته. (٥) رواه الترمذى وأبو
داؤد والدارمى وابن ماجه. (٦)

-
- (١) سنن ابن ماجه، أبواب المناسك، باب فضل الطواف، رقم: ٢٩٥٧، دار السلام، الرياض
(٢) صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الدعاء
للمسلمين بظهر الغيب، رقم: ٢٧٣٢، ٢٧٣٣، دار السلام، الرياض
(٣) سنن ابوداؤد، جهاية، ١٢٤٢هـ، صفحہ ١٣٣، حوالہ از صاحب فتاوى
(٤) سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٣، دار السلام، الرياض
(٥) يہ حدیث مشکاة میں "باب القراءة فى الصلوة" [کی] دوسری فصل میں ہے، حوالہ از
صاحب فتاوى (٦) جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فى
التأمين، رقم: ٢٤٨، سنن أبى داؤد، بلفظ "رفع بها صوته" فى كتاب الصلاة، باب
التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٢، دار السلام، الرياض، سنن الدرامى، كتاب
الصلاة، باب الجهر بالتأمين، رقم: ١٢٩٢، سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات
والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم: ٨٥٣، ٨٥٥، دار السلام، الرياض

[حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے سنا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا، تو آپ نے آمین کہی، اس کے ساتھ اپنی آواز دراز کی۔]

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تلا "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" قال: آمين، حتى يسمع من يليه من الصف الأول. (۱) رواه أبو داؤد. (۲)

وعن وائل بن حجر رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قرأ ولا الضالين، قال: آمين، ورفع بها صوته. (۳) وأيضاً عن بلال رضي الله عنه أنه قال: يا رسول الله! لا تسبقني بآمين. (۴) رواه أبو داؤد.

اور [حضرت] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا قال أحدكم آمين، وقالت الملائكة في السماء آمين فوافقت احدهما الأخرى، غفر له ما تقدم من ذنبه. (۵) رواه البخاري ومسلم. (۶)

- (۱) یہ حدیث [سنن ابوداؤد] چھاپہ اول مطبوعہ ۱۲۳۲ھ، صفحہ ۱۳۲/۱ میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ
(۲) سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الامام، رقم: ۹۳۴، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلوات والسنة فیہا، باب الجهر بآمین، رقم: ۸۵۳، دار السلام، الرياض
(۳) سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الامام، رقم: ۹۳۲
(۴) سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الامام، رقم: ۹۳۷
(۵) صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب فضلا لتأمین، رقم: ۷۸۱، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب التسبیح والتحمید والتأمین، رقم: ۴۱۰، دار السلام، الرياض
(۶) حدیث بخاری چھاپہ میرٹھ کے صفحہ ۱۰۸/۱ میں اور مسلم میں جو کہ مع شرح نووی چھاپا گیا، اس کے صفحہ ۷۷/۱ میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ۔

دیگر روایتیں صحیحہ سے جملہ اندر نماز کے بابت، اور سوال سائل کا باہر نماز کے ہے، اس کو محول اندر کر کے جواب اڑا گیا، کچھ خبر نہیں سوال و جواب سے۔ فتح القدیر میں (۱) ہے:

وقد رجح الدارقطني وغيره رواية سفیان بأنه أحفظ، وقد روى البيهقي عن شعبة في الحديث..... [ولو كان الي في هذا شيء لوفقت بأن] رواية الخفض يرااد بها عدم القرع العنيف. (۲)

(اگر میرے پاس کوئی دلیل ہوتی تو میں یوں مطابقت دیتا کہ آہستہ کہنے کی کہ روایت سے یہ مراد ہے [کہ] کڑک سخت نہ ہو۔ اس کو سن کر تا وقتیکہ جبر عریف نہ ہو، یعنی شدت آواز سے، ورنہ مکروہ ہوگا)۔ اس قول کا پتہ نہیں، بے اصل و بے سند گڑھنت، سکران کا سا قول، کیونکہ روایات متعدّدہ منقول متقدم ہو چکیں سنت پر، باوجود یہ کہ باتیں اندر نماز [کی ہیں] سوال باہر کا ہے۔ مولانا بحر العلوم [عبد العلیٰ فرنگی محلی لکھنوی] ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں:

وأما الاسرار بالتأمين فهو مذهبنا ولم يرو فيه الا ما روى الحاكم عن علقمة بن وائل عن أبيه أنه مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا بلغ ولا الضالين قال: آمين، وأخفى بها صوته، وهو ضعيف، وقد بين في فتح القدیر وجه ضعفه. انتهى. (۳)

[اور جہاں تک آئین کو آہستہ کہنے کی بات ہے تو یہ ہمارا مسلک ہے،

(۱) فتح القدیر، چھاپہ نول کشور، جلد اول صفحہ ۱۲۱، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) فتح القدیر شرح الہدایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ: ۱/۳۰۱-۳۰۲، تعلیق و تخریج: الشیخ عبد الرزاق غالب المہدی، الطبعۃ الثانیۃ ۲۰۰۹م، دار الکتب العلمیۃ بیروت

(۳) رسائل الأحکام: ۷۶، المطبع العلوی بلکناؤ

اور اس میں کوئی روایت اس کے علاوہ نہیں ہے جو کہ محدث حاکم نے علقمہ بن وائل سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے والد سے کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب قرأت کرتے ہوئے والا الضالین پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہا اور آہستہ کہا، اور یہ ضعیف ہے، اور بیشک اس کی وجہ ضعف فتح القدیر میں بتائی گئی ہے۔

چنانچہ شیخ ابن الہمام حنفی نے فتح القدیر (۱) میں کہا:

ذكر الترمذي في علة الكبير: أنه سئل البخاري هل سمع علقمة عن أبيه؟ فقال: أنه ولد بعد موت أبيه بستة أشهر. (۲)
(ذکر کیا) [امام] ترمذی نے بیچ کتاب علل کبیر کے، کہ میں نے بخاری سے پوچھا کہ آیا [حضرت] علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے؟ پس کہا بخاری نے کہ وہ اپنے باپ مرنے کے چھ مہینہ پیچھے پیدا ہوئے تھے۔

(۱) فتح القدیر، چھاپہ نول کشور، جلد اول صفحہ ۱۲۱، حوالہ از صاحب فتاویٰ
(۲) یہ عبارت قابل غور ہے کہ حضرت علقمہ کا اپنے والد حضرت وائل بن حجر سے سماع ثابت نہیں ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان (علقمہ) کا اپنے والد (وائل) سے سماع بلا شک و شبہ ثابت ہے، حضرت وائل کے دو صاحبزادے تھے ایک علقمہ بن وائل اور دوسرے عبد الجبار بن وائل، علقمہ عمر میں بڑے تھے اور عبد الجبار چھوٹے تھے، اور عبد الجبار اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے تھے، علقمہ نہیں تھے۔ امام ترمذی نے ابواب الحدود، باب ما جاء في المرأة اذا استكرهت على الزنا میں ایک حدیث کے تحت لکھا ”سمعت محمداً يقول عبد الجبار بن وائل بن حجر لم يسمع من أبيه ولا أدركه، يقال انه ولد موت أبيه بأشهر“ اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ امام بخاری کا یہ قول عبد الجبار بن وائل کے بارے میں ہے، نہ کہ علقمہ کے بارے میں ہے، اسی باب کے اخیر میں امام ترمذی یہ تصریح بھی کر دی ”وعلقمة بن وائل بن حجر سمع من أبيه، وهو أكبر من عبد الجبار بن وائل، وعبد الجبار بن وائل لم يسمع من أبيه“ یہ پوری تفصیل علامہ ظہیر احسن شوق محدث نیوی کی شہرہ آفاق کتاب ”آثار السنن مع التعليق الحسن مع تعليق التعليق“ الجزء الاول ۱۹۲-۱۹۷، سلمان عثمان ایڈیٹر کمپنی دیوبند ۱۴۲۳ھ طبع اول میں ملاحظہ ہو۔

[التعليق الممجد على المؤطا للامام محمد] (۱) میں ہے:

والانصاف أن الجهر قوي من حيث الدليل. (۲)

[شرح مؤطا امام محمد رحمہ اللہ میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنویؒ نے

لکھا ہے: اعتدال کی بات یہ ہے کہ بحیثیت دلیل آئین بالجہر قوی ہے]

اور [امام] زیلعیؒ نے "تخریج أحادیث الهدایة" میں بھی بسط سے بیان کیا۔ یہ

باتیں اندر نماز کی ہیں، نہ خارج نماز کی۔ اور پٹنی میں بھی اختلاف مذاہب میں بیان کیا۔

نماز کے اندر آئین کا دعا کہنا قول عطاء تابعیؒ کا ہے، جس حدیث کو صحیح بخاری

چھاپہ احمدی میرٹھ کے صفحہ ۷۷۱ میں سے کچھ لیا اور سب چھوڑ دیا گیا، پوری روایت

صحیح بخاری [کی] یہ ہے:

قال عطاء: آمین دعاء، وأمن ابن الزبير ومن وراءه حتى أن

للمسجد للجة، وكان أبو هريرة ينادي الامام لا تفتني

بآمين، وقال نافع: كان ابن عمر لا يلحده ويحضرهم

وسمعت منه في ذلك خبراً. (۳)

(عطاء نے کہا: آئین دعا ہے، اور آئین کہی ابن زبیرؓ نے اور ان کے

پیچھے والوں نے، یہاں تک کہ مسجد مل گئی اور [حضرت] ابو ہریرہؓ امام

کو کہہ دیتے تھے بلند آواز سے مجھ سے آئین کا کہنا فوت نہ کر۔ اور

نافع نے کہا کہ [حضرت] ابن عمرؓ آئین کہنا نہیں چھوڑتے تھے اور

(۱) التعليق الممجد على المؤطا للامام محمد رحمه الله للشيخ مولانا أبي

الحسنات عبد الحي اللكهنوي رحمه الله: ۱۰۳، المطبع المصطفائي [بلکناؤ]،

حوالہ از صاحب قنوی

(۲) التعليق الممجد للعلامة اللكناوي، أبواب الصلاة، باب آمين في الصلاة: ۱/۴۴۶،

تعليق وتحقيق: الدكتور تقي الدين الندوي، الطبعة الثانية ۱۴۱۸-۱۹۹۸م

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الجهر بالتأمين، رقم الباب: ۱۱۱، دار

السلام الرياض

لوگوں کو رغبت دیتے تھے۔ اور نافع نے کہا: میں نے [حضرت] عبد اللہ بن عمرؓ سے آمین بالجہر کے باب میں ایک حدیث سنی۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔

پس اجتہاد [حضرت] عطاءؒ کا آمین کہنا دعاء ہونا رائج شہر، پس حکایت احوال کو امر اجتہاد پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ہم عطاء کے اس اجتہاد کو بغیر دلیل کے نہیں مانتے بخلاف امر حکایت و اخبار کے کہ اس کے قبول کرنے سے نہ ہم کو چارہ، نہ تم کو، کیونکہ حکایت قبول نہ کرنے سے لازم آتا ہے کہ حاکی (حکایت بیان کرنے والا) کاذب [ہے]، اور جب اس حاکی کی صداقت معلوم ہو چکی تو اس کی حکایت ضرور تسلیم کرنا پڑے گی، بخلاف اجتہاد کے کہ وہ بغیر دلیل، حجت نہیں۔ اور عطاء کی ثقاہت میں کسی کو کلام نہیں، جس کو شبہ ہو، حافظ ذہبیؒ کی میزان اور ملا علی قاریؒ کی شرح مسند امام اعظم رحمہ اللہ اور خلاصہ میں دیکھئے، اور خود امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی سے ملاقات نہیں کی کہ وہ افضل ہو عطاء سے۔

عن عطاء قال: أدرکت مأتین من الصحابة، إذا قال الامام ولا الضالین رفعوا أصواتهم بآمین. رواه البیهقی وابن حبان فی [کتاب الثقات]. (۱)

[حضرت عطاءؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے دو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو پایا ہے، جب امام ولا الضالین کہتے تو اپنی آوازوں کو آمین سے بلند کرتے تھے۔ بیہقی اور ابن حبانؒ نے "کتاب الثقات" میں یہ روایت نقل کی ہے]

[حضرت] عطاء تابعیؒ کے قول مذکور پر اعتقاد جما کر اس بات کا قائل ہو جانا کہ آمین دعاء ہے، ایسا ہے جیسا کوئی آیت قرآن ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ﴾ (۲) سے سمجھ بیٹھے کہ نماز

(۱) کتاب الثقات، اتباع التابعین الذین رووا عن التابعین، باب الحاء، رقم الترجمة:

۱۱۹۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹-۱۹۹۸ م (۲) النساء: ۴۳

پڑھنے سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اور ﴿وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ (۱) کی طرف دیکھے ہی نہیں، کیونکہ جہاں [حضرت] عطاءؒ نے آمین کو دعا کہا ہے وہاں اس کا پکار کر کہنا تو بتا دیا ہے۔ دیکھ لیجیے وہ پوری روایت صحیح بخاری کی [ہے] جو سابق میں گزر چکی

”حتیٰ أن للمسجد للحة“ (۲)

یہاں تک کہ تحقیق گونج اٹھی مسجد، اور آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً.....﴾ (۳) میں مراد اخفاء سے آہستہ کہنا دعا کا ثابت ہے، نہ آہستہ کہنا آمین کا، آہستہ کہنا اس سے اس وقت ثابت ہو جب کہ آمین دعا ہو، اور آمین کا دعا ہونا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے، صرف تابعی کے سے ثابت ہے، اور آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً.....﴾ (۴) میں مراد اخفاء سے نہ بہت چلانا ہے، اور نہ ایسا آہستہ کہنا ہے کہ جس کو کوئی بھی نہ سن سکے، کیونکہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے

﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ (۵)

(ترجمہ: اور مت بلند آواز کر ساتھ ساتھ نماز اپنی کے، اور نہ بہت آہستہ کر ساتھ اس کے، اور دھونڈہ درمیان اس کی راہ)

کہا [حضرت] عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہ یہ آیت دعا کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ بخاری (۶) میں ہے:

عن هشام عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها [قالت]: وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا، قالت: أنزل ذلك في الدعاء. (۷)

(۱) النساء: ۴۳ (۲) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب الجهر

بالتأمين، رقم الباب: ۱۱۱، دار السلام الرياض

(۳) الأعراف: ۵۵ (۴) الأعراف: ۵۵ (۵) الاسراء: ۱۱۰

(۶) بخاری، چھاپہ احمدی میرٹھ کے صفحہ ۶۸۷/۱ میں ہے، حوالہ از صاحب ثاوی

(۷) صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها، رقم: ۴۷۲۳

(ہشام سے روایت ہے، اس نے اپنے باپ سے نقل کیا، اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا، [حضرت عائشہ نے فرمایا] اور مت آواز بلند کر ساتھ اپنی نماز کے، اور نہ بہت آہستہ ساتھ اس کے، کہا عائشہ رضی اللہ عنہا نے: یہ آیت نازل ہوئی ہے (یہ دعا کے)۔ یہی قول نختی، مجاہد اور کچول کا ہے۔

اور آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً.....﴾ (الآیۃ) (۱) سے اگر آپ ہر دعا کا خفیہ ہی کہنا لازم جانتے ہیں، اور جن دعاؤں کا پکار کر کہنا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت ہو چکا ہے، ان کو بھی نہیں مانتے ہیں تو پھر الحمد للہ کو اور سوائے الحمد للہ کے اور دعاؤں کو کہ قرآن میں نماز مشرب وعشاء و فجر میں کیوں پکار کر پڑھا کرتے ہیں، اور لیک بھی دعا ہے، تمام خفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ وغیرہ وغیرہ کیوں پکار کر کہتے ہیں۔ پس آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً.....﴾ (الآیۃ) (۲) کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آمین پکار کر نہ کہنا چاہیے بلکہ مطلب اس کا دعا آہستہ مانگنی چاہیے، لیکن دعا بھی آہستہ وہاں مانگنی چاہیے جہاں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے آہستہ مانگی ہو، اور جہاں پکار کر مانگی ہو وہاں پکار کر مانگنا چاہیے، اس لیے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۳)
(البتہ تحقیق ہے واسطے تمہارے پیچ رسول خدا کے پیروی اچھی)
اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (۴)

(کہہ! اگر تم چاہتے ہو اللہ کو پس پیروی میری کرو، چاہے [گا] اللہ اور بخشے [گا] واسطے [تمہارے] گناہوں کو تمہارے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (۱)

(جس نے کہا مانا رسول کا پس اس نے کہا مانا اللہ کا)

اور کلام اللہ سے واقف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کوئی نہیں، اور حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف ذرہ کے برابر بھی کوئی کام نہیں کرتے تھے، اور بعض دعاؤں اور نماز میں آمین پکار کر کہنا اگر آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً..... (الآیۃ)﴾ (۲) کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق نہ ہوتا تو اسی وقت وحی نازل ہوتی اور حضرت کو آمین اور بعض دعائیں پکار کر کہنے کی ممانعت ہوتی، حالانکہ بعض دعائیں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوائے آمین کے جو پکار کر کہیں معرض نقل میں آتی ہے۔ پہلی دعاء: صحیح مسلم (۳) میں ہے، روایت ہے عوف بن مالک سے کہ کہا:

صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جنازة، فحفظت من دعائه وهو يقول: اللهم! اغفر له وارحمه وعافه، واعف عنه، وأكرم نزله، ووسع مدخله، واغسله بالماء والثلج والبرد، ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس، وأبدله داراً خيراً من داره، وأهلاً خيراً من أهله، وزوجاً خيراً من زوجته، وأدخله الجنة، وأعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار. وفي رواية: وقَّه فتنة القبر وعذاب النار. قال: حتى تمنيت أن أكون أنا ذلك الميت. (۴)

(ترجمہ: نماز پڑھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر، پس یاد

(۲) الأعراف: ۵۵

(۱) النساء: ۸۰

(۳) صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور، صفحہ: ۳۱۱، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۴) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی الصلاة، رقم: ۹۶۳، سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الدعاء فی الصلاة، رقم: ۱۵۰۰، دار السلام الرياض

رکھا میں نے دعا پڑھنے کو حضرت کی کہ وہ فرماتے تھے: یا الہی! بخش دے
گناہ اس کے، اور رحمت کر اس پر اور خلاص کر اس کو مکروہات سے اور
معاف کر اس سے تقصیرات اس سے، اور بہتر کر مہمانی اس کی جنت میں
اور کشادہ کر قبر اس کی اور پاک کر اس کو ساتھ پانی کے اور برف کے اور
اولا کے (یعنی پاک کر گناہوں سے ساتھ طرح طرح مغفرتوں کے) اور
پاک کر اس کو گناہوں سے جیسا کہ پاک کیا سفید کپڑے کو میل سے اور
بدلا دے اس کو گھر (اس عالم میں) بہتر اس کے گھر سے اور اہل (یعنی
خادم) بہتر اہل اس کے سے اور بہتر بی بی اس کی بی بی سے اور داخل کر
اس کو جنت میں اور اور پناہ دے اس کو عذاب قبر سے، یا فرمایا: عذاب
دوزخ سے، اور ایک روایت میں ہے: بچا اس کو قتلہ قبر سے اور عذاب
آگ سے۔ کہا خوف نے: جب میں نے یہ دعا حضرت [صلی اللہ علیہ
وسلم] سے اس میت کے لیے سنا تو رشک لے گیا میں یہاں تک کہ آرزو
کی میں نے، کہ ہوتا میں یہ میت کہ حضرت میرے لیے دعا کرتے۔

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم (۱) میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں اشارہ ہے،
واسطے پکار کر پڑھنے دعا کے جنازہ کی نماز میں۔ یہ عبارت امام نوویؒ کی ہے:

وفیه إشارة الى الجهر بالدعاء فی صلاة الجنائزۃ (۲)

دوسری دعا: ابوداؤد و ابن ماجہ میں [ہے] (۳) واخلة بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ کہا:

(۱) شرح صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور کی جلد اول کے صفحہ ۳۱۱ میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) المنہاج شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی

الصلاة: ۴/ ۲۷۷، تحقیق: الشیخ عرفان حسونة، الطبعة الأولى ۱۴۲۰-۱۹۹۹م،

دار احیاء التراث العربی، بیروت

(۳) یہ حدیث مشکاؤ میں "باب المشی بالجنائزۃ" کی دوسری فصل میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ
الْمُسْلِمِينَ، فَسَمِعْتَهُ يَقُولُ: اللَّهُمَّ! اِنَّ فُلَانًا بَنَ فُلَانًا فِي
ذِمَّتِكَ وَحُبْلٍ جَوَارِكَ، فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَأَنْتَ
أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ
الرَّحِيمُ. رواه أبو داؤد وابن ماجه. (۱)

(ترجمہ: نماز پڑھی ساتھ ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
شخص پر مسلمانوں میں سے، پس سنائیں نے حضرت [صلی اللہ علیہ
وسلم] کو کہ فرماتے تھے: یا الہی! فُلان بیٹا فُلان کا بیچ امان تیری، کے
ہے، اس لیے کہ ایمان رکھتا تھا تجھ پر اور چنگل مارنے والا ہے ساتھ
قرآن کے کہ وہ امن دینے والا ہے، پس بچا اس کو فتنہ قبر سے (عذاب
اس کے سے) اور عذاب آگ سے اور تو صاحب وفا کا ہے (کہ جو
عہد اور وعدہ بندوں کے ساتھ کیا ہے پورا کرتا ہے) اور تو صاحب حق
کا ہے (کہ جو کچھ کہتا ہے اور کرتا ہے حق ہے) یا الہی! بخشش کرو واسطے
اس کے اور رحم کر کہ اس پر، تحقیق تو بخشنے والا مہربان ہے)۔

تیسری دعا: صحیح بخاری (۲) میں ہے، موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے، کہا موسیٰ
بن عقبہ نے کہ مجھ سے [دختر] خالد بن سعید بن عاص نے حدیث بیان کیا:

أَنَّهُ سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَعَوَّذُ مِنْ

عَذَابِ الْقَبْرِ. (۳)

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت، رقم: ۳۲۰۲، سنن ابن ماجه،

کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الدعاء فی الصلاة، رقم: ۱۴۹۹، دار السلام الرياض

(۲) صحیح بخاری، چھاپہ احمدی میرٹھ، صفحہ ۱۸۳، حوالہ از صاحب قنّاوی

(۳) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، بان التعوذ من عذاب القبر، رقم: ۱۳۷۶،

کتاب الدعوات، باب التعوذ من عذاب القبر، رقم: ۶۳۶۴، دار السلام الرياض

(تحقیق اس نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالانکہ وہ پناہ مانگتے تھے قبر کی

عذاب سے)

چوتھی دعا: مسلم (۱) میں ہے، [حضرت] عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت [ہے]، کہا اس وقت آنحضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] نماز پڑھتے تھے نزدیک خانہ کعبہ کے، جب حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] سجدہ میں گئے، تو مشرکین مکہ نے حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کے سر مبارک پر اونٹنی کی اوجھڑی وغیرہ ڈال دی، اور ہنسنے لگے، جب بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں، تو انہوں نے اٹھایا۔

فلما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰتہ، رفع صوتہ، ثم دعا علیہم، وکان اذا دعا دعا ثلاثاً، واذا سأل سأل ثلاثاً، ثم قال: اللّٰهُمَّ علیک بقریش ثلاث مرات، فلما سمعوا ذہب عنهم الضحک، وخافوا دعوتہ. (۲)

(جب پڑھ چکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز، بلند کیا آواز اپنی پھر بد دعا کی ان پر اور جب دعا کرتے تھے، دعا کرتے تین بار اور جب سوال کرتے، سوال کرتے تین بار، پھر فرمایا: اے اللہ! سخت پکڑ قریش کو، تین بار فرمایا۔ پس جب ان لوگوں نے آواز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی، چلی گئی ان سے ہنسی، اور ڈر گئے ان کی بد دعا سے)۔

پانچویں دعا: بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

اِنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا، فَذَكَرْتُ عَذَابَ الْقَبْرِ، فَقَالَتْ لَهَا: اُعَاذُكَ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلْتُ عَائِشَةَ رَسُولَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ حَقٌّ، فَقَالَ: نَعَمْ، عَذَابُ الْقَبْرِ.

(۱) صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور، دوسری جلد، صفحہ: ۱۰۸، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب ما لقی النبی ﷺ من اذى المشركين

والمناقين، رقم: ۱۷۴۹

قالت عائشة [رضی اللہ عنہا]: فما رأيت رسول الله صلى الله

عليه وسلم بعد صلي صلوة الا تعوذ من عذاب القبر. (۱)

(تحقیق ایک یہودیہ عورت آئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس، ذکر کیا اس نے قبر کے عذاب کا، پس کہا اس عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو، پناہ میں رکھے تم کو، اللہ قبر کے عذاب سے۔ پس پوچھا حضرت عائشہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حال عذاب قبر کا، پس فرمایا کہ ہاں، عذاب قبر کا حق ہے، کہا حضرت عائشہ نے پس نہیں دیکھا میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے اس پوچھنے کے کہ نماز پڑھی ہو کوئی نماز، مگر پناہ پکڑے ساتھ اللہ کے، قبر کے عذاب سے)

یہ حدیث مشکاة ”باب اثبات عذاب القبر“ کی پہلی فصل میں ہے۔

چھٹی حدیث دعا: صحیح مسلم (۲) میں ہے، [حضرت] براء بن عازب رضی اللہ

عنه سے روایت ہے کہ کہا:

كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحبين

أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه، قال: سمعته يقول:

رب قني عذابك يوم تبعث عبادك أو تجمع عبادك (۳)

(ہم جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے،

دوست رکھتے تھے ہم یہ کہ حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کے داہنی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر، رقم: ۱۳۷۲،

کتاب الدعوات، باب التعوذ من عذاب القبر، رقم: ۶۳۶۶۔ صحیح مسلم، کتاب

المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر..... الخ، رقم:

۵۸۴، ۵۸۶، دار السلام الرياض

(۲) صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور، جلد اول صفحہ: ۲۳۷، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۳) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب يمين الامام، رقم: ۷۰۹، دار

ہوں، کہ متوجہ ہوں ہم پر ساتھ منہ اپنے کے (یعنی وقت سلام کے
اول ہماری ہی طرف ہوں) کہا براء بن عازبؓ نے: پس سنائیں
نے حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کو فرماتے تھے (بعد سلام کے) اے
میرے رب! بچا مجھ کو عذاب اپنے سے اس دن کہ اٹھاوے گا تو یا جمع
کرے گا اپنے بندوں کو)

”سمعتہ“ کا لفظ اثبات کی صریح دلیل ہے کہ حضرت نے ان دعاؤں کو پکار کر کہا ہے۔
صحیح مسلم (۱) میں ہے، عہدہ سے روایت ہے کہ تحقیق حضرت عمر بن الخطاب رضی
اللہ عنہ پکار کر پڑھتے تھے ”سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ
جہدک ولا الہ غیرک“ (۲) کو، بھلا جس چیز کا مستنون ہونا میرے من و مدلل ہو، اس پر
طلاق مکروہ کا کرنا کتنی بے ادبی و شیوہ گستاخی و جرأت، پر معصیت و خدا ناتراستی ہے:
﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (۳)

(اور) انصاف سے انتصاف پر جانا اہل علم کا شیوہ نہیں، سوائے سوء فہمی و بے علمی
کے روشن و اظہر من الشمس ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ (۴)
[خلاصہ یہ ہے کہ جہر اور عدم جہر میں ائمہ کرام دو زاویہ نگاہ رکھتے ہیں، جہر کے
قائلین کے دلائل] ملاحظہ ہو:

حجة القائلین بالجہر، عن وائل بن جحر قال: کان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال: غیر المغضوب علیہم ولا
الضالین، قال: آمین، ورفع بها صوته. أخرجه أبو داود، وفي

(۱) صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور، جلد اول، صفحہ ۷۲، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب حجة من قال لا یجہر بالبسملة، رقم: ۳۹۹

(۴) البقرة: ۲۰۶

(۳) النور: ۶۳

رواية الترمذي عنه سمعت [النبي] صلى الله عليه وسلم قرأ
[غير المغضوب] ولا الضالين، وقال: آمين، مد بها صوته.
وفى رواية النسائي عنه، صليت خلف رسول الله صلى الله
عليه وسلم الحديث، وفيه: ثم قرأ فاتحة الكتاب، فلما
فرغ منها قال: آمين، يرفع بها صوته. (١)

وفى رواية لأبي داود والترمذي عنه أنه صلى مع رسول الله
صلى عليه وسلم، فجهر بآمين. (٢)

وروى أبو داود وابن ماجه عن أبي هريرة كان رسول الله ﷺ إذا
تلا غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال: آمين، حتى يسمع
من يليه من الصف الأول. زاد ابن ماجه: فيرتج بها المسجد. (٣)
وروى اسحاق بن راهويه عن امرأة أنها صلت مع رسول
الله صلى الله عليه وسلم، فلما قال: ولا الضالين، قال:
آمين، فسمعتة وهي في صف النساء. (٤)

وروى ابن حبان في كتاب [الثقات] في ترجمة خالد بن

(١) سنن أبي داود، ابواب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٢، جامع
الترمذي، ابواب الصلاة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في التأمين، رقم: ٢٤٨، ورد
الحديث بكلماته هذه "..... ثم يقرأ بفاتحة الكتاب..... الخ، سنن النسائي، كتاب
الافتتاح، رفع اليدين حيال الأذنين، رقم: ٨٨٠، دار السلام الرياض

(٢) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٣، دار السلام
الرياض. وماوردت في جامع الترمذي هذه الالفاظ

(٣) سنن أبي داود، ابواب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٤، سنن ابن ماجه،
ابواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم: ٨٥٣، دار السلام الرياض

(٤) معرقة السنن والآثار، كتاب الصلاة، باب التأمين، رقم: ٧٣٩، دار الكتب العلمية

أبى نوف، عنه، عن عطاء بن أبى رباح، [قال] أدركت
مأتين من أصحاب رسول الله ﷺ فى هذا المسجد [يعنى
المسجد] الحرام، اذا قال الامام: ولا الضالين، رفعوا
أصواتهم بآمين. (۱)

وفى صحيح البخارى عن عطاء تعليقا: آمن عبد الله بن زبير
ومن وراءه حتى أن للمسجد للجة. (۲)

وأخرج أبو داؤد والنسائى وابن ماجه عن أبى سعيد قال؛ قال
رسول الله ﷺ: اذا قرأ (الامام) غير المفضوب عليهم ولا
الضالين، فقولوا آمين، يجبكم الله. (۳) قال الامام النووي:
وهو بالجميم أى يستجب دعائكم، وهذا حث عظيم على التأ
مين، فيتأكد الاهتمام [به]. (۴) فأقول: أى معناه يستجيب.

[آمین بالجهر کے قائلین کی دلیل: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ (ﷺ) جب ”غیر
المفضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھتے تو (اس کے بعد) آمین

(۱) کتاب الثقات، اتباع التابعین الذین رووا عن التابعین، باب الحاء، رقم الترجمة:

۱۱۹۳، دار الکتب العلمیة بیروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸م

(۲) صحيح البخارى، کتاب الصلاة، باب الجهر بالتأمين، رقم الباب: ۱۱۱، دار
السلام الرياض

(۳) سنن أبى داؤد، کتاب الصلاة، باب التشهد، رقم: ۹۷۴، سنن النسائى، کتاب
التطبیق، باب مبادرة الامام، رقم: ۸۳۱، باب قوله ربنا لك الحمد، رقم: ۱۰۶۵،
باب نوع آخر من التشهد، رقم: ۱۱۸۳، سنن ابن ماجه، ابواب اقامة الصلوات
والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم: ۸۴۶، دار السلام الرياض

(۴) شرح النووي، کتاب الصلاة، باب التشهد فى الصلاة: ۴/ ۱۲۰، تحقيق: الشيخ
عرفان حسونة، دار احیاء التراث العربی، بیروت

کہتے، اور اپنی آواز کو بلند فرماتے۔ انہی سے ترمذی کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو سنا کہ آپ نے ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ کی قرأت کی، اور (اس کے بعد) فرمایا: آمین، اور اپنی آواز کو دراز فرمایا۔ نسائی کی انہی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) کے پیچھے نماز پڑھی..... (اس میں ہے)..... آپ (ﷺ) نے سورہ فاتحہ تلاوت فرمائی، اور جب اس سے فارغ ہوئے تو آپ نے کہا: آمین، اور اپنی آواز آمین سے بلند کرتے۔ ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور (ﷺ) کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے آمین زور سے کہا۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جب ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھتے تو آمین کہتے، یہاں تک کہ پہلی صف والے بھی سن لیتے، ابن ماجہ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ اس سے مسجد گونج جاتی۔ اسحاق بن راہویہ ایک خاتون سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ نے ولا الضالین کہا، تو آمین کہا، میں نے اس کو سنا اس حال میں کہ خواتین کی صف میں تھی۔ ابن حبان نے کتاب الثقات میں خالد بن ابی نوف کے ترجمہ میں، انہی سے اور انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے دوسو صحابہ کرام کو اس مسجد میں پایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہتا تو وہ اپنی آوازیں آمین سے بلند کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں عطاء سے تعلیقاً مروی ہے کہ عبد اللہ بن زبیر اور ان کے پیچھے جوتھے، ان سب نے آمین کہا یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی۔

ابو داؤد ونسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا: جب امام "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پڑھے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ امام نوویؒ نے فرمایا: بحسب جیم کے ساتھ ہے، یعنی تمہاری دعا قبول فرمائے گا، اور یہ آمین کہنے پر زبردست ابھارتا ہے، چنانچہ اس کے اہتمام کی تاکید ہو جاتی ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کے معنی "یستجیب" کے ہیں۔]

وحجة القائلين بالسر ما أخرجه أحمد وأبو يعلى والحاكم من حديث شعبة، عن سلمة بن كهيل، عن حنجر أبي العنبر، عن علقمة بن وائل، عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال: آمين، وأخفى صوته، ولفظ الحاكم: خفض صوته. لكن قد أجمع الحفاظ منهم البخاري وغيره أن شعبة وهم في قوله خفض صوته، وإنما هو مدّ صوته، لأنّ سفيان كان أحفظ من شعبة، [وهو] ومحمد بن سلمة وغيرهما رَوَوْهُ عن سلمة بن كهيل هكذا. وقد بسط الكلام في إثبات علل هذه الرواية الزيلعي في تخريج أحاديث الهداية وابن الهمام في فتح القدير (۱) وغيرهما من محدثي أصحاب الحنفية. (۲) فهذه سنة

(۱) تخريج احاديث الهداية للزيلعي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة ۴۴۵/۱-۴۴۹، مكتبة دار الايمان سهارن فور الهند، الطبعة الاولى، ۲۷/۱-۲۰۰۶م. فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة ۳۳۰/۱-۳۰۲، دار الكتب العلمية بيروت، سنة الطباعة: ۲۰۰۹م، الطبعة الثانية

(۲) التعليق الممجد على مؤطا الامام محمد الشيباني ۴۴۶/۱، الجامعة الاسلامية بأعظمكره، الهند، الطبعة الثانية ۵۱۴۱۸-۱۹۹۸م

بالبراهین وحجة بسلطان مبین. فاطلاق المکروه علی
المسنون اثم عظیم. واللہ یعلم، وهو أعلم.

[آمین بالجہر کے مانعین کی دلیل: علقمہ بن وائل عن أبیہ والی روایت
کی تخریج امام احمد بن حنبل، ابویعلیٰ، اور حاکم نے کی ہے کہ رسول اللہ
(ﷺ) جب ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پر پہنچے تو
کہا: آمین، اور اپنی آواز پست رکھی، حاکم کے یہاں ”خفص
صوتہ“ ہے، حفاظ حدیث کا اس بات پر اجماع ہے جن میں امام
بخاری شامل ہیں کہ شعبہ کو اپنے قول ”خفص صوتہ“ میں وہم ہو گیا
ہے، جب کہ وہ ”مد صوتہ“ ہے، اور اس لیے بھی کہ سفیان شعبہ
کے مقابلہ میں احتفظ ہیں، وہ اور محمد بن سلمہ وغیرہ سلمہ بن کہیل سے
اسی طرح نقل کرتے ہیں، اس روایت کی علتوں کے اثبات میں امام
زیلعی نے ”تخریج أحادیث الهدایة“ میں مفصل کلام کیا ہے، اور
علامہ ابن ہمام نے ”فتح القدیر“ میں اس پر بحث کی ہے، ان کے
علاوہ محدثین احناف نے بھی کلام کیا ہے۔ یہ دلائل کے ساتھ مسنون
ہے، واضح دلیل کے ساتھ حجت ہے، پس مسنون پر مکروہ کا اطلاق
گناہ عظیم ہے۔ واللہ یعلم، وهو أعلم۔]

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک أنت العليم الحکیم، سبحانک
ما یکون لی أن أقول ما لیس لی بحق، وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت
والیہ أنیب، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین.

حرره الراحی عفو ربہ المتین محمد آمین حسنی الحسینی تجاوز

اللہ عن ذنبه الدقیق والسمین.

تارک صلوٰۃ کا حکم (۱)

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم، تارک الصلوٰۃ عمداً (جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا) کافر مطلق ہے یا نہیں؟

واللہ الموفق الصواب

جواب: انه کافر مطلق عن الملة، وقد ورد فيه دليل من الكتاب والسنة وأقوال الأئمة من الصحابة ومن بعدهم، كما سيحیی ان شاء اللہ تعالیٰ، قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَأَقِمْوَا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (۲)

وقال تعالیٰ:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشُّهُوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيَاً﴾ (۳)
صَالِحاً..... (الآیہ) (۳)

وقال تعالیٰ:

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ (۴)

وقال تعالیٰ:

(۱) تارک الصلوٰۃ عمداً کے باب میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، صحابہ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور غیر صحابہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، امام ترمذیؒ، حضرت ایوب السخیتیؒ، امام ابوداؤد الطیالسیؒ، محدث ابن ابی شیبہؒ کا قول ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے، اور حضرت حماد بن زیدؒ، حضرت کھولؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جائے گا، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں دیا جائے گا، مگر قید شدید میں رکھا جائے گا اور خوب سزا دی جائے گی، اور اس قدر مارا جائے گا کہ بدن سے خون لگے یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مر جائے۔

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَأِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ﴾ (١)

وقال تعالى:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (٢)

وعن عوف بن مالك الأشجعي [يقول، سمعت] رسول الله صلى الله عليه وسلم [يقول]: خيار أئمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم، وتصلون عليهم ويصلون عليكم، وشرار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم، قال، قلنا: يا رسول الله! أفلا نناذبهم عند ذلك؟ قال: لا، ما أقام فيكم الصلوة. (٣) الحديث أخرجه مسلم.

وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة. أخرجه مسلم والترمذي وصححه وابن ماجه (٤) قال النووي: أي الذي يمنع من كفره كونه لم يترك الصلوة، فإن تركها لم يبق بينه وبين الكفر حائل. (٥) وعن ثوبان رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: بين العبد وبين الكفر والإيمان الصلوة،

(٢) آل عمران: ١٩

(١) التوبة: ١١

(٣) صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب خيار الائمة وشرارهم، رقم: ١٨٥٥

(٤) صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، رقم:

٨٢، جامع الترمذي، ابواب الصلاة، باب ما جاء في ترك الصلاة، رقم: ٢٦١٨ -

٢٦٢١، سنن ابن ماجه، ابواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ترك

الصلاة، رقم: ١٠٧٨ - دار السلام الرياض

(٥) شرح النووي، كتاب الايمان، باب اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة،

١٤٥/٢، دار احياء التراث العربي بيروت

فاذا تركها فقد أشرك. أخرجه هبة الله الطبري، وقال:

اسناده على شرط مسلم (١)

وعن أنس (رضي الله عنه) قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس بين العبد والشرك ألا ترك الصلوة، فاذا تركها فقد أشرك. أخرجه ابن ماجه (٢)

وعن بُرَيْدَةَ (رضي الله عنه) قال، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: العهد الذي بيننا وبينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر. أخرجه أحمد والترمذي والنسائي وابن ماجه بأسانيد صحيحة (٣)

وعن أنس رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر جهاراً. أخرجه الطبراني في الأوسط بإسناد حسن، وأخرجه البزار عن أبي الدرداء مرفوعاً بغير قوله "جهاراً". (٤)

(١) الترغيب والترهيب للمتذري، الترغيب من ترك الصلاة تعمداً وإخراجها عن وقتها تهاوناً ٣٧٩/١، التعليق المغني على الدارقطني ٥٢/٢، عالم الكتب بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤١٣هـ - ١٩٩٣م

(٢) سنن ابن ماجه، أبواب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة، رقم: ١٠٨٠، دار السلام، الرياض

(٣) جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في ترك الصلاة، رقم: ٢٦٢١، سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، رقم: ٤٦٤، سنن ابن ماجه، أبواب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة، رقم: ١٠٨٠، دار السلام، الرياض

(٤) المعجم الاوسط للطبراني، رقم: ٣٣٤٨، ولم نطلع على هذا الحديث في مسند البزار بلا كلمة "جهاراً" ولكن ورد برقم ٤١٤٨ في مسنده بكلماته "فمن تركها متعمداً فقد كفر" والله أعلم بالصواب

وعن يريدة بن الحصيب رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بگروا بالصلوة فى يوم الغيم، فإنه من ترك الصلاة فقد كفر. أخرجه ابن حبان فى صحيحه (١)

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه ذكر الصلوة يوماً فقال: من حافظ عليها كانت له نوراً وبرهاناً ونجاة يوم القيامة، ومن لم يحافظ عليها لم تكن له نوراً وبرهاناً وكان يوم القيامة مع قارون وفرعون وهامان وأبي بن خلف. أخرجه أحمد فى مسنده، وفى الزواجر سنده جيد، والدارمي والبيهقي فى شعب الايمان وأبو حاتم فى صحيحه والطبراني فى الكبير. (٢)

وعن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: أوصاني النبي صلى الله عليه وسلم فقال: لا تشركوا بالله شيئاً ولا تتركوا الصلوة عمداً، فمن تركها عمداً متعمداً، فقد نخرج عن الملة. أخرجه عبد الرحمن بن أبى حاتم فى سننه، والطبراني نحوه بإسناد، لا بأس بهما (٣)

- (١) صحيح ابن حبان، باب الوعيد على ترك الصلاة، رقم: ١٤٦١، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٧هـ - ١٩٩٦م (٢) مسند أحمد بن حنبل، مسند النساء، حديث أم ايمن، رقم: ٦٥٧٦، بيت الأفكار الدولية الرياض، سنن الدارمي، كتاب الرقاق، باب فى المحافظة على الصلاة، رقم: ٢٦٢١، دار القلم دمشق، ١٤١٧هـ - ١٩٩٦م، الطبعة الثالثة، شعب الايمان، باب فى الصلوات، فصل فى الصلوات وما فى أدائهن من الكفارات، رقم: ٢٨٣٣، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ - ٢٠٠٠م (٣) الترغيب والترهيب للمنذرى، الترهب من ترك الصلاة عمداً وإخراجها عن وقتها تهاوناً ٣٧٨/١، كنز العمال لعلى المتقى الهندي، رقم: ٤٤٠٥٠، تعظيم قنر الصلاة للمروزي، باب ذكر اكفار تارك الصلاة ٨٨٩/٢، جامع العلوم والحكم ٨٩/١، مكتبة الباز مكة المكرمة، ١٤١٧هـ - ١٩٩٦م، الطبعة الثانية

وعن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ترك صلاة مكتوبة [متعمداً] فقد برأت منه ذمة الله. أخرجه أحمد وأبو داود (١)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا اله الا الله وأن محمداً رسول الله ويقيموا الصلوة ويؤتوا الزكاة الحديث. أخرجه الشيخان (٢)

عن عمر رضي الله عنه قال: الصلوة عماد الدين فمن تركها فقد هدم الدين. أخرجه البيهقي (٣)

وعن علي رضي الله عنه قال: من لم يصل فهو كافر. أخرجه ابن أبي شيبة، والبخاري في تاريخه (٤)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال: من ترك الصلاة فقد كفر. أخرجه محمد بن نصر و[ابن عبد البر] (٥)

(١) مسند أحمد بن حنبل، رقم: ٢٧٩٠٨، مصنف ابن أبي شيبة، رقم: ٨٧، الترغيب

والترهيب للمنذري، الترغيب من ترك الصلاة تعمداً وإخراجها عن وقتها تهاوئاً ٣٨٢/١

(٢) صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب: ١٧، رقم: ٢٥، صحيح مسلم، كتاب

الايمان، باب الامر بقتال الناس حتى يشهدوا "لا اله الا الله ومحمد رسول

الله..... الخ"، رقم: ٢٠، ٢١، ٢٢، دار السلام، الرياض

(٣) اتحاف السادة المتقين للزيدي: ٨/٣

(٤) مصنف ابن أبي شيبة، تحقيق: الشيخ محمد محمد عوامة حفظه الله ورعاه،

كتاب الايمان والرياء، رقم: ٣١٠٧٥، الترغيب والترهيب للمنذري، الترغيب من

ترك الصلاة تعمداً وإخراجها عن وقتها تهاوئاً ٣٨٥/١، التعليق المغني على

الدارقطني، ٥٤/٢، عالم الكتب بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤١٣-١٩٩٣ م

(٥) الترغيب والترهيب للمنذري: ٣٨٥/١، التعليق المغني على الدارقطني نقلاً عن

المروزي وابن عبد البر: ٥٤/٢، عالم الكتب بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤١٣-١٩٩٣ م

وعن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: لا إيمان لمن لا صلوة
 [له] ولا صلوة لمن لا وضوء له. أخرجه [ابن] عبد البر (١)
 وقال [أبو] محمد ابن حزم: وقد جاء عن عمر، وعبد الرحمن
 بن عوف، ومعاذ بن جبل، وأبي هريرة وغيرهم من الصحابة
 رضي الله عنهم: أن من ترك صلوة فرض واحدة متعمداً حتى
 يخرج وقتها فهو كافر مرتد، قالوا: ولا نعلم لهؤلاء مخالفاً من
 الصحابة. هكذا قال الشيخ ابن القيم في كتاب الصلوة. (٢)
 وعن عبد الله بن شقيق العقلي قال: كان أصحاب رسول
 الله صلى الله عليه وسلم لا يرون شيئاً من الأعمال تركه
 كفر غير الصلوة. أخرجه الترمذي والحاكم في مستدركه
 وصححه على شرطهما (٣)

وحكى محمد عن ابن المبارك قال: من أخر صلوة حتى
 يفوت وقتها متعمداً من غير عذر فقد كفر. (٤)

وقال يحيى بن معين: قيل لعبد الله بن المبارك ان هؤلاء

(١) التعليق المغني على الدارقطني نقلاً عن ابن عبد البر: ٥٤/٢، علم الكتب بيروت،

الطبعة الثالثة، ١٤١٣هـ - ١٩٩٣م، الترغيب والترهيب للمنذري: ٣٨٦/١

(٢) الصلاة وأحكام تاركها، المسئلة الثالثة: بماذا يقتل، هل يقتل بترك صلاة أو

صلاتين أو ثلاث صلوات: ٥٢، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٦هـ -

١٩٩٦م، الترغيب والترهيب للمنذري: ٣٩٣/١

(٣) جامع الترمذي، ابواب الصلاة، باب ما جاء في ترك الصلاة، رقم: ٢٦٢٢،

المستدرک علی الصحيحین للحاکم، کتاب الايمان: ٤٨/١، رقم: ١٢، مكتبة دار

الباز مكة المكرمة، الترغيب والترهيب للمنذري: ٣٧٩/١

(٤) الصلاة وأحكام تاركها، المسئلة الثالثة: بماذا يقتل، هل يقتل بترك صلاة أو صلاتين

أو ثلاث صلوات / ٨٢، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٦هـ - ١٩٩٦م

يقولون: من لم يصم ولم يصل بعد أن يقرّ به فهو مؤمن
مستكمل الايمان؟ فقال عبد الله: لا نقول نحن ما يقول
هؤلاء، من ترك الصلوة متعمداً من غير علة حتى أدخل وقتاً
في وقت، فهو كافر. (١)

وقال ابن أبي شيبة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
من ترك الصلوة فقد كفر. فيقال له: ارجع عن الكفر فان
فعل والاقتل بعد أن يؤجله الرأى ثلاثة أيام. (٢)

وقال أحمد بن يasar سمعتُ صدقة بن الفضل وسئل عن
تارك الصلاة؟ فقال: كافر، فقال له السائل: أتبين منه امرأته؟
فقال صدقة: وأين الكفر من الطلاق، لو أنّ رجلاً كفر لم
تطلق منه امرأته (٣)

وقال أيوب (رضي الله عنه): ترك الصلوة كفر، لا يختلف فيه. (٤)
قال محمد بن نصر المروزي سمعت اسحاق يقول؛ صح
عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنّ تارك الصلوة كافر،

(١) الصلاة واحكام تاركها، المسئلة الثالثة: بماذا يقتل، هل يقتل بترك صلاة أو صلاتين

أو ثلاث صلوات / ٨٢، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٦هـ - ١٩٩٦م

(٢) تعظيم قدر الصلاة للمروزي، ٢/ ٩٢٧، رقم: ٩٨٨، نقلاً عن ابن أبي شيبة،

تحقيق: عبد الرحمن عبد الجبار الفريوائي، مكتبة الدار الطبعة الاولى ١٤٠٦هـ

(٣) الصلاة واحكام تاركها، المسئلة الثالثة: بماذا يقتل، هل يقتل بترك صلاة أو صلاتين

أو ثلاث صلوات / ٨٣، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٦هـ - ١٩٩٦م

(٤) الترغيب والترهيب للمنذرى ١/ ٣٨٦، جامع العلوم والحكم ١/ ٩٠، دار الخير

بيروت، الطبعة الثانية، ١٩٩٦م، الصلاة واحكام تاركها، المسئلة الثالثة: بماذا يقتل،

هل يقتل بترك صلاة أو صلاتين أو ثلاث صلوات / ٨٣، دار ابن حزم بيروت، الطبعة

الأولى، ١٤١٦هـ - ١٩٩٦م

وكذلك كان رأي أهل العلم من لدن النبي إلى يومنا هذا أنَّ تارك الصلوة عمداً من غير عذر حتى يذهب وقتها كافراً. (۱)
وفى الميزان للشعراني: والمختار عند أصحاب أحمد أنه يقتل لكفره كالمرتد وتجري عليه أحكام المرتدين فلا يصلي عليه ولا يورث ويكون ماله فيء ولا يجوز الاستدلال على عدم تكفيره بالحديث من قال: لا اله الا الله فقد دخل الجنة ونظائره، لأنها كما تقيد وتشترط بالاجتناب عن الشرك والكفر والتصديق بالقلب والايمان بما جاء به الرسل والأنبياء والايمان باليوم الآخر والايمان بالقدر، تقيد بالصلوة والزكاة لأنه لا يصح الايمان بلا عمل ولا العمل بلا ايمان (۲)

قال عليه الصلاة والسلام: لا يقبل ايمان بلا عمل، ولا عمل بلا ايمان. أخرجه الطبراني في الكبير باسناد حسن. (۳)
وقال الشيخ ابن القيم في كتاب الصلوة: قال قتادة عن أنس رضي الله عنه لم يكن رسول الله صلى الله عليه يقبل من أجابه إلى الاسلام الا باقام الصلوة وابتداء الزكاة. انتهى. (۴)
[ترجمة: ایسا شخص کافر مطلق ہے، کتاب وسنت اور صحابہ کرام اور ان

(۱) الصلاة واحكام تاركها، المسئلة الثالثة: بماذا يقتل، هل يقتل بترك صلاة أو صلاتين أو ثلاث صلوات / ۸۳، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولى، ۱۴۱۶ هـ - ۱۹۹۶ م، الترغيب والترهيب للمنذرى ۳۸۶/۱

(۲) الميزان الكبرى..... ۴ (۳) المعجم الكبير للطبراني، مسند عبد الله

بن عمر بن الخطاب رضي الله عنهما، رقم: ۱۳۹۱۸

(۴) الصلاة واحكام تاركها، المسئلة الثالثة: بماذا يقتل، هل يقتل بترك صلاة أو صلاتين

أو ثلاث صلوات / ۸۳، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولى، ۱۴۱۶ هـ - ۱۹۹۶ م

کے بعد کے ائمہ کے اقوال اس کے بارے میں وارد ہیں، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں میں مت ہو جانا“ اور ارشاد الہی ہے کہ ”پھر ان کے بعد ان کے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نمازیں ضائع کر دیں اور وہ خواہشات کے پیچھے لگ گئے تو وہ آگے کبھی نہیں پڑ جائیں گے، ہاں جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کئے تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ ذرا بھی نا انصافی نہ ہوگی“ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”پیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے“۔

حضرت عوف بن مالک انجلی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے اچھے حاکم وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں، وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو۔ اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں کہ جن سے تم بغض و نفرت رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض و نفرت کرتے ہیں، تم ان پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایسے برے حاکم کو ہم دور نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اور شرک و کفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔ امام

نوویؒ نے فرمایا کہ یعنی جو چیز اس کو کفر سے روکے وہ اس کا نماز نہ چھوڑنا ہے، اگر اس نے نماز چھوڑ دی تو اس کے اور کفر کے درمیان کوئی حائل ہونے والی چیز نہیں ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”بندہ اور کفر اور نماز کے درمیان (فرق کرنے والی چیز) صرف نماز ہے، جب وہ اس (نماز) کو ترک کرے تو اس نے شرک کیا۔ اس حدیث کی تخریج مہمۃ اللہ طبری نے کی، اور کہا کہ اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اور شرک کے درمیان سوائے نماز ترک کرنے کے کوئی چیز حائل نہیں ہے، جب اس نے نماز چھوڑی تو اس نے شرک کیا۔ (سنن ابن ماجہ) حضرت یزیدؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور ان کے مابین جو معاہدہ قائم ہے وہ نماز ہے، جس نے اس کو ترک کیا تو اس نے کفر کیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کھلم کھلا کفر کیا۔ (امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حسن درجہ کی سند سے روایت کی ہے، اور مسند الہمز از میں بغیر ”جہارا“ حضرت ابوالدرداء سے مرفوعاً مروی ہے)۔

حضرت بریدہ بن الحصیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بادل کے دن نماز میں جلدی کرو، اس لیے کہ جس نے نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا۔ (صحیح ابن حبان) حضرت عمرو بن عبد اللہ بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن نماز

کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز کی پابندی کی، قیامت کے دن نماز اس کے لیے نور اور دلیل اور ذریعہ نجات ہوگی، اور جس نے نماز کی پابندی نہیں کی تو نماز اس کے حق میں نور اور دلیل اور نجات کا ذریعہ نہیں ہوگی، روز قیامت وہ قارون، فرعون اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ ("مسند" میں امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، اور "الرواجز" میں اس کی سند اچھی ہے، اور دارمی اور بیہقی نے "شعب الایمان" میں اور ابو حاتم نے اپنی صحیح میں اور طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا ہے)۔

حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھراؤ، اور جان بوجھ کر نماز ترک نہ کرو، جس نے جانتے بوجھتے کر نماز ترک کر دی تو وہ ملت (اسلام) سے خارج ہو گیا۔ (محدث عبدالرحمن بن ابی حاتم نے اپنی سنن میں اور امام طبرانی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، ایسی سند کے ساتھ ان دونوں روایتوں میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے کوئی فرض نماز جان بوجھ کر ترک کر دی تو اللہ کا ذمہ اس سے بری ہے۔ (مسند احمد، سنن ابوداؤد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز دین کی بنیاد ہے، جس نے اس کو ترک کر دیا اس نے دین (کی عمارت) کو منہدم کر دیا۔ (بیہقی) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ جس نے نماز نہیں پڑھی تو وہ کافر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، بخاری فی التاریخ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ (کتاب

الصلاة للرموزی، ابن عبد البر) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس کی نماز نہیں، اس کی نماز قابل قبول نہیں جسے طہارت حاصل نہیں۔ (ابن عبد البر)۔

امام ابو محمد ابن حزم [ظاہری] نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور صحابہ کرامؓ سے یہ منقول ہے کہ جس نے ایک فرض نماز جان بوجھ کر ترک کر دی یہاں تک کہ اس (نماز) کا وقت نکل جائے، تو وہ کافر اور مرتد ہے، ان لوگوں نے کہا کہ ہم ان کے صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو مخالف نہیں جانتے۔ اسی طرح شیخ ابن القیم [حنبل] نے کتاب الصلاة میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن شفیق العقلمی نے کہا: صحابہ کرامؓ اعمال میں سے کسی بھی عمل کو کہ جس کا ترک کرنا کفر ہے سوائے نماز کے نہیں سمجھتے تھے۔ اس حدیث کی تخریج امام ترمذیؒ نے اور حاکم نے مستدرک میں کی ہے، اور اس کو امام بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے۔ محمد نے حضرت عبد اللہ بن المبارک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس نے کسی نماز میں جان بوجھ کر بغیر کسی عذر (شرعی) کے تاخیر کی یہاں تک کہ اس کا وقت فوت ہو جائے تو اس نے کفر کیا۔ اور امام یحییٰ بن معین نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن المبارکؓ سے عرض کیا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس نے روزہ نہیں رکھا اور نماز نہیں پڑھی بعد اس کے کہ اس نے اقرار کیا ہے تو کیا وہ مؤمن کامل الایمان ہے؟ حضرت عبد اللہ بن المبارک نے فرمایا کہ ہم وہ نہیں کہتے جس کو وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس نے جان بوجھ کر بغیر کسی

صلت (شرعی عذر) کے نماز چھوڑ دے یہاں تک کہ ایک وقت کو دوسرے ایک وقت میں داخل کر دے تو وہ کافر ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”جس نے نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا“ اس سے کہا جائے گا کہ کفر سے واپس آ جاؤ، اگر وی ایسا کرے تو ٹھیک ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا والی (حاکم) کے اس کو تین دن تک کی مہلت دینے کے بعد۔ احمد بن یسار نے کہا کہ میں نے صدقہ بن الفضل کو سنا کہ ان سے تارک الصلاۃ کے بارے میں سوال کیا گیا؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ کافر ہے۔ تو سائل نے ان سے کہا کہ کیا اس سے اس کی بیوی الگ ہو جائے گی؟ صدقہ نے کہا: طلاق کا کفر سے کیا تعلق؟ اگر کسی آدمی نے کفر کیا تو بھی اس کی بیوی مطلقہ نہیں ہوگی۔

اور حضرت ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز کا ترک کرنے والا کافر ہے، (یہ ایک ایسی بات ہے) جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ محدث محمد بن نصر المروزیؒ نے کہا کہ میں نے اسحاق کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ سے (صحیح سند سے) منقول ہے کہ نماز کا ترک کرنے والا کافر ہے، نبی اکرم ﷺ کے دور سے آج تک اہل علم کی رائے یہ ہے کہ نماز کا ترک کرنے والا بغیر کسی عذر (شرعی) کے جان بوجھ کر یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے، کافر ہے۔

امام عبد الوہاب شمرانی کی ”میزان“ نامی کتاب میں ہے کہ امام احمد بن حنبل کے اصحاب کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ اس کو اس کے کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جیسا کہ مرتد ہے، اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہوں گے، چنانچہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی،

اور نہ وہ وارث ہوگا، اور اس کا مال فی تصور کیا جائے گا، حدیث:

”من قال: لا اله الا الله فقد دخل الجنة“

اور اس جیسی حدیثوں سے اس کے عدم کفر پر استدلال جائز نہیں ہے، اس لیے یہ (قول یا کلمہ) جیسا کہ مقید اور شرط ہے شرک و کفر سے اجتناب کرنے سے اور تصدیق بالقلب سے، اس چیز پر ایمان سے جو رسول اور [انبیاء لے کر آئے، ایمان بالقدر اور ایمان بالآخرت سے، اور یہ کلمہ نماز اور زکوٰۃ سے بھی مقید ہے، اس لیے کہ ایمان عمل کے بغیر صحیح نہیں ہوتا اور عمل بغیر ایمان کے صحیح نہیں ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان بغیر عمل کے مقبول نہیں اور عمل بغیر ایمان کے مقبول نہیں ہے۔ امام طبرانی نے ”کبیر“ میں حسن درجہ کی سند سے حدیث کی تخریج کی ہے۔ شیخ ابن القیمؒ نے کتاب الصلاة میں کہا ہے کہ حضرت قتادہؓ نے حضرت انسؓ سے نقل کر کے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ قبول نہیں کرتے تھے اس شخص سے جو اسلام میں داخل ہوا ہے مگر نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے۔]

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم، رقمہ محمد امین حسنی

الحسینی، عفا الله عنه ذنوبه وستر عيوبه

نماز باجماعت ترک کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جماعت چھوڑ کر علاحدہ نماز پڑھے، درآنحالہ کہ جماعت ہو رہی ہے، ایک ہی مسجد میں جماعت علاحدہ اور وہ شخص علاحدہ نماز پڑھتا ہو، نماز جماعت چھوڑنے والے کی ہو جائے گی یا نہیں؟ ایک جماعت پہلے سے کھڑی ہے، اور دوسری جماعت ایک وقت میں اس شخص نے علاحدہ قائم کی، پس دونوں جماعتوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

هو المصوب

جواب: بشرط صدق سوال، حکم عدولی کرنے والا جناب باری تعالیٰ کے حکم ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (۱) کا ہوگا۔ اور خلاف پیروی سرور کائنات علیہ التحیات والتسلیمات کی، وعید شدید کا خوف کرے:

”من فارق الجماعة شبراً، فقد خلع ربة الاسلام من عنقه“ (۲)
[ترجمہ: جس نے جماعت سے بالشت برابر علاحدگی اختیار کی اس
نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار لیا]

کے عموم سے ڈرے۔

واللہ أعلم، وعلمہ اتم وأحكم، نغمہ محمد امین حسنی
الحسینی عفی عنہ وتجاوز اللہ عن ذنبه الدقیق والسمین.

ترک جماعت اور اشیاء مسجد سے انتفاع؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ [جو] شخص باشندہ ملحق مسجد ہے، اور نماز
قبل جماعت تنہا پڑھ کر چلا جاتا ہے۔ اور جو لوگ مسجد کے پانی (اور) ڈوچھی و لوٹا سے
حقہ تازہ کرتے ہیں۔ گنہگار ہیں یا نہیں؟ فقط۔

هو المعین

جواب: قبل جماعت تنہا پڑھ کر چلا جانا اگر بنظر دیری و ثوت ہوئے فضیلت وقت
اول کے ہے تو ایسا ہی حکم ہے، و من بعد اگر جماعت پاوے [تو] شرکت کرے۔
چنانچہ فرمایا نبی علیہ السلام نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو:

کیف أنت اذا بقيت في قوم يؤخرون الصلاة عن وقتها،

(۱) البقرة: ۴۳۔ [اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو]

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، فصل فی الخوارج، رقم: ۴۷۵۸، دار السلام، مسند
احمد بن حنبل، حدیث ابی ذر الغفاری، رقم: ۲۱۵۶۱، مؤسسة الرسالة

قال؛ قال: ما تأمرنا؟ قال: صلّ الصلاة لوقتها، ثم اذهب لحاجتك، فان أقيمت الصلاة وأنت في المسجد، فصلّ. (۱) انتهى. كذا رواه مسلم.

[کیا ہوگا تمہارا جب تم ایسے لوگوں کے درمیان ہو گے جو نماز کو اس کے وقت سے تاخیر کرتے ہیں، واری کہتا ہے کہ انہوں نے سوال کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرو، پھر اپنے کام کے لیے چلے جاؤ، اور اگر نماز کھڑی ہو جائے اس حال میں کہ تم مسجد میں ہو، تو نماز پڑھ لو]۔

بلا عذر و بلا رخصت شریعت کے، گنہگار ہوں گے۔

(اور) حقہ تازہ کرنا مسجد کے پانی سے۔ جو اوقاف سے ہے۔ خالی سوء ادبی

و معصیت سے نہیں۔ فقط

واللہ أعلم بالصواب، نقمہ محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله

عن ذنبه الخفي والمبين.

امامت کون کرے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نو مسلم نابینا حافظ قرآن شریف ہے، اور پابند صوم و صلاۃ و متقی و پرہیزگار، ناچ و رنگ سے بیزار، آب و خورش سود خوار کے یہاں رکھتا ہے، مجبوراً عمر و جو لحاظ اوقات نماز و پابندی جماعت نہیں رکھتا اور یہی شرکت میلہ کفار اور ناچ و رنگ و دیگر بدعات سے مملو ہے حتیٰ کہ بے ستر بھی رہتا اور کھانا مثل زید کے، لیکن بینا ہے ان دونوں میں سے کون قابل امامت ہے؟ فقط۔ جماعت کھڑی

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب تراہة تأخیر الصلاة عن

وقتها المختار، وما يفعله المأموم اذا أخرها الامام، رقم: ۶۴۸، دار السلام الرياض

تھی، نماز ہوتی تھی، قصداً کوئی شخص شریک جماعت نہ ہو، تو کیسا ہے۔ فقط
هو الموفق

جواب: الأحق بالامامة الأعلیٰ بأحكام الصلاة فقط
صحة وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الفظاھرة، وحفظه
قدر فرض، وقیل واجب، وقیل سنة. ثم الأحسن تلاوة
وتجويداً للقراءة، ثم الأروع أى الأكثر اتقاءً للشبهات،
والتقوى: اتقاء المحرمات، ثم الأسن أى الأقدم اسلاماً.
انتهی. کذا فی الدر المختار.

[امامت کا سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو صحت وفساد کے اعتبار
سے احکام نماز کو زیادہ جاننے والا ہو، اس شرط کے ساتھ کہ وہ ظاہری
فواحش وگناہ سے اجتناب کرے، اس کی حفاظت بقدر فرض ہو، اور
یہ بھی کہا گیا ہے کہ بقدر واجب ہو اور کہا گیا کہ بقدر سنت ہو۔ پھر
تلاوت و تجوید قرأت کے لحاظ سے اچھا ہو، پھر اروع یعنی شبہات
سے بہت زیادہ بچنے والا ہو، اور تقویٰ محرمات سے بچنا ہے۔ پھر جو
اسلام پہلے لانے والا ہو]۔ (۱)

”إذا كانوا ثلاثاً فليؤمهم أحدهم وأحقهم بالامامة
أقرأهم“۔ (۲) انتھی۔ کذا رواه مسلم عن أبي سعيد.
”يؤمهم أقرأهم لكتاب الله فان كانوا في القراءة سواء،
فأعلمهم بالسنة..... الحديث“۔ کذا رواه مسلم عن أبي

(۱) الدر المختار مع رد المحتار للشامي، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۲/۲۹۴-۲۹۴،

دار الكتاب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م

(۲) صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب من أحق بالامامة، رقم:

۶۷۲۔ دارالسلام الرياض

مسعود الأنصاري، (۱)

[جب تین لوگ ہوں تو ان میں سے کوئی ایک ان کی امامت کرے،
اور ان میں امامت کا سب سے زیادہ حقدار ان کا قاری ہے۔ اسی
طرح سے مسلم نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے۔ اور ان کی
امامت کتاب اللہ کا سب سے زیادہ پڑھنے والا کرے گا، اگر قرأت
میں برابر ہوں تو تو اعلم بالسنہ شخص امامت کرے گا۔ اسی طرح امام
مسلم نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کی]۔

ترک جماعت و ترک اقتداء بلاوجہ شرعی جرم جسيم واثم عظيم [ہے]۔

كما أخرجه مسلم في صحيحه: "وما يتخلف عنها الا
منافق معلوم النفاق". (۲) انتہی۔

[ترجمہ: جماعت سے پیچھے صرف وہی منافق رہ جاتا ہے جس کا نفاق
نمایاں ہوتا ہے]۔

والله عليم بذات الصدور، رقمہ محمد أمين حسنى الحسينى،

عصمه عن الشرور فى الدارين. فقط.

امامت کا مستحق کون؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین در بارہ اس مسئلہ کے کہ
ایک شخص ذات کا قاضی ہے، اور علم قرآن دو چار پارہ پڑھتا ہے، اور وہ تعزیہ بناتا ہے۔
اور خود درمیان مسجد کے بیان کرتا ہے کہ ہم تعزیہ بناتے ہیں۔ اور اپنا تار شیشیوں کے
ساتھ رکھتا ہے، ظاہراً میں اپنی تین شیشی مارتا ہے کہ ہم قوم اشراف یعنی قاضی ہیں، اور

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، باب من أحق بالامامة، رقم:

۶۷۳۔ دارالسلام الرياض

(۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب: صلاة الجماعة من سنن الهدی، رقم:

الحديث: ۱۴۸۸

دوسرے ایک شخص قوم کا نور باف ہے، اور وہ علم قرآن بالکل ختم کیے ہوئے ہے، ہمیشہ روزہ، نماز اور احکام شرعی پر مستعد و سرگرم اور اپنے تقویٰ و طہارت سے خوب درست اور نماز جمعہ و تراویح اور پنج وقتہ کی ہمیشہ پڑھتا ہے، آیا ان دونوں شخصوں میں سے کس کے پیچھے نماز پڑھنا ہم لوگوں کو درست ہے؟ اور کس کے ہاتھ کا ذبیحہ اور نماز جنازہ اور نکاح پڑھوانا درست ہے؟ اور مشرک کے ساتھ میل ملاپ اور ناتا رشتہ رکھنا کیسا ہے؟ اور تعزیہ کا بنانا اور مسجد کے درمیان اقرار کرنا اور ہمیشہ پڑھانے والے کی امامت چھوڑ دینا کیسا ہے؟ اور تعزیہ بنانے والے کا خطبہ سننا (اور) نماز پڑھانا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(مرسلہ: محمد اسماعیل از مقام برہو پور ضلع پرتاب گڑھ، ۱۳/ شوال.....)

هو المصوب

جواب: جو شخص متقی و پرہیزگار، خدا ترس، خدا پرست، متبع شریعت و پیرو سنت [ہو] - شرک و بدعت و تعزیہ پرستی جو کہ بت پرستی ہے، نفرت رکھتا ہو، پیروان معصیت [سے تعلق] نہ رہتا ہو، کفر و شرک و فسق و فجور کرنے والوں سے رغبت نہ رکھتا ہو بلکہ نفرت و مفارقت ان سے گوارہ کرتا ہو۔ اسی کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے۔ مدار قومیت پر نہیں بلکہ تقویٰ پر [ہے] کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ﴾ (۱)

(ترجمہ: بیشک بزرگ تمہارے کا نزدیک اللہ کے متقی زیادہ و تقویٰ والا زیادہ تمہارے کا)

(اور) مقبولیت عمل بھی تقویٰ پر جیسا کہ فرمایا اللہ پاک نے:

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (۲)

[اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول فرماتے ہیں]۔

وفی تنویر الأبصار و شرحہ: ثم الأحسن تلاوة و تجويداً

للقراءة ثم الأروع أى الأكثر اتقاءً للشبهات، والتقوى:

اتقاء للمحرمات. (۱) انتہی۔

وفی الحدیث عن أبی مسعود الأنصاری رضی اللہ عنہ
قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یؤم القوم أقرأهم
لکتاب اللہ، فان كانوا فی القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة
..... الخ۔ کذا ذکرہ مسلم فی صحیحہ۔ (۲)

[تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: پھر وہ پڑھنے میں تلاوت اور
تجوید کے لحاظ سے اچھا ہو، اور پھر وہ متقی ہو یعنی شکوک و شبہات سے
بہت زیادہ بچنے والا ہو، اور تقویٰ نام ہی محرمات سے بچنے کا ہے۔
حدیث شریف میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرے گا جو
کتاب اللہ کا سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر وہ قرأت میں برابر
ہیں تو أعلم بالسنة شخص امامت کرے گا..... الخ۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح
میں اس روایت کو بیان کیا ہے۔]

جملہ امور دینی کو ایسا ہی مقتدی کرنا چاہیے، مثل نماز جنازہ و نکاح خوانی وغیرہما۔
ذبیحہ مسلم کا حلال، مشرک کا حرام۔

واللہ أعلم، وعلمہ أتم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد امین
حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین۔

کون لائق امامت ہے؟

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم، ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ کہ ایک قصبہ قدیم بہت

(۱) الدر المختار شرح تنویر الابصار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة:

۲/۲۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م الطبعة الثانية

(۲) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالامامة، رقم:

۳۷۶۔ دار السلام الرياض

مدتوں سے اسلام کی بستی، اور مسکن مشائخ و سادات و دیگر طوائف اقوام مسلمین کے رہنے کی جگہ ہے نیز ان سلف سے ایک مسجد ”جامع علی“ قدر مائینگی وسعت و فسحت کے ساتھ بنا، براحضار جماعت قصبہ و نواح قصبہ کے اس میں موجود ہے، اور دستور ہے اہلیان قصبہ کا سوائے ان چند مساجد عتیقہ کے کہ جن پر پہلے بھی جماعت جمعہ کی علاحدہ ہوا کرتی تھی علی العموم یوں ہی رہا کہ بالاتفاق مسجد جامع موصوفہ پر نماز پڑھتے رہے بلا کسی خلاف و شقاق کے، اور امام اس مسجد کے فقط نماز جمعہ پڑھانے کے واسطے ایک حافظ جید القرات عالم مسائل مایجوز بہ الصلاۃ شریف القوم عرصہ بیس پچیس برس سے برضائے جمیع الہ اسلام جو اس مسجد حاضر ہوتے ہیں مقرر ہے، بالفضل ایک عالم نو وارد (اور) قوم کا سپید باف داخل قصبہ مذکور ہو کر باتفاق و تراشہ قوم خود جو پہلے اس حافظ کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے، خود امامت اس مسجد کی کیا چاہتا ہے، اور دو تین جمعہ امام بھی ہوا، لیکن شرفائے قوم باوصف ہونے حافظ جید القرات عالم مسائل مایجوز بہ الصلاۃ اور شریف القوم کے بالینکہ وہ امام قدیم اس مسجد کا ہے، اس عالم سپید باف کو امامت سے روکتے ہیں تا وقتیکہ حافظ یعنی امام قدیم اس کو اجازت نہ دے، تیسرے جمعہ میں جبکہ وہ عالم مثل دو گزشتہ جمعوں کی امامت کے قصد سے اٹھتا تھا بلکہ خطبہ پڑھ کے نماز پڑھانے جاتا تھا کہ ایک شخص شریف القوم نے حافظ کا مافی الضمیر درباب اجازت دریافت کیا، حافظ نے انکار کیا کہ حاشا میری رضا و اجازت اس امر میں نہیں ہے، اتنے میں ایک دوسرے شخص نے جو اس عالم کا ہم قوم تھا اور جس کو اصلاً استحقاق اجازت دینے کا شرعاً یا عرفانہ پہنچتا تھا، امر اجازت کو اپنی طرف منسوب کیا کہ میں نے کہا ہے، پس شریف مانع ہے جو صرف حافظ کی اجازت کا منتظر تھا، اس عالم کو روکا، اور بایں خیال کہ یہ امامت بالہوس مقتضائے نفس سے منجر ہے، حافظ کو اسی وقت امامت کرنے کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ اس روز حافظ نے ہی مثل معمول قدیم اپنے کی نماز پڑھائی، بعد از نماز قوم سپید باف نے اس شریف مانع پر ایک ہنگامہ سخت بپا کیا اور شورش غیر مہذب ظاہر کرتے گئے، اس عالم اور اس کی قوم کو یہ آپڑی کہ کچھ ہی ہو

امامت مجھ ہی کو دی جاوے، والا تفریق اپنی جماعت کی کر لیں۔

شرقائے قوم نے ہر چند استحالت صالحانہ کی اور جمع اس تفریق کے بارے میں کوششیں کیں، لیکن کچھ سودمند نہ ہوا، اور وہ عالم خود مع اپنے ہم قوم لوگوں کے جس کا تخمینہ ساٹھ (۶۰) ستر (۷۰) یا چیزے زائد ہوگا ”مسجد جامع“ سے علاحدہ ہو کے ایک دوسری جگہ نماز جمعہ پڑھنے لگا، لیکن چونکہ مساجد دیگر داخل قصبہ ہیں، وہ اکثر شرفاء کی نماز گاہ ہیں، اور ان لوگوں نے باتفاق خود ہا ایک علاحدہ مسجد صرف اپنی طرف سے اپنے ہم قوم کے واسطے بنوائی چاہی ہے، اور ”مسجد جامع قدیم“ کو اس غرض متذکرہ سے ترک کرتے ہیں۔ اب سوال مستفتی چند امور یہ ہے:

اول:- آیا اس عالم کی نماز پیچھے اس حافظ کے بلا نقص و فساد کے صحیح ہو سکتی ہے یا نہیں؟
دوسرے:- اس عالم کو [حق] پہونچتا ہے کہ بلا اذن امام قدیم کے محض اپنے شوق سے اس کی جگہ امامت کرے یا نہیں؟

تیسرے:- اس روح و قدح امامت میں جس کا نتیجہ یہ ہوا، اور جماعت کی تفریق ہوئی، خطا کس کی طرف ہے؟ اور خا طی اس میں وہ شریف مانع ہے یا جن لوگوں نے بجائے حافظ کے خواہ مخواہ اس عالم کو بنانا چاہا؟

چوتھے:- اگر خطا شریف مانع کی طرف متعدی ہے تو اس کی تلافی وہ کیونکر کر سکتا ہے؟ اور کفارہ اس [کا] کیا ہے؟

پانچویں:- ایسے عالم مہربوں علی الامامہ کا کیا حکم ہے کہ باوصفیکہ نماز اس کی اور اس کی قوم کی حافظ کے [پیچھے] بلا کسی نقص کے صحیح ہو سکتی ہے؟ تاہم وہ بخبر اپنی امامت کی دوسرا امام پسند نہیں کرتا اور نتیجہ جس کا یہ ہوا کہ جماعت اسلام کی تفریق ہو گئی۔

چھٹے:- جماعت قدیم کا متفرق ہو کر علاحدہ علاحدہ نماز پڑھنا موجب عصیان و خسران ہے یا نہیں؟ اور نقصان ثواب ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ساتویں:- اس طرح جماعت کی تفریق کرنا اور علاحدہ سے ایک نئی مسجد کا بنانا

جائز ہے یا نہیں؟ اور جو مسجد کہ اس طرح بنائی جائے، حکم اس کا مسجد ضرار کا سا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(مرسلہ: قاضی محمد مظہر صاحب، باشندہ محلہ خواجگان از جاس ضلع رائے بریلی)

هو الملهم للحق و الصواب

سوال: تفرقہ جماعت میں ڈالنا جرم عظیم و اثم آشیم و وعید شدید [ہے]۔ کما فی الحدیث:

من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه.

رواہ أحمد و أبوداؤد و کذا فی المشکوٰۃ. (۱)

[حدیث شریف میں ہے: جس نے بالشت بھر جماعت سے مفارقت

کی، تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی (عہد و پیمان) کو اتار لیا]۔

پس جملہ اہل اسلام پر واجب ہے کہ ادائے نماز و اقامت جماعت بمسجد قدیم

جامع [ہو]، نکاسل کو دفع کریں (اور) مصداق:

﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُتْلًا﴾ (۲)

[اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بے دلی کے ساتھ

کھڑے ہوتے ہیں]

کے نہ ہوں (اور) اولویت بالامامت اس کو جو قاری بکتاب اللہ زندہ ہو

جماعت میں۔ ہکذا فی الحدیث:

إذا كانوا ثلاثة فليؤمهم أحدهم، وأحقُّهم بالامامة

أقرؤهم. کذا فی مسلم عن أبی سعید الخدری. (۳)

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی الخوارج، رقم: ۴۷۵۸۔ دار السلام

الریاض، مسند احمد بن حنبل، حدیث أبی ذر الغفاری، رقم: ۲۱۵۶۱۔ مؤسسة

الرسالة، الطبعة الأولى، ۵۱۴۲۱۔ ۲۰۰۱م (۲) النساء: ۱۴۲

(۳) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب من أحق بالامامة، رقم:

۶۷۲۔ دار السلام ریاض

[یہی حدیث شریف میں ہے کہ جب تین لوگ ہوں تو ان میں سے کوئی ایک ان کی امامت کرے، اور امامت کا حقداران کا اقرار (کتاب اللہ کا قاری) ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے اس طرح روایت کی ہے۔]

اسی مسلم میں روایت آخر ہے:

عن أبي مسعود الأنصاري قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يوم القوم أقرؤهم لكتاب الله فان كانوا في القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة الخ. (۱) وهو مذهب أبي حنيفة وان كان مخالفاً ما في الهداية وغيرها وأولى الناس بالامامة أعلمهم بالسنة وعن أبي يوسف أقرؤهم لأن القراءة لا بد منها والحاجة الى العلم اذا نابت نائبة. (۲)

[حضرت ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی امامت ان میں سے، کتاب اللہ کا قاری کرے گا، اگر وہ اس میں برابر ہوں تو اعلم بالسنة آدمی امامت کرے گا..... الخ۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، اگرچہ ہدایہ وغیرہ کا مخالف ہے کہ لوگوں میں امامت کا اولیٰ شخص اعلم بالسنة ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ سب سے زیادہ لائق اقرار ہے، اس لیے کہ قرأت ضروری ہے اور علم کی حاجت و ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی مسئلہ پیش آئے۔]

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب من أحق بالامامة، رقم:

۶۷۳۔ دارالسلام الرياض

(۲) الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الصلاة، باب الامامة ۱/۲۳۴، مكتبة

البشرى، لاہور پاکستان، الطبعة الثانية ۱۴۲۸ھ - ۲۰۰۷م

(اور) امام مسجد محلہ کو اولویت و حقیقت غیر پر [ہے]۔ کما فی تنویر الأبصار:

واعلم أن صاحب البيت أولى من غيره، وفي شرحه مطلقاً

ومثله امام المسجد هذا في الدر المختار. (۱)

و کما فی حدیث مسلم: ”لَا يُؤَمِّنُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي

سلطانه“ (۲) معناه ما ذكره أصحابنا وغيرهم ان صاحب

البيت والمجلس وامام المسجد أحق من غيره، وان كان

ذلك الغير أفقه وأقرأ وأروع وأفضل منه، وصاحب

المكان أحق، فان شاء تقدم وان شاء قدم من يريد، وان

كان ذلك الذي يقدمه مفضولاً بالسنة الى باقى الحاضرين

لأنه سلطانه فيتصرف فيه كيف شاء. (۳) انتهى.

[گھر والا اور اسی طرح مسجد کا امام راتب (معتین) دوسرے کے مقابلہ

میں علی الاطلاق امامت کا زیادہ حقدار ہیں۔ یقیناً آدمی کسی کی سلطنت

و حکومت کی جگہ میں (میر محلہ کی موجودگی میں) اس شخص کی امامت نہ

(۱) تنویر کی عبارت اس طرح ہے:

”وصاحب البيت أولى بالامامة من غيره“.

اور در مختار کی عبارت یوں ہے:

”واعلم أن صاحب البيت ومثله امام المسجد الراتب أولى بالامامة

من غيره مطلقاً“.

الدر المختار شرح تنویر الأبصار مع حاشیة ابن عابدین، کتاب الصلاة، باب الامامة

۲/۲۹۷، دار الکتب العلمیة بیروت، الطبعة الثانية ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م

(۲) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالامامة، رقم:

۶۷۳، دار السلام الرياض

(۳) المنهاج شرح صحیح مسلم، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة،

باب من أحق بالامامة، ۳/۴۷۶ - ۴۷۷، دار التراث العربی بیروت، الطبعة الأولى

۱۴۲۰ - ۱۹۹۹م

کرے۔ اس کا معنی یہ ہے جس کو ہمارے اصحاب اور دیگر لوگوں نے بھی بیان کیا ہے کہ صاحب خانہ اور میر مجلس اور امام مسجد، غیر کے بالمقابل امامت کا زیادہ حقدار ہیں، اگرچہ دوسرا شخص افقہ اور اقرأ ہو، اور پرہیزگار ہو اور اس سے افضل ہو۔ گھر والا احق ہے، اگر وہ چاہے تو وہ خود آگے بڑھ جائے، اور چاہے تو کسی کو آگے بڑھا دے، اگرچہ بڑھایا گیا شخص دوسرے باقی لوگوں کے مقابلہ میں کم درجہ کا ہو، کیونکہ اس کو اختیار ہے، جیسا چاہے، اس میں تصرف کرتا ہے۔]

منازعت غیر حق کے حق والے کے ساتھ بیجا بلکہ منہی عنہ فی الشرع۔ اور اس عالم کو اقتداء ساتھ حافظ کے (اور) پیچھے پڑھنے میں اسی حافظ امام مسجد کے بلا نقص و فساد نماز صحیح ہوتی (اور) خلاف:

﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَعَفَا غُيُوبُكُمْ﴾ (الأنفال: ۴۶)

[آپس میں جھگڑا مت کرنا اور نہ تم ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکٹھ جائے گی]

نہ لازم آتا (اور) تفرقہ جماعت میں نہ پڑتا جس میں نکال و وبال آخرت کا خوف ہے، اگر خیال حدیث جو منقول فی الہدایہ ہے:

من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی، فلم

أقف علیہ بهذا اللفظ. (۱) انتہی.

(۱) الہدایہ کتاب الصلاة، باب الامامة ۲۳۴/۱، مکتبۃ البشرى، لاہور پاکستان، الطبعة الثانية ۱۴۲۸ھ - ۲۰۰۷م. ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث کتب حدیث میں نہیں ہے البتہ متعدد احادیث اس مفہوم کی ایسی پائی جاتی ہیں، هذا الحدیث غریب لیس فی کتب الحدیث [البنایہ: ۳۹۰/۲] ونقل الشيخ ظفر أحمد العثماني عن مرقد الغنوي مرفوعاً: ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم علماء کم، فانهم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم، رواه الطبرانی "فی الکبیر" قال الشيخ: حدیث حسن لغیرہ، کذا فی العزیزی، اعلاء السنن ۲۱۸/۴، نصب الراية للإمام الزیلعی ۲۸/۲، میں پوری تفصیل ملاحظہ ہو، مکتبۃ الایمان سہارن فور، الطبعة الأولى ۱۴۲۷ھ - ۲۰۰۶م

[جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی تو گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مجھے نہیں ملی۔]
 (اور) غیر کو [حق] نہیں پہونچتا کہ بلا اذن امام مسجد کے امامت کرے۔ جیسا کہ [عبارت امام نوویؒ نے ظاہر کر دیا بلکہ جو امامت شوق سے کرے (اور) قوم ناپسند و مکروہ جانے، اس کی امامت پر وعید وارد ہوئی۔ کما فی الحدیث:

ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة: من تقدم قوماً وهم له
 كارهون، ورجل أتى الصلاة دياراً والدبار أن يأتيها بعد أن
 تفوته، ورجل اعتبد محررة. (۱) كذا رواه أبو داود وابن
 ماجه، وأخرج ابن ماجه من حديث ابن عباس رضي الله
 عنهما مرفوعاً، ثلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رؤوسهم شبراً:
 رجل أم قوماً وهم له كارهون، وامرأة باتت وزوجها عليها
 ساجدة، وأخوان متصارمان. (۲)

[حدیث شریف میں ہے کہ تین لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی نماز قبول نہیں کرتا ہے۔ (۱) وہ شخص جو قوم کی امامت کے لیے آگے بڑھ جائے حالانکہ وہ لوگ اس کی امامت کو ناپسند کرتے ہوں (۲) دوسرا وہ شخص ہے جو نماز میں دیر سے آئے، اور دبا کا معنی یہ ہے کہ نماز فوت ہو جانے کے بعد نماز پڑھے یا قضاء کر دے (۳) اور

(۱) سنن أبی داؤد، أول كتاب الصلوة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، رقم: ۵۹۳۔ دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض. سنن ابن ماجه، أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب من أم قوماً وهم له كارهون، کے الفاظ یہ ہیں: ثلاثة لا تقبل لهم صلاة: الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، والرجل لا يأتي الصلاة إلا دياراً - یعنی بعد ما يفوته الوقت - ومن اعتبد محرراً، رقم: ۹۷۰۔ دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض
 (۲) سنن ابن ماجه، أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب من أم قوماً وهم له كارهون، رقم: ۹۷۱۔ دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض

ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد کو غلام بنائے۔ اسی طرح ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ تین لوگ ایسے ہیں، جن کی نمازیں ان کے سروں پر سے ایک بالشت اوپر بھی نہیں جاتی ہیں۔ (۱) ایک وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرے اس حال میں کہ لوگ اس کی امامت کو پسند نہیں کرتے (۲) ایک وہ عورت جس نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو (۳) اور وہ ایسے بھائی جو آپس میں لڑیں۔

وعید عدم مقبولیت اس کی نماز کی جس سے قوم امامت میں مکروہ جائیں (اور) جس نے اپنے شوق سے امامت کی واسطے تفریق جماعت کی، خطاء تفریق طرف اس کی عائد (اور) جو مسجد بقصد تفریق جماعت مسجد قدیم بنوائی جاوے، وہ حکم میں مسجد ضرار کے ہوگی۔ جیسا کہ تفسیر کشاف ومدارک میں مرقوم ہے:

قیل: کل مسجد بنی مباہاة أو ریاء و سمعة أو لغرض سوی ابتغاء وجه اللہ أو بمال غیر طیب فهو لاحق بمسجد الضرار. (۱) انتہی.

اور تفسیر کشاف میں [ہے]:

عن عطاء لما فتح اللہ تعالیٰ الأمصار علی یدی عمر رضی اللہ عنہ أمر المسلمین أن یبنوا المساجد، وأن لا یتخذوا مسجدين یضار أحدهما صاحبه. (۲) انتہی.

(۱) الکشاف للزمخشري، ۲/۲۹۵، دار احیاء التراث العربی بیروت، تحقیق: عبد

الرزاق المہدی، مدارک التنزیل للنسفی، ۲/۱۲۷، دار النفائس بیروت

(۲) الکشاف للزمخشري، ۲/۲۹۵، دار احیاء التراث العربی بیروت، تحقیق: عبد

(اور) صاحب تفسیر احمدی نے کہا:

فالعجب من المشائخ المتعصبين في زماننا ينون في كل ناحية مسجداً طلباً للاسم والرسم واستعلاءً لشانهم واقتداءً بآبائهم ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم. (۱) انتہی۔

[کہا گیا ہے کہ ہر وہ مسجد جو فخر و مباہاتہ کے لیے یاریاء و ثمود یا رضائے الہی کے حصول کے سوا کسی اور غرض کے لیے یا مال غیر طیب (حرام و ناجائز) سے بنائی جائے تو وہ مسجد ضرار سے (حکماً) ملتی ہے۔

حضرت عطاء سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر ملکوں اور شہروں کی فتح عطا فرمائی تو آپؓ نے مسلمانوں کو مساجد کی تعمیر کا حکم فرمایا، اور دو مسجدیں ایسی بنانے سے منع کیا کہ ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے سے تکلیف پہنچے۔ صاحب تفسیر احمدی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے متعصب صوفیہ سے تعجب کی بات ہے کہ وہ نام و ثمود، اور اپنی شان کی بلندی ظاہر کرنے یا اپنے آباء کی اقتداء میں ہر جگہ مسجد تعمیر کرتے ہیں، اور اس آیت کریمہ اور اس قصہ میں اپنی بری حالت اور سوء اعمال کے متعلق غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔]

والله عليم بذات الصدور واليه البدء والنشور وعلمه أحكم وأتم وعنده أم الكتاب والزبور، حرره الراجی عفوره المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين.

(۱) تفسیرات آیات الأحكام للإمام العلامة أحمد الشهير بملا جيون الأميتھوي:

۳۱۲، اشرفی بک ڈپو دیوبند، بلاسہ

مقلدین اور غیر مقلدین کا ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا؟
سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین [کہ] غیر مقلدین کو،
پیچھے مقلدین کے اور مقلدین کو پیچھے غیر مقلدین کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر
جائز نہیں ہے، تو اس کی دلیل کیا ہے؟ (اور) بروقت جواز کیا دلیل ہے؟ (اور) اس
صورت میں عدم جواز پر فتویٰ دینے والے کے بارے میں از روئے شرع شریف کے،
کیا حکم ہے؟ بینوا بالکتاب [و السنة] و توجروا بالصواب، فقط۔

هو الملهم للحق والصواب

جواب: ہر ایک مقلد و غیر مقلد سے، مقتدی و مقتدی ہونا (اور) ایک دوسرے کی
اقتداء کرنا درست و جائز (اور) ثابت [ہے]۔ (اور) چاہد و چاہد بناء تعصب سے
خالی نہیں، یا مأخذ و اصل مدعا سے واقف نہیں یا آیت و سنت سے استدلال کرنے کو
عرفان نہیں بلکہ عاری [ہے]۔ (اور) انصاف جاری نہیں (اور) انصاف ساری
[ہے] الا ما شاء اللہ، فہو علی نور و کتاب من ربہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ”غایۃ [الانصاف] فی بیان
أسباب الاختلاف“ میں فرماتے ہیں:

و كان السلف لا يختلفون في أصل المشروعية، و انما
كان خلافهم في أولى الأمور، و نظيره اختلاف القراءة،
وقد عللوا كثيراً من هذا الباب، بأن الصحابة مختلفون،
وانهم جميعاً على الهدى. ولذلك لم يزل العلماء يجوزون
فتاوى المفتين في المسائل الاجتهادية، و يسلمون قضاء
القضاة، و يعملون في بعض الأحيان بخلاف مذهبهم، ولا
ترى أئمة المذاهب في هذه المواضع الا وهم يصححون
القول، و يبينون الخلاف، يقول أحدهم: هذا أحوط، و هذا

هو المختار، وهذا أحبّ إليّ، ويقول: ما بلغنا الا ذلك، وهذا كثير في المبسوط، وآثار محمد و كلام الشافعي. ثم خلف من بعدهم قوم اختصروا كلام القوم، ففقّوا الخلاف، وثبتوا على مختار أئمتهم، والذي يروى من السلف من تأكيد الأخذ بمذهب أصحابهم، وأن لا يخرج بحال، فان ذلك أمراً جليّ، فان كل انسان يحب ما هو مختار أصحابه و قومه، حتى في الزي والمطاعم أو لصولة ناشئة من ملاحظة الدليل أو لنحو ذلك من الأسباب، فظن البعض تعصباً دينياً، حاشاهم من ذلك.

وقد كان في الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يقرأ البسملة، ومنهم من لا يقرأها، ومنهم من يجهر بها، ومنهم من لا يجهر بها، وكان منهم من يقنت في الفجر، ومنهم من لا يقنت في الفجر، ومنهم من يتوضأ من الحمامة والرعاف والقيء، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ ممّا مست النار، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ من أكل الابل، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك.

ومع هذا فكان بعضهم يصلي خلف بعض، مثل ما كان أبو حنيفة أو أصحابه، والشافعي وغيرهم رضي الله عنهم يصلون خلف أئمة المدينة من المالكية وغيرهم، وان كانوا لا يقرؤون البسملة، لا سرّاً ولا جهرّاً.

وصلی الرشید اماماً وقد احتجم، فصلی الامام أبو یوسف خلفه ولم يعد. وكان أفتاه الامام مالك بأنه لا وضوء عليه۔ وكان الامام أحمد بن حنبل يرى الوضوء من الرعاف والحجامة، قيل له: فان كان الامام قد خرج منه الدم، ولم يتوضأ، هل تصلى خلفه؟ فقال: كيف لا أصلى خلف الامام مالك و سعيد بن المسيب؟

وروي أن أبا یوسف و محمداً كانا يكبران تكبير ابن عباس، لأن هارون الرشيد كان يحب تكبير جدّه. وصلی الشافعي رحمه الله الصبح قريباً من مقبرة أبي حنيفة رحمه الله، فلم يقنت تأدباً معه، وقال أيضاً: ربما انحدرنا الى مذهب أهل العراق. وقال المالک رحمه الله للمنصور و هارون الرشيد ما ذكرنا عنه سابقاً.

وفي البزازية عن الامام الثاني وهو أبو یوسف رحمه الله أنه صلى يوم الجمعة مغتسلاً من الحمام، وصلی بالناس وتفرقوا، ثم أخبر بوجود قارة ميتة في بحر الحمام، فقال: اذا نأخذ بقول اخواننا من أهل المدينة، اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل نجباً. انتهى. (۱)

(ترجمہ: اور سلف کا اصل مشروعیت اور جواز میں اختلاف نہیں تھا، ان کا اختلاف صرف اسی میں تھا کہ ان دونوں امر [معاملہ] میں سے اولیٰ کیا ہے؟ اور وجوہ قرأت میں قاریوں کا مختلف ہونا بھی اسی کے

(۱) حجة الله البالغة، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها: ۳۵۹/۱، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند، دار المعرفة ۳۶۱-۳۶۰/۱ تحقیق: محمد طعما حلبی، الطبعة الثانية ۱۴۲۵/۱۴۰۰م

مثل ہے، اور اس قسم کے اکثر امور پر وہ یہی دلیل لائے ہیں کہ صحابہ کا باہم اختلاف تھا، اور وہ سب کے سب راہ راست پر تھے، اور اسی سبب سے اجتہادی مسئلوں میں مفتیوں کے فتوؤں کو علماء نے ہمیشہ جائز رکھا ہے، اور قاضیوں کا حکم تسلیم کیا اور کبھی اپنے کے خلاف بھی وہ عمل کرتے تھے، اور ایسے مقامات میں تو مذاہب کے ائمہ کو اس کے سوا نہیں دیکھتا کہ وہ قول میں نرمی کرتے ہیں، [اقوال کی اصلاح کرتے ہیں] اور خلاف [اختلاف] کو بیان کرتے ہیں، کوئی اس میں اس طرح کہتا ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے اور یہ بہتر ہے اور یہ مجھے بہت پسند ہے، اور کوئی اس طرح کہتا ہے کہ مجھے یہی پہنچا ہے، اور مبسوط [امام سرخسی]، آثار [امام] محمد اور کلام [امام] شافعی میں اس قسم کے قول بہت سے ہیں۔

جو لوگ کہ ان کے پیچھے [بعد میں] ہوئے [آئے] انہوں نے قوم [ائمہ سلف] کے کلام کو مختصر کیا اور خلاف [اختلاف] کو قوی [مضبوط کر کے پیش] کر دیا اور ائمہ کی رائے پر اڑ گئے اور سلف سے جو تاکید منقول ہے کہ انہیں کے مذاہب کو اختیار کریں اور کسی [بھی مسلک کے] حاطین اس سے خارج نہ ہوں، تو اس کا سبب یا تو امر جلی [طبیعی معاملہ] ہے کہ ہر ایک انسان اپنے اصحاب اور قوم کی رائے پسند کرتا ہے یہاں تک کہ پوشش و خورش میں بھی، یا صولت ہے [جو] دلیل کے دیکھنے سے پیدا ہوئی ہے، یا اسی قسم کی اور سبب ہیں۔ پس بعض نے اس کو تعصب اور گمراہی گمان کیا، وہ لوگ اس سے بہت دور ہیں۔

اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین میں سے بعض لوگ بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے، اور بعض بسم اللہ کو پکار کر کہتے تھے اور

بعض پکار کر نہیں کہتے تھے، اور بعض صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے، اور پچھنا لگانے اور نکسیر [اور تے] سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے، [اور بعض لوگ آلہ تاسل کے چھونے، اور عورتوں کو شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو کرتے تھے، اور بعض لوگ نہیں کرتے تھے، بعض لوگ "مما مست النار" (جس کو آگ چھولے) سے کرتے تھے، اور بعض نہیں کرتے تھے، بعض لوگ اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے، اور بعض نہیں کرتے تھے] اور باوجود اس کے، وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اور جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد اور [امام] شافعیؒ وغیرہ مدینہ کے مالکی اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اگرچہ وہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، نہ آہستہ، نہ پکار کر۔

اور ہارون رشید نے پچھنا لگا کر نماز پڑھائی اور امام ابو یوسفؒ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور اعادہ نہیں کیا۔ اور امام مالکؒ نے ہارون رشید کو یہ فتویٰ دیا تھا کہ پچھنا لگانے سے وضو نہیں جاتا۔

اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ تھی کہ پچھنا لگانے اور نکسیر [پھونسنے] سے وضو کرنا چاہیے، کسی نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ اگر امام [کو] خون نکل آوے اور وضو نہ کرے، تو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے؟ امام احمدؒ نے کہا: امام مالکؒ اور [امام] سعید بن مسیبؒ کے پیچھے میں کس طرح نماز نہیں پڑھنے کا ہوں؟ اور یہ روایت ہے کہ [امام] ابو یوسفؒ اور [امام] محمد بن حمید بن میں [حضرت] ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سی تکبیر، اس سبب سے کہتے تھے کہ ہارون رشید اپنے دادا کی تکبیر کو پسند کرتا تھا۔ اور امام شافعیؒ نے صبح کی نماز [امام] ابو حنیفہؒ کے مقبرہ

کے قریب پڑھی، پس ان کے ادب سے قنوت نہیں پڑھی اور یہ بھی کہا کہ ہم کبھی اہل عراق کے مذہب کی طرف اترتے ہیں اور اسے اختیار کرتے ہیں اور امام مالکؒ نے [خلیفہ] منصور [اور، خلیفہ] ہارون سے وہ کہا کہ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے۔

بزاز یہ میں دوسرے امام سے (وہ [امام] ابو یوسفؒ ہیں) یہ روایت ہے کہ [امام] ابو یوسفؒ نے حمام سے غسل کر کے جمعہ کی نماز لوگوں کو پڑھائی، اور وہ لوگ متفرق ہو گئے پھر [امام] ابو یوسفؒ کو یہ خبر ہوئی کہ حمام کے کنویں میں مرا ہوا چوہا ہے، [امام] ابو یوسفؒ نے کہا: اس وقت ہم اپنے مدینہ والے بھائیوں کے قول پر عمل کر لیں گے، جس وقت کہ پانی قلتین ہو، تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ [فتاویٰ] بزاز یہ کی عبارت ختم ہوئی۔

اور عبارت انصاف بعینہ ”حجة الله البالغة“ میں بھی موجود ہے جو مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز [میں] سے بھی ہے ”من شاء التفصیل فلیرجع الیہ“ (۱) [جو تفصیل خواہ ہو اصل کتاب کی طرف رجوع کرے]۔ (اور) جبکہ مقلد و غیر مقلدین [میں] شعائر دین و خواص اسلام کے، شرائط اس کے، [میں] سے پائے جاویں، تب [بھی] آپس میں تنا کر و بنا غرض منہی عنہا کیسا؟ بلکہ اخوت اسلام

”و کونوا عباد الله اخوانا“ (۲)

(۱) حجة الله البالغة، باب حکایة أهل الناس قبل المائة الرابعة وبعدها:

۱/۳۴۶-۳۶۶، دار المعرفة، تحقیق: محمد طعمة حلی: ۱/۱۵۲-۱۶۳، کتب خاله

رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند

(۲) صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ما ینہی عن التحاسد والتدابیر، رقم

الحديث: ۶۰۶۶۶۰۶۵۶۰۶۴

[اللہ کے بندوں! آپس میں بھائی ہو جاؤ]
 کی راہ [کو اپنا] کرا اتحاد و اتفاق [کرنا] لازمی و حتمی [ہے] (اور) دلیل اسلامی،
 امور بالائی، یہ ہے:

”عن أنس بن مالك قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاتنا، واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا، فذلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله، فلا تخفروا الله في ذمته. انتهى. هكذا رواه البخاري في صحيحه. (۱)
 [ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے، اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، ہمارے ذبیحہ کو کھائے، تو وہ ایسا مسلم ہے، جس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد حاصل ہے، پس تم اس کے حق میں اللہ کے ذمہ اور عہد کو نہ توڑو“ حدیث پوری ہوئی، اسی طرح امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔]

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، واليه المرجع والمآب فقط،
 حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن
 ذنبه الخفي والمبين.

ناپسندیدہ امام کی امامت؟

سوال: [شریعت کا کیا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ] جامع مسجد قدیم کا جو کہ امام ہے، اس سے کل جماعت متفق الراي ناخوش ہے، ان کو امامت سے باز رکھتے ہیں، تو امام صاحب باز نہیں آتے، بلکہ آمادہ فساد پر ہیں، کل جماعت جامع مسجد جدید پر نماز پڑھنے لگے، اس صورت میں کل جماعت مقتدی خلاف پر ہیں؟ یا امام صاحب؟ چونکہ

امام صاحب کے عقائد خلاف اہل اسلام پائے جاتے ہیں۔ لہذا ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ موافق آیات و حدیث کے، تحریر فرمائیں۔ اجر بے حساب پائیں۔

هو المصوب

جواب: اگر درحقیقت ساری جماعت ناخوش ہے امامت سے باعتبار خلاف عقائد اہل سنت والجماعت کے، تو ایسے کو امامت سے باز رہنا چاہیے، کہ وعید شدید ”امام قوم و ہم لہ کارہون“ (۱) پر وارد ہوئی ہے۔

واللہ علیم بذات الصدور، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد امین
حسنی الحسینی عفا اللہ عنہ ذنوبہ ومحا اللہ عنہ عیوبہ

بدعقیدہ شخص کے متعین کئے ہوئے امام کی امامت؟

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم، چہ می فرمائید مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ در جامع مسجد وعید گاہ قصبہ کشتی ہم مثل قصبات دیگر یہ دستور تھا کہ باسترضائے رؤساء و سکناء قصبہ و قریات از خاندان قاضی و مفتی و خطیب و چودھری و متولی، بعد زوال سلطنت دہلی حسب مناصب جس کو بہتر تصور کیا، باقتداء امامت اور نماز جمعہ وعیدین ادا کیا، بخلاف آن از عرصہ چند، بابوا عظیم علی خان تعلقہ دار دیوگاؤں کہ مذہب امامیہ ہیں بزور حکومت صرف بنظر شکست دادن نام و نشان، عہدہ و قضاء وغیرہ، (اور) استعماری سلسلہ حکمرانی عملداری خود کہ عرصہ چند سے ریاست وہی قصبہ مذکور پر یہی قابض ہیں (اور) یا براہ حکمت عملی جو کچھ کہ بخیاں مصلحت وقت و بہبود مذہبی تصور کیا

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی الامام یوم القوم و ہم لہ کارہون، رقم: ۴۱۳۲، ۴۱۳۳، ۴۱۳۴، ۴۱۳۵، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراتشی پاکستان، سن ابن ماجہ، أبواب اقامة الصلوات والسنة فیہا، باب من أم قوماً و ہم لہ کارہون، رقم: ۹۷۰، ۹۷۱، دار السلام، الرياض. صحیح ابن حبان، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ذکر نفي قبول الصلاة من أقوام بأعيانهم من أجل أوصاف ارتكبوها، رقم: ۱۷۵۷، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۰۸-۱۹۹۸ م، الطبعة الأولى

ہو، ایک امام بالمشاہرہ از جانب خود بالخصوص بنا بر نماز جمعہ وعیدین مقرر رکھا ہے۔
الغرض نماز جمعہ وعیدین، اہل تشنن [کی] باقتداء اسی امامت امام مقرر کردہ تعلقہ
دار مذکور الصدر درست ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ بذریعہ خوش آمد نماز جمعہ وعیدین
باقتداء اسی امامت اسی امام کے ادا کریں، ان کو کیا تصور کرنا چاہیے؟ بینوا تو جروا۔
(مرسلہ: خواجہ محمد فاروق احمد صاحب از قصبہ کشنی تحصیل مسافر خانہ ضلع سلطان پور)

الجواب وهو الموفق للصدق والصواب

جواب: درست ہے۔ بشرطیکہ امام مقرر کردہ اہل تشنن سے ہے (اور) مظنہ تقیہ
کرنے کا اس کی طرف عائد نہیں، باوجودیکہ اجرت بر امامت بہ حیلہ شرعیہ فقہیہ وجہ
توجیہ درجہ اجازت و اباحت، الا جالی از فیہ مافیہ نہیں۔ مگر بنظر حدیث:

”صلوا خلف برو فاجر“ (۱)

[ہر نیک اور فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھو]

جو نماز پڑھ لینے پر ولایت کرتی ہے، اگر امام فاجر بھی ہو، باقی امام متقی و پرہیزگار
(اور) قوم امامت اس کی سے راضی (اور) بمرضی الہی سنت و الجماعت متعین ہو۔ ہونا

چاہیے خدا پرست، نہ [کہ] ہوا پرست۔ کما فی تنویر الأبصار وفی شرحہ:

ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة ثم الأروع أى الأكثر

اتقاءً للشبهات، والتقوى: اتقاء المحرمات. (۲) انتہی۔

[تنویر الابصار اور اس کی شرح میں ہے: پھر جو تلاوت و قرأت کے

(۱) سنن دار القطنی، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، رقم:

۱۰، (۵۷/۲) عالم الکتب بیروت، الطبعة الثالثة، ۱۳۴۱ھ - ۱۹۹۳م، نصب الراية

تخریج احادیث الهدایة للزلیعی، کتاب الصلاة، باب الامامة ۲/۲۹، دار الایمان

سہارن فور، الطبعة الأولى، ۱۴۲۷ھ - ۲۰۰۶م

(۲) الدر المختار شرح تنویر الأبصار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة،

۲/۲۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م الطبعة الثانية

الحفاظ سے اچھا ہو، پھر اروع ہو یعنی شہادت سے بہت نیچے والا ہو، اور
تقویٰ حرام شیزوں سے بچنا ہے۔]

در صورت تعذر اجازت امام اسلام، بوجہ فقدان حکومت اسلام، ویار و امصار اپنے
سے نا اتفاق باہمی ایک کو امام مقرر کر کے جمعہ و عیدین ادا کرنا [چاہیے]۔ کما فی رد
المحتار:

لو مات الوالی أو لم يحضر لفتنة أولم يوجد ممن له حق
التقدم فی اقامة الجمعة نصب العامة لهم خطيباً للضرورة
مع أنه لا أمير ولا قاضي ثمة [أصلاً]۔ (۱) انتہی۔
اور [یہ] بھی اسی میں ہے:

ویصیر القاضي قاضياً بتراضی المسلمین۔ (۲) انتہی۔
[رد المحتار میں ہے کہ اگر والی مر جائے، یا کسی فتنہ کی وجہ سے حاضر نہ
ہو، یا ان میں سے کوئی ایسا شخص بھی نہ پایا جائے جس کو قیام جمعہ کے
لیے حق تقدم حاصل ہے، تو لوگ ضرورتاً اپنے لیے کوئی خطیب متعین
کریں، باوجود اس کے کہ اصلاً نہ کوئی امیر ہے اور نہ کوئی قاضی۔ اور
قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہو جاتا ہے۔]
فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

لو تعذر الاستئذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل
یصلی بهم الجمعة جاز، کذا فی التہذیب۔ (۳)

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة، ۲/۲۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت،

۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م الطبعة الثانية

(۲) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۳/۱۴، دار الکتب

العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م الطبعة الثانية

(۳) الفتاویٰ الہندیہ مع البزازیة والخانیة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی

صلاة الجمعة، ۱/۱۴۶، مکتبہ زکریا دیوبند، غیر مؤرخ

اور [یہ] بھی اسی میں ہے:

بلاد علیہا ولایة کفار یحوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر
القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین. وکذا فی معراج
الدرایة. (۱) انتہی.

وفی مجمع الفتاوی: غلب علی المسلمین ولایة الکفار
یحوز للمسلمین اقامة الجمع والأعیاد. (۲) انتہی.

[فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر امام وقت سے اجازت لینا مشکل
ہو، تو لوگ ایک ایسے شخص پر متفق ہو جائیں جو جمعہ میں ان کو نماز
پڑھائے، تو ایسا کرنا جائز ہے۔ ایسے ملک و شہر جہاں پر کافر حکمران
ہوں تو مسلمانوں کے لیے جمعہ کو قائم کرنا جائز ہے اور قاضی
مسلمانوں کی آپسی رضامندی سے قاضی ہو جائے گا۔ اسی طرح سے
معراج الدرایہ میں لکھا ہے۔ اور مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ مسلمانوں پر
کافر حکمران غالب ہوں تو اہل اسلام کے لیے جمعے اور عیدین کا قائم
کرنا جائز ہے۔]

واللہ أعلم، وعلمہ اتم وأحکم، حرّره الراجی عفو ربہ المتین محمد
أمین حسنی الحسینی، تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی و المبین.

جمعہ فی القرئی (۳)

سوال: جمعہ چھوٹے گاؤں میں ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں پڑھے تو گنہگار

(۱) الفتاویٰ الہندیہ مع البزازیة والخانیة، تاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة
الجمعة، ۱/ ۱۴۶، مکتبۃ زکریا دیوبند، غیر مؤرخ

(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلاة، باب
الجمعة، ۵۰۷/۵، اکادمیۃ شیخ الہند، دیوبند، الطبعة الأولى، ۱۴۲۸ھ - ۲۰۰۷م

(۳) جمعہ فی القرئی کا مسئلہ مسالک کے مابین ایک اہم اور..... باقی اگلے صفحہ پر.....

ہوگا یا نہیں؟ اور آپ [صلی اللہ علیہ وسلم] کے زمانہ یا صحابہ [رضی اللہ عنہم اجمعین] کے زمانہ میں جمعہ چھوٹی بستیوں میں تھا یا نہیں؟ قرآن کی آیت سے فرضیت جمعہ کی ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جمعہ پہلے کہاں فرض ہوا تھا؟ امید ہے کہ آنحضرت سے پوری طمانیت حاصل ہوگی۔

(کمترین محمد شمس الحق از کجراکول، ۲۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ ہجری)

هو المصوب والموفق

جواب: نماز جمعہ مثل نماز پنجگانہ کے فرض ہے، جو شرطیں ان میں ہیں، وہ اس میں ہے، فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے، شہر ہو یا دیہات ہر جگہ بلا شرط شہر و بادشاہ یا اس کے نائب کے، صحیح ہے۔

..... باقی حاشیہ..... بڑا معرکہ الآراء مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں علمائے احناف کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ فی القرئی درست نہیں ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن محمد امین محدث نصیر آبادیؒ جمعہ فی القرئی کے قولاً وفعلاً عامل تھے، اور جہاں حضرت محدث نصیر آبادیؒ نے جمعہ فی القرئی قائم فرمایا ہے آج تک ان مقامات میں جمعہ کی نمازیں پابندی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ نیز اس سلسلہ میں حنفی مسلک اور نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر چیز کے کچھ اصول اور ضوابط ہوتے ہیں، اگر یہ اصول پائے جائیں تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ عمل کرنا ضروری نہیں ہے، اور وہ تمام شرطیں جمعہ فی القرئی میں جمع نہیں ہیں اس لیے علمائے احناف نے جمعی فی القرئی سے منع کیا ہے۔ حنفی نقطہ نظر کی تحقیق و تفہیم میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اردو میں تحقیق و تفہیم اور تفصیلات کے لیے قطب الارشاد مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ اور امام الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے رسائل و کتب کا مطالعہ مفید ہے، حضرت گنگوہیؒ نے ”اثوثی العری فی تحقیق الجمعة فی القرئی“ اور شیخ الہندؒ نے ”احسن العری فی توضیح اثوثی العری“ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”التحقیق فی اشتراط المصر للجمیع“ نام سے قیمتی رسالہ تحریر فرمایا۔ راقم سطور کی رائے ہے کہ جمعہ فی القرئی کے مسئلہ میں قصبہ اور بڑے گاؤں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بالاتفاق جائز ہے، چھوٹے گاؤں کی دو قسمیں کر لی جائیں تو بہتر طریقہ سے مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے تاکہ امت ایک نقطہ اتحاد پر آ سکے، ایک قریہ صغیرہ اور دوسرا قریہ صغریٰ، اور قریہ صغیرہ میں جمعہ فی القرئی کی اجازت دی جائے۔ اور جن گاؤں میں جمعہ فی القرئی پہلے سے قائم ہے وہاں سے ختم نہ کیا جائے، استعمال الناس حجة یجب علیہا العمل کو سامنے رکھتے ہوئے اس کوئی حالہ باقی رکھا جائے۔

امام بخاریؒ نے ”باب الجمعة فی القرئ والمدن“ میں روایت کی ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنهما [أنه] قال: ان أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه

وسلم في مسجد عبد القيس بجوآثي من البحرين (۱)

[مسجد نبوی ﷺ میں جو جمعہ ادا کیا گیا تھا اس کے بعد سب سے پہلا

جمعہ جوآثی کی مسجد عبد القیس میں پڑھا گیا جو بحرین میں ہے۔]

اور اسی طرح امام ابو داؤدؒ نے روایت کی ہے، اور ان کی روایت میں لفظ ”جوآثاء

قرية من قرى البحرين“ (۲) کا [اضافہ] ہے، پھر امام بخاریؒ نے روایت کی ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى

الله عليه وسلم يقول: كلُّكم راع، وزاد الليث: قال يونس:

وكتب رزيق بن حكيم الى ابن شهاب وأنا معه يومئذ بوادي

القرئ، هل ترى أن أجمع؟ ورزيق عامِلٌ على أرض يعملها

وفيها جماعة من السودان وغيرهم، ورزيق [يومئذ] على أئله،

فكتب ابن شهاب وأنا أسمع، يأمره أن يجمع..... الخ. (۳)

[حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کے

رسول ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر کوئی نگران ہے، لیث

نے اس میں اضافہ کیا کہ یونس نے کہا کہ میں ان دنوں وادی القرئ

میں ابن شہابؒ کے ساتھ تھا، رزیق بن حکیم نے ابن شہابؒ کو لکھا کہ

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرئ والمدن، رقم: ۸۹۲،

دار السلام الرياض

(۲) سنن أبي داؤد، أبواب الجمعة، باب الجمعة في القرئ، رقم: ۱۰۶۸، دار السلام الرياض

(۳) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرئ والمدن، رقم: ۸۹۳،

دار السلام الرياض

آپ کی کیا رائے ہے اگر میں یہاں نماز جمعہ قائم کروں، اور رزق ایک ایسی زمین کے حامل تھے جس کی وہ کاشت کرتے تھے، وہاں پر اس وقت حبشی اور دیگر لوگ تھے، رزق ایلہ کے حاکم تھے، ابن شہابؒ نے لکھا اس حال میں کہ میں سن رہا تھا کہ وہ ان کو حکم دے رہے تھے کہ جمعہ قائم کرو..... الخ۔]

حاصل ان حدیثوں کا [یہ ہے] کہ جو اُٹھی میں کہ وہ ایک گاؤں ہے بحرین سے، صحابہؓ نے وہاں نماز جمعہ پڑھی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، اور تابعیوں نے بھی، اور ان کے زمانہ میں برابر جاری رہی، اور بعض نے جو قریہ کو معنی میں شہر کے لئے کہ جو اُٹھی کو شہر لکھا ہے، قول مردود ہے۔ کیونکہ جب امام بخاریؒ اور ابو داؤد نے [جو] کہ مقدم اور افضل ہیں اور بعد ان کے اکابر محدثین نے بھی جو اُٹھی کو دیہات ہی لکھا ہے، پھر متاخرین کے اقوال ان اکابر دین کے مقابل میں کب ہو سکتے ہیں؟ اور اگر متاخرین کے اقوال صحیح مان لیے جاویں، تو بھی کچھ خرابی نہیں، مطابقت متقدمین اور متاخرین کے اقوال میں یوں ہوگی کہ جو اُٹھی زمانہ قدیم صحابہ میں ایک چھوٹی بستی ہو، پھر تھوڑے دنوں کے بعد بڑھتے بڑھتے ایک شہر ہو گیا ہو، اسی ہندوستان میں دیکھو کہ زمانہ قدیم میں جو بعض بعض بستیاں تھیں اب وہ شہر ہیں، کچھ جائے تعجب نہیں ہے۔

اور ”مصنف ابن شیبہ“ میں ایک روایت آئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ [نے] طرف بحرین کی لکھ بھیجا کہ جمعہ ادا کیا کرو جس جگہ کے ہو۔ (۱) اور اس کی [محدث] ابن خزیمہؒ نے تصحیح کی، اور لفظ ”جس جگہ“ شامل ہے شہر اور دیہات دونوں کو۔ (۲)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجمعة، من کان یری الجمعة فی القرئ وغیرہا، رقم: ۵۱۰۸، تحقیق و تخریج: الشیخ محمد محمد عوامہ حفظہ اللہ، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراتشی، الطبعة الثانية، ۵۱۴۲۸-۲۰۰۷ م

(۲) عون المعبود شرح ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب الجمعة فی القرئ والمدن ۳/

اور [امام] بیہقی نے [حضرت] لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ اہل مصر و سواہل حضرت عمر [بن الخطاب] و حضرت عثمان [بن عفان] رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں، ان کے حکم سے جمعہ ادا کرتے تھے، اور ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی۔ (۱) اور اس مضمون کی حدیث بہت آئیں بخیال طول نہیں لکھی جاتی۔

اور وہ جو صاحب ہدایہ نے لکھا ہے: کہ صحیح نہیں ہے جمعہ مگر مصر جامع یعنی شہر میں یا مصلیٰ میں اس کے، اور نہیں جائز ہے دیہات میں بسبب اس حدیث کے کہ نہیں جائز ہے جمعہ اور تشریق اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ مگر مصر جامع میں، اور مصر جامع وہ ہے جہاں کوئی حاکم ہو اور قاضی جو احکام جاری کرتا ہو اور قائم رکھتا ہو حدود۔ یہ روایت ہے [امام] ابو یوسفؒ سے اور انہی [امام ابو یوسفؒ ہی مراد ہیں] سے دوسری روایت ہے کہ مصر جامع وہ جگہ ہے کہ اگر جمع ہوں وہاں کے رہنے والے اس کی بڑی مسجد میں تو ساتھ سکیں۔ اور پہلی روایت کو اختیار کیا ہے [امام] کرخیؒ نے اور دوسرے کو [امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوئی بغدادیؒ کے ایک شاگرد، امام ابو عبد اللہ محمد بن الشجاع ثلجیؒ نے (۲) یا وہ جو شیخ ابن الہمام "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں کہ جمعہ ایسی جگہ ہو جہاں گلیاں اور بازار ہوں، اور اس میں والی ہو کہ انصاف مظلوم کا کرتا ہو ظالم سے، اور ایک عالم ہو کہ حوادث میں ان کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ (۳)

(۱) التعلیق المغنی علی الدارقطنی، کتاب الصلاة، باب الجمعة فی القرئ ۹/۲، عالم الکتب بیروت، الطبعة الثالثة، ۵۱۴۱۳-۱۹۹۳ م، عون المعبود شرح ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب الجمعة فی القرئ والمدن ۲/۲۹۷، دار الفکر بیروت، ۵۱۴۱۵-۱۹۹۵ م، نیل الاوطار، کتاب الصلاة، أبواب الجمعة، باب انعقاد الجمعة بأربعین واقامتها فی القرئ أيضاً.

(۲) الہدایہ، کتاب الصلاة، باب الجمعة ۱/۳۷۱-۳۷۲، مکتبة البشیری کراچی، الطبعة الثانية ۵۱۴۲۸-۲۰۰۷ م

(۳) فتح القدیر للامام ابن الہمام الحنفی السکندری، کتاب الصلاة، باب الجمعة ۲/۵۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعة الثانية، ۲۰۰۹ م، تعلیق و تخریج: الشیخ

مخروح و مخدوش ہے قابل تسلیم نہیں کئی وجوہ سے:

[۱] ایک یہ کہ حدیث ”لا تشریق..... الخ“ موقوف و منقطع ہے، اور حدیث منقطع کسی کتاب کی معارض حدیث بخاری کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ معارضہ میں مساوات شرط ہے باتفاق جمہور محدثین۔

[۲] دوسری یہ کہ تفسیر مصر کی درست نہیں ہے، نہ موافق [ہے] کرنخی کے نہ ثلجی کے۔ چونکہ آنحضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کے مدینہ منورہ میں قبل تشریف آوری، [حضرت] اسعد بن زرارہؓ نے ساتھ اور صحابیوں کے بدون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جمعہ پڑھی۔ حالانکہ اس وقت حکومت آپ کی مدینہ میں نہ تھی اور نہ حدود و قصاص بالفعل جاری تھا، نہ قوت اس کی رکھتے تھے، مسلمان محض مغلوب تھے اور نہ وہاں کئی مسجدیں تھیں جو تفسیر ثعلبی کی صادق آوے جیسا کہ تفسیر نیشاپوری سے ظاہر ہوتا ہے، اور جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، نماز جمعہ کی پہلی مسجد بنی سالم کی بطن وادی میں پڑھی، اس وقت بھی وہاں تسلط کا نام نہ تھا جو احکام حدود و قصاص جاری کر سکیں اور نہ کئی مسجدیں تھیں جیسا کہ بحر الرائق و شنی شرح نقایہ اور محلی شرح موطا سے مستفاد ہوتا ہے، اور نہ تفسیر صاحب فتح القدیر کی صحیح ہے، کیونکہ زمانہ یزید شقی میں صحابہ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے، اور حالانکہ اس وقت انصاف کا نام نہ تھا، خون صحابہ بے دریغ ہوتا تھا، اور اقامت حدود کو کون پوچھتا ہے؟ اور جس زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے، حکومت اپنی رہائی کی قوت نہیں رکھتی تھی، کیسے اصحاب رضی اللہ عنہم نے نماز جمعہ پڑھی؟ اس طرح کی تقریر مولانا بحر العلوم [عبدالحی] لکھنویؒ نے تفصیل تمام ”ارکان اربعہ“ میں کی ہے، اور تفسیر مصر میں خوب جرح کیا ہے، جس کا جی چاہے ان کی ”ارکان“ میں دیکھ لے، یہاں اکثر روایتیں بوجہ طول ہو جانے فتویٰ کے نہیں لکھی گئیں۔

[۳] تیسری یہ کہ اس حدیث کو محمول اوپر ندب کے کرتا ہوں، یعنی بشرط بادشاہ اور مصر کی نماز جمعہ عمدہ اور مستحب ہوگی، نہ یہ کہ بغیر ان شرطوں کے نماز ہی نہیں ادا ہوگی،

جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے، ”مصفیٰ شرح موطا امام مالک“ میں فرماتے ہیں: پس نماز جمعہ دو رکعت است در وقت ظہر بجماعت عظیمہ از مسلمین در قریہ یا در شہر..... الخ۔ (۱)

اور دوبارہ شرط ہونے شاہ یا نائب کے اسی کتاب میں لکھتے ہیں: واما امامت خلیفہ یا نائب او پس امر مستمر بود و منشاء آں امر است بتقدیم والی در محل ولایت خویش پس مخصوص باشد، بحضور والی و بطریق استحباب باشد، چنانچہ تقدیم اقرابر علم و سائر نظائر و اثر حضرت علی اربع علی الامام محمول بزیادت تقدیم والی در محل ولایت خود است۔ (۲)

اور جناب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی اپنی کتاب ”فتح المنان فی تأیید مذهب النعمان“ میں ان شرطوں کو شروط اولیت سے لکھا ہے۔ (۳)

[۴] چوتھی یہ کہ اس حدیث پر عمل کیونکر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ مصر کی تفسیر میں اختلاف النکل میں نکالے جاتے ہیں، کوئی معنی ابھی تک متعین نہیں ہوا، اور وحی آسمانی آتی نہیں، شارع سے تفصیل و تعین اس کی پائی جاتی نہیں کہ کس کی تفسیر کو اس پر جانچ کر ترجیح دی جاوے، اور معمول بہا ہو سکے۔

(۱) المصفیٰ، کتاب الصلاة، باب التشدید علی من ترک الجمعة بغیر عذر: ۱/۳۰۰، رقم: ۳۷۷، ونقل الأستاذ السید سلمان الندوی المصفیٰ شرح الموطا من الفارسیة الی العربیة، وطبعه ونشره من المعهد العالی للدراسات الشرعیة بدار العلوم ندوة العلماء لکناؤ، فصلاة الجمعة رکعتان فی وقت الظہر بجماعة عظیمہ من المسلمین فی قریة أو مدینة

(۲) نفس المصدر السابق آنفاً ۱/۳۰۱-۳۰۲، وأما امامة الخلیفة أو من ینوب عنه، فاستمر علیہ العمل، والغرض منه تقدیم الوالی فی محل ولایتہ، فیختص بحضور الوالی علی طریق الاستحباب مثل تقدیم الأقرأ علی الأعلم، وسائر نظائر هذه المسئلة وأثر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ”أربع الی الامام“ فمحمول علی استحباب تقدیم الوالی فی محل ولایتہ

(۳) فتح المنان فی تأیید مذهب النعمان.....؟

پس یہ حدیث مضطرب بالمعنی ہوئی، تخصیص آیت اس اٹکل سے کیونکر ہو سکتی ہے، عمل تو دور رہا اور اگر یہی خود رائی ہے اور نصوص سے چشم پوشی ہے تو بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ معنی مصر کے گاؤں کے ہیں۔ کیونکہ دلیل نہ ان مفسرین مصر کے پاس [ہے]، نہ میرے پاس، رعایت لغت و عرف عام کی نہ انہوں نے کی، نہ میں نے کی، ان سے بھی اٹکل ہے، اور ہم سے بھی اٹکل ہے۔

[۵] پانچویں یہ کہ شرط ہونا بادشاہ یا نائب اس کا اور مصر کا، واسطے وجوب ادا کے ہی تسلیم بھی کر لیں تو بھی فرض نہ ہونا جمعہ کا غیر مصر میں یا وہاں جہاں بادشاہ یا نائب اس کا نہ ہو، لازم نہیں آتا بلکہ فرض ہی باقی رہتا ہے، کیونکہ کسی سے کئی شرطیں ادا کی فوت ہو جانے سے بسبب عذر کے باطل ہو جانا عین شی کا، کلیۃً لازم نہیں آتا بلکہ باندازہ عذر دیکھو؛ فرائض منجگانہ کے لیے طہارت و ستر عورت وغیرہ شرط ہیں مگر وقت عذر کے یہ شرطیں بلکہ اکثر ارکان نماز کے مثل قیام وغیرہ معذور سے ساقط ہیں، حالانکہ نماز اس سے ساقط نہیں ہوتی، ایسے ہی حال نماز جمعہ کا ہے کہ جہاں بادشاہ اور مصر نہ ہوں، مسلمان وہاں ان شرطوں سے معذور ہیں، مصر یا بادشاہ کہاں سے پیدا کریں؟ جیسے منگافلس لنگڑا کپڑا قیام کہاں سے لائے؟ لاحالہ یہی کہو گے کہ نماز پڑھ لے، ہاں جن شرطوں میں معذور نہیں ہیں، ان کی نہ کرنے سے نماز اس کی فاسد ہو جاوے گی، یہی کیفیت نماز جمعہ کی بھی ہے کہ جہاں بادشاہ ہو، وہاں نماز عمدہ، بغیر بادشاہ یا اس کے نائب کے درست نہ ہوگی، یا جو شخص مصر میں ہو، پھر خاص کر کسی گاؤں میں اسی مصر کے متصل نماز جمعہ پڑھے، [تو] صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کو قدرت تھی کہ بادشاہ یا اس کے نائب [کے] ساتھ ادا کر سکتا تھا، اور یہ شخص بھی نماز شہر میں ادا کر سکتا تھا، اور قصد اخلاف اس کے کیا۔

غرض ہماری اس تقریر سے یہ ہے کہ جہاں ان شرطوں کا وجود ہو، وہاں رعایت ان کی واجب ہو، ورنہ درست نہ ہو۔ اور جہاں ان شرطوں کا وجود نہیں نماز بلا رعایت ان کی صحیح ہوگی، مسلمان وہاں کے معذور ہوئے، اور معذور پر تکلیف بالا اطلاق یعنی تکلیف اس کی جس پر قادر

نہیں، شارع نے نہیں دی باتفاق جمہور مسلمین۔ اور میری اس تقریر کی تائید کرتی ہے، تحریر محققین حنفیہ کی بھی۔ گو ظاہر میں عنوان بیان اور ہے، مگر معنوں اور مال موافق میرے ہے۔
[فتاویٰ] عالمگیریہ میں لکھا ہے:

لو تعذر الاستئذان من الامام فاجتمع الناس على رجل

يصلى بهم الجمعة جاز. كذا في التهذيب. (۱)

(ترجمہ: جب معذور ہوں مسلمان اذن لینے میں امام وقت سے، پس مجتہد ہوں مسلمان، اور کسی شخص کو امام بنا دیں، وہ امام سمجھوں گے ساتھ نماز جمعہ پڑھاوے تو جائز ہے)۔

اور پھر عالمگیری میں لکھا ہے:

بلاد عليها ولاية كفار، يجوز للمسلمين اقامة الجمعة

ويصير القاضي قاضياً لتراضي المسلمين، ويجب عليهم أن

يلتمسوا والياً مسلماً. كذا في معراج الدراية. (۲)

(ترجمہ: ایسے بلاد ہوں، جہاں حاکم کافر ہوں تو جائز ہے مسلمانوں کو کہ پڑھیں وہاں نماز جمعہ، اور ہوئے قاضی قاضی واسطے راضی ہونے مسلمانوں کے، اور چاہیے ان کو کہ تلاش [کریں] حاکم مسلمان کو)۔

اور ”رد المحتار“ میں لکھا ہے:

ولذا لو مات الوالي أو لم يحضر لفتنة أولم يوجد ممن له

حق اقامة الجمعة، نصب العامة لهم خطيباً للضرورة. كما

سيأتي مع أنه لا أمير ولا قاضي ثمة. (۳)

(۱) الفتاوى الهندية مع البزازية والخانية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في

صلاة الجمعة: ۱/۱۴۶، مكتبة زكريا ديوبند بدون تاريخ الطباعة والنشر

(۲) نفس المصدر السابق آنفاً

(۳) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة ۶/۳، دار الكتب

العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م

(ترجمہ: اور اسی لیے اگر مر گیا ہو حاکم یا نہ حاضر ہوا بسبب کسی فساد کے (اور) نہ پایا وہ شخص جس کے واسطے حق اقامت امامت ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ آپس میں مشورہ کر کے کسی کو خطیب مقرر کریں بسبب ضرورت کے، حالانکہ نہیں ہے اس جگہ امیر نہ قاضی)۔

اب دیکھئے کہ یہ عبارتیں صاف کہہ دیتی ہیں کہ عذر کے وقت، اذن والی [حاکم یا اس کے نائب] سے یا امام متعین کے ہونے سے بلا ان شرطوں کے صحیح ہے، اور شرطیں ساقط ہیں، اور ولایت کفار میں بھی نماز جمعہ جائز ہے، حالانکہ نہ سلطان ہے نہ امام۔ پس میری تقریر صادق آئی کہ وقت عذر کے، ان شرطوں کا اعتبار نہیں، اب سب مسلمان کو چاہیے کہ کسی گمراہ کے بہکانے سے نماز جمعہ کو۔ کہ رکن اعظم اسلام ہے اور اس میں شوکت و رونق دین ہے۔ نہ چھوڑیں، اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور فریب گمراہوں میں آکر شرطیں جمعہ پر کہ بالکل انکل اور خود آرائی ہیں، دلیل سے کچھ سروکار نہیں کار بند ہوں، اور دیہات اور شہر جہاں چاہیں نماز جمعہ وعیدین بلا دفعہ پڑھا کریں، اگرچہ کافروں کی ولایت میں ہوں۔

”مجمع الفتاویٰ“ میں لکھا ہے:

غلب علی المسلمین ولایة الکفار، یجوز للمسلمین اقامة الجمعة والأعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیهم أن یلتمسوا والیاً مسلماً. انتهى ما فی مفتاح السعادة، کذا فی الطحاوی. (۱)

(ترجمہ: جب غالب ہو چاویں کفار مسلمانوں پر تو چاہیے مسلمانوں کو کہ جاری و قائم رکھیں نماز جمعہ اور عیدین کو، اور ہوئے قاضی قاضی

(۱) حاشیہ الامام الطحاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلاة، باب الجمعة/ ۵۰۷، مجمع شیخ الہند دیوبند، الہند، الطبعة الاولى ۱۴۲۸ھ۔

ساتھ [مسلمانوں کی] رضا کے، واجب ہے اور پران کے کہ تلاش کریں والی مسلم کو۔

مولوی سلام اللہ خفی نے ”محلی شرح مؤطا امام مالک“ میں لکھا ہے: کہا [امام] مشنئی نے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو آئے، [تو] دوشنبہ اور منگل اور بدھ اور جمعرات کے دن تک قبیلہ بنی عمر بن عوف کے بیچ ٹھہرے، پھر وہاں سے نکلے، پس حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کو بنی سالم بن عوف میں جمعہ کا دن آیا، پس حضرت نے پڑھا بیچ مسجد کے جو کہ بطن وادی میں [ہے] یعنی جنگل میں، اور اول جمعہ وہی تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ اسی طرح شیخ محمد طاہر خفی نے ”مجمع البحار“ [میں] لکھا۔ (۱)
اور شیخ عبدالحق خفی [محدث دہلوی] نے ”شرح سفر السعادت“ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [نے] بعد اقامت [تین] دن کے، قبا کے بیچ جمعہ کے دن مدینہ مطہرہ آنے کا قصد کیا اور پھر درمیان راہ نماز جمعہ ادا کی۔ (۲)

اور شیخ عبدالحق خفی [محدث دہلوی] نے ”جذب القلوب“ (۳) میں لکھا ہے: بطن وادی یعنی جنگل میں کہ قبا کے قریب ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ کا وقت پہنچا اور جمعہ اسی موضع میں۔ کہ اب وہ جگہ ساتھ مسجد کے مشہور ہے۔ پڑھا۔ (۴)

(۱) مجمع البحار، چھاپہ نول کشور، تیسری جلد، صفحہ ۵۳۳، حوالہ از صاحب فتاویٰ۔ مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار ۴/۲۶۹، مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ، الطباعة الثالثة ۱۴۱۵-۱۹۹۴ م

(۲) شرح سفر السعادت (فارسی) ۱۷۰/۱، مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ۔ فارسی کی اصل عبارت یہ ہے: و آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از اقامت سه روز بقبا روز جمعہ قصد در آمدن مدینہ مطہرہ کرد، وہم در میان راہ نماز جمعہ گزارد

(۳) جذب القلوب، چھاپہ نول کشور، صفحہ ۶۳، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۴) جذب القلوب الی دیار المحبوب ۶۵/، سال طباعت ماہ ستمبر ۱۹۰۴ء۔ مطبع نشی نول کشور واقع کان پور۔ اصل فارسی عبارت یہ ہے:

در بطن وادی کہ قریب قبا ست وقت نماز جمعہ در سید و اقامت جمعہ ہمدان موضع کہ الآن بمسجد جمعہ مشہور ست فرمود

اور بخاری اور ابوداؤد وغیرہ میں ابن عباسؓ سے یہ روایت ہے کہ کہا: تحقیق اول جمعہ کہ اسلام میں جمعہ پڑھا گیا، اس جمعہ کے بعد کہ [جو] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مدینہ میں پڑھا گیا۔ البتہ [وہ] جمعہ ہے کہ [جو] جمعہ جو اٹھائی میں پڑھا گیا، کہ گاؤں ہے گاؤں بحرین [میں] سے۔ کہا عثمان نے: وہ گاؤں گاؤں عبد القیس [میں] سے۔ (۱)

اور مولوی سلام اللہ حق [محدث دہلوی] نے ”محلی شرح مؤطا امام مالک“ میں لکھا ہے کہ جو اٹھائی گاؤں کا نام ہے گاؤں بحرین سے، اسی طرح ہے وکیع کی روایت میں ابن طہمان سے نزدیک ابوداؤد کے، اور اس کے ساتھ امام شافعی اور امام احمد اور [امام] اسحاق نے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کی دلیل پکڑی ہے۔ (۲)

فائدہ: ابوداؤد کی حدیث جو اوپر مذکور ہوئی، وکیع اس کا راوی ہے اور وہ اس حدیث کی یہ تفسیر کرتا ہے کہ جو اٹھائی گاؤں ہے۔ اور قسطلانی شرح صحیح بخاری (۳) میں ہے کہ کہا [امام] نوویؒ نے کہ مذہب امام شافعی اور محقق اصولیین [کا] یہ ہے کہ راوی کی تحقیق تفسیر مقدم ہے جس وقت کہ ظاہر کے مخالف نہ ہو، اس سے بھی معلوم ہوا کہ

(۱) اور لفظ ابوداؤد کے ہیں، یہ حدیث بخاری چھاپہ احمدی میرٹھ، صفحہ ۱۲۲ میں اور ابوداؤد جو ۱۲۷۳ء دہلی میں چھاپا گیا، اس کے صفحہ ۱۵۲/۱ میں ہے۔ منہ ترجمہ حدیث میں بعض کلمات کو بدل کر اس کے مرادف الفاظ رکھے گئے ہیں۔ م ن ن) (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تفریع أبواب الجمعة، باب الجمعة فی القرئ، رقم: ۱۰۶۸ / صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، أبواب الجمعة، باب الجمعة فی القرئ والمدن، رقم: ۸۵۲، کتاب المغازی، باب وقد عبد القیس، رقم: ۴۱۱۳، دار السلام، الرياض

(۲) حواشی الشیخ محمد مظهر النانوتوی علی المؤطا للامام مالک بن انس نقلًا عن المحلی للشیخ المحدث سلام اللہ الحنفی الدہلوی، ما جاء فی الامام ینزل بقرية يوم الجمعة فی السفر: ۳۷، المكتبة الاشرفية بدیوبند، الهند

(۳) ارشاد السای شرح البخاری للامام القسطلانی، کتاب البیوع، باب بیع الملامسة: ۴/۶۳، الطبعة السادسة، ۱۳۲۳ھ، المطبعة الأميرية الکبری، قال النووی: ومذهب الشافعی ومحققی الأصولیین أن تفسیر الراوی مقدم اذا لم یخالف الظاهر

جوانی گاؤں ہے، شہر نہیں۔

واللہ أعلم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد امین حسنی
الحسینی، تجاوز اللہ عن ذنبہ الدقیق والسمین۔

متعدد جمعہ وعیدیں

سوال: کیا فرماتے علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ جس مقام میں قبریں متعدد ہوں اور بخوبی معلوم نہ ہو کہ قبرستان قدیم یا عید گاہ ہے، کیونکہ دونوں کا ثبوت علی التساوی ہے۔

پس [۱] اولاً بسبب قبور کے کہ مقتدی وہاں کے داہنے بائیں (اور) آگے پڑھتے ہیں اور ایسا مقام لائق مصلیٰ کے موافق حدیثوں کے و کتب فقہ کے نہیں ہے۔
[۲] و دوم: بوجہ عذرات شرعیہ کے کہ ہر طرح سے فساد و بی ودنیوی وہاں ہوئے، اور ابھی موجود ہیں، یا عث ان وجوہات کے اگر کوئی مقتدا سے مصلیٰ میں واسطے اداۓ صلوٰۃ عیدین نہ جاوے، اور ان کے ہمراہ بکثرت آدمی ہیں، کہ کسی مسجد میں اندر شہر کے نہ جاویں، اور بحالت مجبوری دوسری طرف جا کر جہاں کسی نوع کا نقص دینی ودنیوی نہیں ہے، اداۓ صلوٰۃ عیدین کرے تو جائز ہے یا نہیں؟
در صورت ثانیہ کہ نماز جمعہ جو نص قطعی سے ثبوت ہے یعنی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ (۱)

اس کے لیے علماء مخالف ہیں، بعض کہتے [ہیں کہ] ہر شہر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نماز درست نہیں، جیسا کہ مذہب حنفی میں حضرت [ابو] یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ [اس کے قائل ہیں] اور [بعض] موافق [ہیں، جیسا کہ] حضرت امام محمد رحمہ اللہ: ایک شہر میں متعدد نماز جمعہ جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پس جیسا بسبب عذر کے نماز فریضہ میں

تعدد ہو سکتا ہے کہ جس پر فتویٰ ہو چکا ہے، تو اس نماز عیدین میں کہ جس کے وجوب میں علماء مخالف ہیں بیاعت نقصانات شرعیہ تعدد جائز ہو جاوے گا، یا پھر گوشت تعدد نماز عیدین کا جائز ہوتا، کتب فقہ مثل الدر المختار وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے، یعنی:

ولو أمكنه الذهاب الى امام آخر، فعل. لأنها تؤدي لمصر

واحد بمواضع كثيرة. (۱)

نماز عیدین میں تو مصلیٰ اسی کو کہتے ہیں کہ جہاں صلوٰۃ عیدین ادا کریں، خواہ میدان ہو یا مسجد یا عید گاہ، یا نہیں یا جب خارج مسجد ہوگا اور میدان میں جا کر عمارت تعمیر کرنے سے مصلیٰ ہوگا؟ بیٹو! تو جروا۔

(مرسلہ: مولوی محمد یحییٰ نگرانی، از سلون)

هو المصوب

جواب: لاریب اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں نماز مکروہ ہے، (اور) ہر گاہ کہ رو برو قبر ہوگی بدرجہ اولیٰ مکروہ [ہوگی]۔ باقی یہ مسئلہ مشتبہ ہوا کہ شک ہے آیا گورستان ہے یا عید گاہ، ہر گاہ سابق سے نماز عیدین ہوتی چلی آئی، (اور) عید گاہ مشہور ہے۔ ”لا یحکم بالمقبرة“ پس حکم نہ دیا جائے گا ساتھ قبرستان کے جیسا کہ اصول فقہ سے معلوم ہوتا ہے:

اليقين لا يزول بالشك. (۲)

مصلیٰ [عید گاہ] کی علامت ہونی چاہیے، تاکہ متعارف و مشہور رہے، واسطے جمعیت واجتماع ناس کے۔ کما فی البخاری:

قيل له، أشهدت العيد مع النبي صلى الله عليه وسلم. قال:

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب العیدین ۱۷۶/۲

(۲) الأشباه والنظائر لابن نجيم، القاعدة الثانية للفن الأول: ۷۵، تحقیق: عبد الكريم الفضيلي، الطبعة الأولى ۱۴۱۸-۱۹۹۸ م، المكتبة العصرية. غمز عيون البصائر للحموي: ۱/۱۹۳، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، باكستان، ۱۴۰۹-۱۹۸۸ م

نعم، ولو لا مكانی من الصغر ما شهدته، خرج حتى أتى
 العلم الذى عند دار كثير بن الصلت. (۱)
 قال: يعنى قال القسطلاني: والدار المذكورة بعد العهد
 النبوي، وانما عرف المصلي لشهرتها. (۲) انتهى.
 خروج الى المصلي سنت مؤكدة (اور) تعدد مصلي غير ثابت، اگرچه تعدد صلوة
 جائز [ہے]۔ كما نقل المحيب في جوابه من الدر المختار. (۳)
 وفي الظهيرية: فان صلّوا في مساجد المصر من غير عذر
 جازت صلاتهم، وتركوا [السنة]، هذا هو الصحيح. (۴)
 وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الامام الى الجبابة،
 ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناءً على أن
 صلاة العيدين في الموضوعين جائزة بالاتفاق. (۵) انتهى.
 اجتماع واژدہام خاص وعام نماز عیدین، مد نظر وپیش بصر نبی آخر الزماں صلی اللہ
 علیہ وسلم تھا۔ كما ورد في الحديث:

(۱) صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب العلم الذي بالمصلي، رقم: ۹۷۷، كتاب
 الاعتصام، باب ما ذكر النبي صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق أهل
 العلم..... الخ، رقم: ۷۳۲۵

(۲) ارشاد الساري للقسطلاني، كتاب العيدين، باب موعظة الامام النساء يوم
 العيد: ۲/۲۲۱

(۳) كتاب الصلاة، باب العيدين: ۳/۴۹، دار الكتب العلمية بيروت
 (۴) عمدة الرعاية مع شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱/۱۹۲، مطبع يوسف
 قرقي محل لکھنؤ، ۱۳۱۲ھ-۱۹۲۲ء

(۵) رد المحتار مع الدر، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۳/۴۹، دار الكتب العلمية،
 الفتاوى العالمگیری، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰،
 مكتبة زكريا ديوبند، عمدة الرعاية مع شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب
 العيدين: ۱/۱۹۲، مطبع يوسف قرقي محل لکھنؤ

أمرنا أن نخرج، فتخرج الحيض والعواتق وذوات الخدور.

وفى رواية أخرى: لتخرج العواتق وذوات الخدور. (۱)

پس پھر تقدیر مفارقت امام و مقتدی مع جماعت کثیرہ خوف و عید تفرق بالجماہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ وارد ہے:

من شدَّ شدَّ في النار. (۲)

و دیگر حدیث و عید کی منقول و موجود ہے، بوجہ اس کے مقتدی کو خوف و خشیت الہی مقدم ہوئے، و نظر ﴿قَوْلًا لِّئِنَّا﴾ (۳) پر رکھ کر ﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (۴) کی راہ سے ایک مصلیٰ پر ایک جماعت کے ساتھ پڑھے، و مقولہ عوام کو جو شامل تشبیح ہوں بفوائے آیت کریمہ ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾ (۵) ممانعت بلا مصلحت شرعیہ ہرگز ہرگز نہ رکھے، و مانع مصداق اس کا آیت کریمہ ﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يُنْهَىٰ عَنْ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ﴾ (۶) جملہ منہیات سے احتراز و پرہیز میں جمیع مؤمنین کو شریک رکھے (اور) کرے، تا اتحاد و بالجماعت متصور رہے۔ فقط واللہ أعلم بالصواب، وعندہ أم الكتاب، حرره الراجی عفو ربہ المتین

محمد امین حسینی الحسینی النصیر آبادی، تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین.

(۱) صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب اعتزال الحيض المصلى، رقم: ۹۸۱، باب اذا لم يكن لها جلباب في العيد، رقم: ۹۸۰، کتاب الحيض باب شهود العیدین ودعوة المسلمين، و يعتزلن المصلى، رقم: ۳۲۴، و کتاب الحج باب تقضى الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبيت، رقم: ۱۶۵۲

(۲) سنن الترمذی، أبواب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، رقم: ۲۱۶۷، مشکاة

المصابيح، کتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، رقم: ۱۶۴

(۳) طہ: ۴۴ ترجمہ:- [نرم گفتگو]

(۴) النحل: ۱۲۵ [اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلا تے رہیے]

(۵) الفرقان: ۷۲ [اور جب لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ گزر جاتے ہیں]

(۶) العلق: ۹-۱۰ [آپ نے اس کو دیکھا جو روکتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے]

جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں؟

سوال: کاشف وقائق فروع و اصول، واقف حقائق معقول و منقول، مجمع الفوائد، منبع الفوائد، رہنمائے دین متین، جناب مولانا سید امین صاحب ادا اللہ فیضہ۔

پس از سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، التماس یہ ہے کہ نماز جمعہ کی نیت میں بہت اختلاف ہے، لہذا مکلف آں ذات فیض سمات ہوں کہ فرض جمعہ کے قبل جو چار رکعت سنت پڑھی جاتی ہیں اور دو رکعت فرض جمعہ اور بعد فرض کے جو چار رکعت (اور) بعد چار کے جو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ ان سب کے طریقہ نیت سے آگاہ کیا جاؤں تاکہ اطمینان حاصل ہو زیادہ۔

(سردار حسین پسر الطاف حسین وکیل، از چنار گڑھ ضلع مرزا پور، المرقوم ۱۱ ستمبر ۱۹۰۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم - نحمدہ ونصلی علی رسول اللہ
خلیق ولیق سعید وحمید حافظ میر سردار حسین صاحب، سلمہ ربہ، وعلیکم السلام
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مسرت نامہ مشتمل در ذکر مسئلہ شرعیہ پہونچا، سرور فرمایا، اللہ تعالیٰ خوش و خرم رکھے، آمین۔ حسب ایماء سعادتمند کے جواب مرقوم ہوتا ہے، فقط، زیادہ، والسلام سنت الاسلام۔

هو المصوب (۱)

جواب: جمعہ کی نیت فرض کہ جو بہ تمحیص کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور در باب سنت قبل جمعہ کے مولانا بحر العلوم [عبد العلی فرنگی محلی] رسائل الارکان

(۱) جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعات پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اور جمعہ کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور اس کے بعد دو رکعت سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ در مختار میں ہے: وأربع قبل الجمعة وأربع بعدها بتسليمه. اور غنیۃ میں ہے: وعند أبي يوسف السنة بعد الجمعة ست ركعات، وهو مروي عن علي (رضي الله عنه) والأفضل أن يصلي أربعاً ثم ركعتين للخروج عن الخلاف

میں فرماتے ہیں:

وأما راتبة الجمعة فقبلها أربع ركعات وبعدها أربع ركعات عند أئمتنا الثلاثة، وزاد الامام أبو يوسف اثنتين بعد الأربع التي بعدها، أما الأربع التي قبلها فلأن الأربعة التي قبل الظهر صلاة واظب عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أنها يفتح بعد الزوال أبواب السماء وفي يوم الجمعة هذا الفتح متحقق بل أكد، فيكون الجمعة أيضاً أحق بهذه الأربع ولم يطرأ عليه مزيل، ولم يقم بدل كما قام في مقام الظهر الخطبة وصلاة الجمعة، وأما كون المواظبة لفتح أبواب السماء، فلما روى عبد الله بن السائب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي أربعاً بعد الزوال قبل الظهر، قال: إنها ساعة يفتح فيها أبواب السماء، وأحب أن يصعد لى فيها عمل صالح. رواه الترمذي (۱). انتهى.

[اور جہاں تک جمعہ کی سنن راتبہ کی بات ہے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار رکعات قبلہ ہیں اور فرض کے بعد چار ہیں، امام ابو یوسف نے بعد کے چار میں دو کا اضافہ کیا ہے۔ چار رکعات قبلہ کا تعلق ہے تو یہ ظہر سے پہلے وہ چار ہیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی فرمائی ہیں، اس لیے کہ زوال کے بعد آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن اس کا کھولنا یقینی ہے بلکہ زیادہ مؤکد ہے، چنانچہ جمعہ بھی ان چار رکعات کا زیادہ مستحق ہے، اس کو زائل کرنے والا بھی نہیں، اور نہ اس کا بدل ہے، جیسا کہ ظہر کی جگہ

(۱) جامع الترمذی، أبواب الوتر، باب ما جاء في الصلوة عند الزوال، رقم: ۵۲۲۔

نماز جمعہ اور خطبہ (دونوں) ہیں، اور آسمان کے دروازے کھولنے کی وجہ سے مواظبت کی جہاں تک بات ہے، تو اس روایت کی وجہ سے ہے جو حضرت عبداللہ بن السائب سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد ظہر سے قبل چار رکعات نماز پڑھتے تھے۔ نیز فرمایا: بیشک یہ ایک ایسا وقت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میں میرے لیے نیک عمل اوپر (اللہ تعالیٰ کے پاس) پہنچے]

لیکن چار [رکعات ہیں] بعد جمعہ کے۔ فکما أخرجه مسلم في صحيحه:
عن أبي هريرة، اذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها
أربعاً. (۱)

وفی روایۃ: اذا صلیتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً. (۲)
وفی روایۃ: من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل
أربعاً. (۳)

وفی روایۃ: أنه صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعدها
ركعتين. (۴) انتہی۔

[امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے حدیث کی تخریج کی

-
- (۱) صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۸۸۱۔ دار السلام الرياض
(۲) صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۸۸۱۔ دار السلام الرياض
(۳) صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۸۸۱۔ جامع
الترمذی، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، رقم: ۵۲۳۔
دار السلام الرياض

- (۴) صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۸۸۲۔ جامع
الترمذی، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، رقم: ۵۲۱۔
دار السلام الرياض

ہے کہ تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کے بعد چار رکعات (سنت) پڑھے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب جمعہ کے بعد نماز پڑھو تو چار رکعات پڑھو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ تم میں سے جو کوئی جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو چار رکعات پڑھے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعات پڑھتے تھے۔]

وفی النووي شرح صحيح مسلم: في هذه الأحاديث استحباب سنة الجمعة بعدها والحث عليها، وإن أقلها ركعتين وأكملها أربع، فنبه النبي صلى الله عليه وسلم بقوله؛ إذا صلى أحدكم بعد الجمعة فليصل بعدها أربعاً، على الحث عليها، فأتى بصيغة الأمر، ونبه بقوله صلى الله عليه وسلم من كان مصلياً على أنها سنة ليست بواجبة، وذكر الأربع لفضيلتها، وقبل الركعتين في أوقات بياناً، لأن أقلها ركعتان. (۱) انتهى.

[نووی شرح مسلم میں ہے کہ ان احادیث میں جمعہ کے بعد کی سنت کا استحباب بیان ہے اور اس پر ابھارنا اور شوق دلانا ہے، کہ کم از کم رکعت دو ہیں اور کامل چار رکعات ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول کے ذریعہ آگاہ کیا ”اذا صلى أحدكم بعد الجمعة فليصل بعدها أربعاً“ اس پر ابھارنے کے لیے صیغہ امر استعمال فرمایا، اور اس قول ”من كان مصلياً“ کے ذریعہ یہ بھی بتا

دیا کہ یہ سنت ہے، واجب نہیں۔ اس کی فضیلت کی وجہ سے چار کا ذکر کیا ہے، اور دو رکعت سے قبل مختلف وقتوں میں (عمل کا) بیان ہے، اور اس لیے کہ اقل رکعت دو ہیں۔]

وأخرج الترمذي عن عطاء، قال: رأيت ابن عمر صلي بعد الجمعة ركعتين ثم صلي [بعد ذلك] أربعاً. (۱) انتهي. فأخذ أبو يوسف الركعتين بفعل ابن عمر. كذا قال بحر العلوم [عبد العلي اللكنوي] في رسائل الأركان. (۲) واللّه أعلم بالصواب. [امام ترمذی نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپؓ نے جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد چار رکعات نماز پڑھی۔ بس امام ابو یوسف نے حضرت ابن عمر کے فعل کو اپنایا۔ اسی طرح بحر العلوم علامہ عبد العلی لکنوی نے اپنی کتاب ”رسائل الارکان“ میں بیان فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔]

خطبہ کے دوران سلام وکلام اور سنت پڑھنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین جو مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب خطیب خطبہ پڑھنا شروع کرے، یا مؤذن اذان کہے، ان دونوں وقتوں میں کسی کو السلام علیکم آواز سے خواہ اشارہ سے کرنا یا جواب سلام دینا درست ہے یا نہیں؟ دیگر [یہ ہے کہ] اگر روز جمعہ خطیب نے خطبہ پڑھنا شروع کیا اور کوئی مقتدی

(۱) جامع الترمذی، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها،

رقم: ۵۲۳۔ دارالسلام الرياض

(۲) رسائل الأركان، كتاب الصلاة، فصل في النوافل من الصلوات: ۲۵۲، مطبع

بعد کو پہنچا تو اس وقت میں چار رکعت سنت قبل جمعہ کے، خطبہ پڑھتے وقت پڑھ لیوے
یا اول خطبہ سن کر خطبہ ثانی کے وقت پڑھے یا بعد نماز فرض کے پڑھے؟ فقط

هو الموفق

جواب: جب خطیب خطبہ پڑھنا شروع کرے [تو] خاموش رہے اور خطبہ
سنے۔ کما فی الحدیث:

إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت، والامام يخطب فقد
لغوت. أخرجه الشيخان عن أبي هريرة رضي الله عنه. (۱) انتھی۔
یا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے جیسا کہ حدیث میں وارد [ہے] مسلم میں
[حضرت] جابرؓ سے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا جاء أحدكم يوم
الجمعة، والامام يخطب، فليركع ركعتين ولينجوز
فيهما. (۲) انتھی۔

اور چار رکعت نہ وقت خطبہ اول، نہ ثانی اور مؤذن جب اذان کہتا ہو تو جواب
اذان دیوے۔ (۳) جیسا کہ حدیث میں وارد [ہے]

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الانصات يوم الجمعة والامام يخطب،
رقم: ۹۳۴، صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب فی الانصات يوم الجمعة فی
الخطبة، رقم: ۸۵۱، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب تفریع ابواب الجمعة، باب
الکلام والامام يخطب، رقم: ۱۱۱۲، سنن ابن ماجہ، ابواب اقامة الصلاة والسنة
فيها، باب ما جاء فی الاستماع للخطبة والانصات لها، رقم: ۱۱۱۰

(۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب التحية والامام يخطب، رقم: ۸۷۵، صحیح
البخاری، کتاب التهجد، باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی، رقم: ۱۱۷۰، سنن ابی
داؤد، کتاب الصلاة، باب تفریع ابواب الجمعة، باب اذا دخل الرجل والامام
يخطب، رقم: ۱۱۱۷

(۳) خطبہ کی اذان کا جواب دینا اور اس کے بعد دعائے گواہان کے بعد ہوتی ہے، اس بارے
میں علماء و فقہائے اسلام کی رائے مختلف ہے..... باقی اگلے صفحہ پر.....

”فقلوا مثل ما يقول“. کذا فی مسلم۔ (۱)

واللہ اعلم وعلمہ اتم وأحکم۔ حررہ محمد امین حسنی الحسینی

تجاوز اللہ عن ذنبہ۔ فقط

میت مشکل میں تجہیز و تکفین کا شرعی حکم؟

سوال: چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ شخصے از اہل اسلام و شخصے از اہل کفر در جائی باتش افتد و سوختہ کہ امتیازے در آں کساں باقی نماند، پس بچہ طور در تجہیز و تکفین و در ہمہ احکام میت کردہ آید، و بکدام وجہ تعین لاش در اں شخصان سوختہ نمودہ شود؟

بینوا بحوالہ الکتاب تو جروا بیوم الحساب، فقط۔

..... بقیہ حاشیہ..... اس سلسلہ میں اصح قول یہی ہے کہ اذان کا جواب دینا، اور بعد اذان دعا مانگنا دونوں مکروہ ہیں، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ

”اذا خرج الامام للخطبة فلا صلوة ولا كلام“

اور اسی طرح دوسری حدیث میں ہے

”من قال لغيره انصت والامام يخطب، فقد لغا“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران خطبہ دوسرے کو خاموشی کا حکم کرنا ممنوع ہے، اور پہلی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ خطبہ جمعہ کے لیے جب امام نکلے تو ہر قسم کی نماز اور ہر طرح کا کام منع ہے، انصت (خاموشی) کے ساتھ خطبہ سننا لازمی ہے، اسی دوران خطبہ تلاوت قرآن، تسبیح و تہلیل اور تحمید وغیرہ سب ممنوع ہیں۔ الدر المختار شرح تنویر الابصار میں ہے:

واجابته الاذان حينئذٍ مکروہ۔

فتاویٰ شامی میں علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے:

كل ما حرم في الصلوة حرم في الخطبة يحرم اكل وشرب وكلام

ولو تسبیحاً ورد سلام أو أمراً بمعروف، إلا من الخطيب لأن الأمر

بالمعروف منها بلا فرق بين قريب وبعيد في الأصح

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن..... الخ، رقم:

۳۸۳، صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب ما يقول اذا سمع، رقم: ۶۱۱، ۳۶۱۴،

جامع الترمذی، ابواب الصلاة، باب ما يقول الرجل اذا أذن المؤذن، رقم: ۲۰۸

[کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلم شخص اور ایک کافر دونوں ایک ہی جگہ آگ سے جل گئے، اور اب دونوں میں کچھ فرق نہیں رہا، اب تجہیز و تکفین اور جملہ احکام میت کس طور پر انجام دیں؟ اور ان دونوں کی لاش کی تعین کس طرح ہوگی؟ کتاب کے حوالے ساتھ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور روز محشر اجر کے مستحق ہوں، فقط۔]

هو المصوب

جواب: دریں صورت ہر دو غسل دادہ شوند مثل غسل سائر اموات و در باب دفن و صلوٰۃ جنازہ اختلاف است۔ در غنیۃ شرح منیہ می آرود:

إذا اختلط موتی المسلمین و موتی المشرکین، فان وجدت علامة عمل بها، وان لم توجد علامة، وکان المسلمون اکثر، غسل الكل، وصلی علیهم، وینوی المسلمین، وان کان الکفار اکثر، غسلوا ولم یصل علیهم، وان کانوا سواء، قیل یصلی علیهم، وقیل: لا.

وأما الدفن قیل: یدفنون فی مقابر المسلمین، وقیل: فی مقابر المشرکین، وقیل: یتخذ لهم مقابر علی حدة، وتسوی قبورهم، ولا تسنم. انتهى. (۱)

و در حلیہ شرح منیہ می نویسد:

فینبغی الصلوٰۃ علیهم فی الأحوال الثلاث، وبه قالت الأئمة الثلاثة، وهو أوجه. (۲) انتهى.

(۱) غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، کتاب الجنائز: ۶، ۶، مطبوعہ در سعادت باب عالی جادہ سندھ، کتب خانہ جہاں نومرو

(۲) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الجنائز، مطلب فی حدیث کل سبب ونسب منقطع الا سببی ونسبی: ۵۷۷/۱، دار الطباعة المصرية، ۱۲۷۲ھ جریۃ

[ان دونوں کو تمام اموات کے غسل دینے کی طرح غسل دیا جائے،
 دفن اور نماز جنازہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ فقہیہ شرح منیہ میں ہے
 کہ جب مسلمانوں اور کافروں کی لاشیں خلط ملط ہو جائیں، تو اگر
 کوئی علامت (نشان) پائی جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا، اور اگر
 مسلمان زیادہ ہوں تو سب کو غسل دیا جائے گا، اور سب کی نماز جنازہ
 پڑھی جائے گی، اور مسلمانوں کے لیے نیت کر لی جائے گی۔

اگر کافر زیادہ ہوں تو سب کو غسل دیا جائے گا، نماز نہیں پڑھی جائے
 گی۔ اور اگر دونوں برابر اور یکساں ہوں تو کہا گیا ہے کہ نماز پڑھی
 جائے گی، اور یہ بھی کہا گیا کہ نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

جہاں تک دفن کی بات ہے تو اس میں یہ منقول ہے کہ مسلمانوں کی
 قبرستان میں دفن کئے جائیں گے، اور یہ بھی منقول ہے کہ مشرکین کے
 گورستان میں مدفون ہوں گے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الگ سے ان کی
 قبریں بنائی جائیں گی اور پھر قبریں (لاشیں دفن ہونے کے بعد) برابر
 ہموار کر دی جائیں گی، اوچھی کوہان کی طرح نہیں کی جائیں گی۔

حلیہ شرح معیہ میں ہے کہ تینوں حالتوں (حالت اکثریت اہل اسلام،
 اکثریت کفار، اور برابری واستواء کی حالت) میں ان کی نماز پڑھنی
 چاہیے، ائمہ ثلاثہ نے یہی فرمایا ہے، اور یہی درست ہے۔]

واللہ اعلم، حررہ الراجی عفو ربہ القوی أبو الحسنات محمد عبد

الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر]۔



کتاب الزکوٰۃ

زیور کی زکوٰۃ

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیور استعمالی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا جزء فروخت کر کے ادا کی جائے یا علاحدہ سے اس کی قیمت کا حساب کر کے دی جاوے؟ اور یہ بھی [بتائیں] کہ زیور کو وزن کرا کے موافق نرخ کی قیمت لگا کر دیوے یا انداز [ہ] کر کے اس کی زکوٰۃ دیوے؟ مثلاً..... ۵۰/ کا زیور مالیت میں ہے جس کا زید کو علم ہے تو جس قدر..... ۵۰/ پر زکوٰۃ ہو، اس سے زائد دیوے یا خواہ مخواہ وزن زیور کا کیا جاوے؟۔

اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ مثلاً..... ۵۰/ خواہ..... ۶۰/ کا زیور ہے، زکوٰۃ مح کثرات کے محسوب کی جاوے گی یا نہیں؟ اور تا بقائے زیور زکوٰۃ دینا چاہیے یا صرف ایک ہی سال؟ اور جن سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہے، وہ ادا کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور لباس قیمتی مثلاً گوینہ وغیرہ لگا ہوا ہے، یا ریشمی یا زروزی یا دو شالہ ہو، اور نیز ظروف نقرئی و طلائی جو استعمال میں رہتے ہیں اور خود نصاب تک پہنچے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور کل مال جس پر زکوٰۃ واجب ہو چکی، خیرات کروے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی یا واجب الادا؟ بینوا بالکتاب [و السنة] تو جروا الیٰ یوم الحساب، انتھی۔

هو المصوب

جواب: زیور استعمالی پر زکوٰۃ واجب ہے۔ کما فی الہدایۃ:

وفی تبر الذهب والفضة وحليهما وأوانيهما الزكاة. (۱) انتهى.
 و[فی] شرح الوقایة: وفی معموله وتبره وعرض تجارة
 قيمته نصاب من أحدهما مقوماً بالأنفع للفقراء ربع
 عشر. (۲) كما ورد فی الحديث: "أَنَّ امرأتين أتتا رسولَ الله
 صَلَّى الله عليه وسلم، وفی أيديهما سواران من ذهب. فقال
 لهما: أْتُوديان زكواته؟ قالتا: لا. فقال لهما رسول الله صلى
 الله عليه وسلم: أَتُحِبَّان أن يُسَوَّرَ كما اللهُ بِسَوارين من نارٍ؟
 قالتا: لا. قال: فَأُديَا زكاته". (۳) انتهى.

[ہدایہ میں ہے: بغیر ڈھلے ہوئے سونے اور چاندی کے ٹکڑوں، اور ان
 کے زیورات، اور ان کے برتنوں میں زکوٰۃ ہے۔ شرح الوقایہ میں ہے
 کہ سونے، چاندی سے بنائی ہوئی چیزوں، اور غیر مضروب سونے
 چاندی کے ٹکڑوں، اور سامان تجارت جن کی قیمت دونوں (سونے اور
 چاندی) میں سے کسی ایک سے جو فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہو،
 نصاب کو پہنچتا ہو، وہ چالیسواں حصہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ
 دو خواتین حضور اکرم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور ان

(۱) الهدایة مع الدرایة، کتاب الزکاة، باب زکوة المال، فصل فی الذهب: ۱/۱۹۵،
 ذکر یا کتب خانہ جیسور چوراستہ بنگلہ دیش، بلاسنہ طباعت

(۲) وقایة الروایة بشرح الوقایة مع عمدة الرعاية للامام الکنانوی، کتاب الزکاة، بیان
 نصاب الذهب والفضة: ۱/۲۲۹، مکتبہ تھانوی دیوبند، باہتمام وقار علی بن مختار علی، بلاسنہ
 طباعت، شرح الوقایہ مع حاشیہ علامہ ملاحسن حللی: ۶۹، مطبوعہ فشی نول کشور لکھنؤ

(۳) جامع الترمذی، أبواب الزکاة، باب ما جاء فی زکاة الحلی، رقم: ۶۳۷، دار
 السلام الرياض، مطبع مجتبیٰ دہلی: ۱/۸۱، باہتمام مولوی عبدالمعین خلیف الرشید مولوی عبدالاحد
 مرحوم۔ شرح السنة للبغوی، کتاب الزکاة، باب زکاة الحلی: ۴/۲۸، [رقم: ۱۵۸۳]

دونوں کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن تھے، پس آپ (ﷺ) نے ان دونوں سے فرمایا کہ کیا تم نے ان کی زکوٰۃ نکال دی؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، تو آپ (ﷺ) نے ان دونوں سے فرمایا: کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو آگ کے کنگن پہنائے۔]

چالیسواں جزء دینا چاہیے، خواہ اس میں سے، خواہ علاحدہ سے اس کی قیمت دیدے۔ کما فی الہدایۃ:

اَنْ اخذ القيمة في باب الزكاة جائز. (۱)

[ترجمہ: ہدایہ میں ہے: بلاشبہ زکوٰۃ کے باب میں قیمت لینا بھی جائز ہے] انتہی۔

اور عموم قول اللہ تعالیٰ: ﴿تُخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ (۲) بھی وال ہے۔ وفی الکفایۃ:

هو اسم للقدر الذي يخرج الى الفقير. (۳)
موافق نرخ کر کے لگا کر دیوے۔

”من كل مائتي درهم خمسة دراهم“. (۴) هكذا فی الحدیث.

(۱) الہدایۃ مع الدراریۃ لابن حجر، کتاب الزکاة، باب صدقة السوائم، فصل فی الفصلان والحملان والعجاجیل صدقة: ۱/۹۲، ذکر یا کتب خانہ جیسور چوراستہ بنگلہ دیش، بلاسنہ طباعت (۲) (التوبة: ۱۰۳) ترجمہ: آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے، آپ ان کو اس کے ذریعہ پاک کر دیں گے، اور ان کا تزکیہ کر دیں گے۔

(۳) الکفایۃ شرح الہدایۃ مع فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ: ۱/۱۱۲، دار احیاء التراث العربی بیروت

(۴) کتاب الآثار للامام أبی یوسف، باب الزکاة، رقم: ۴۲۹، تحقیق: الأستاذ أبو الوفاء النعمانی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، اس مفہوم کی کتب صحاح میں متعدد روایات ہیں، مثلاً لیس فیما دون خمسة أواق صدقة، نصب الرایۃ، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۲/۳۷۴، طبع اول ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۳ء، مکتبۃ دار الایمان سہارن پور، الہند

[ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم نکالے جائیں گے۔ اسی طرح

حدیث میں وارد ہے۔]

تابقائے کل مال سالانہ زکوٰۃ ہے، ساتھ کثرات کے، بشرطیکہ خمس نصاب کو

پہنچے۔ کما فی شرح الوقایۃ:

اعلم أن الزکاة لا تجب علی الکسور عندنا الا اذا بلغ

خمس النصاب. (۱) انتہی۔

وجاء فی الحدیث: لیس فیما دون الأربعین صدقة. (۲)

وفی الهدایۃ: لا شیء فی الزیادۃ حتی تبلغ أربعین. (۳) انتہی۔

[شرح الوقایہ میں ہے: جان لو کہ یقیناً زکوٰۃ ہمارے نزدیک کسور

(کلثروں) میں اس وقت تک واجب نہیں ہوتی جب تک کہ نصاب

کے خمس تک نہ پہنچے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ چالیس سے کم

میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ زیادہ میں زکوٰۃ نہیں ہے یہاں

تک کہ چالیس (درہم) کو پہنچے۔]

اور مال موجود جس کی زکوٰۃ باوجود وجوب کے سال گذشتہ میں نہیں ادا کیا، ادا

کرے، واجب ہے۔ مکتدا فی کتب الفقہ. (اور) ظروف فقری وطلائی پر زکوٰۃ

(۱) شرح الوقایۃ مع عمدة الرعاۃ، کتاب الزکوٰۃ باب زکاة الأموال: ۱/۲۲۰، مطبع

یوسفی فرنگی محل لکھنؤ [۱۳۴۱ھ-۱۹۲۲ء] باہتمام مولانا ابوالفیض محمد یوسف انصاری فرنگی محلّی، شرح

الوقایہ مع حاشیہ ملا حسن چلی: ۲۹، مطبوعہ فنی نول کشور لکھنؤ

(۲) نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الهدایۃ، کتاب الزکاة، باب زکاة

المال: ۳۷۷/۲، مکتبۃ دار الایمان سہارن فور، [طبع اول، ۱۳۲۴ھ-۲۰۰۳ء] الدرایۃ

لابن حجر، کتاب الزکاة، باب صدقة السوائم، فصل فی الفصلان والحملان

والمعاجیل صدقة: ۱/۱۹۵، زکریا کتب خانہ جیسور چوراستہ بنگلہ دیش، بلاستہ طباعت

(۳) الهدایۃ مع تعلیقات العلامة اللکناوی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، فصل فی

الفضة: ۱/۱۷۶، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ ۱۳۵۲ھ

ہے۔ (۱) کما مرّ سابقاً آنفاً.

اور لباس استعمالی اگر چہ قیمتی ہو، زکوٰۃ نہیں۔ کما فی الدر المختار:

لا فی ثياب البدن واثاث المنزل ودور السكنی. (۲) انتہی.

[در مختار میں ہے کہ پہننے کے کپڑے، گھر کے سامان اور رہنے کے

گھروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔]

اور اگر کل مال جس پر زکوٰۃ واجب ہو چکی، خیرات کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو

جائے گی۔ کما فی شرح الوقایہ:

ان تصدق بجميع ماله بلا نية الزکوة، تسقط الزکوة. (۳) انتہی.

[شرح الوقایہ میں ہے کہ اگر کل مال زکوٰۃ کی نیت کے بغیر صدقہ

کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔]

واللہ أعلم بالصواب، وعندہ أم الكتاب، والیہ المرجع والمآب.

حرّره الراجی عفو ربہ المتین محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن

ذنبه الخفي والحلي. فقط

ہر سال زکوٰۃ نکالنا؟

سوال: اگر کسی کے پاس پانچ سو روپیہ (۵۰۰) ہے، ساڑھے بارہ روپیہ اس کی

(۱) مختصر القدوری، مع الکوکب الدرّی للأستاذ عبد المعید الدیوبندی، کتاب

الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الفضة والذهب: ۵۱، المطبع المجیدی بیلدہ کان فور

(۲) الدر المختار مع کشف الاستار للشیخ نظام الدین الکیوانوی، کتاب

الزکاة: ۱/۱۲۹، [سن طباعت ۱۳۳۱ھ-۱۹۲۲ء] مطبع مجتبیٰ دہلی، الدر مع الرد: ۳/۱۸۳،

طبع ثانی ۲۰۰۳ء-۱۴۲۴ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۳) شرح الوقایہ مع عملدہ الرعاۃ، کتاب الزکوٰۃ باب زکاة الأموال: ۱/۲۲۱، مطبع

یوسفی فرنگی محل لکھنؤ [۱۳۳۱ھ-۱۹۲۲ء] باہتمام مولانا ابوالفیض محمد یوسف انصاری فرنگی محلّی، شرح

الوقایہ مع حاشیہ حلی: ۶۵، مطبوعہ شمس نول کشور لکھنؤ

زکوٰۃ نکال دیا، بعد کو روپیہ تجارت میں لگایا، بعد نفع تجارت، دوسرے سال زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں؟ (اور) اگر زکوٰۃ دے کر روپیہ فن کر دیا اس خیال سے کہ دس برس یا بیس برس وقفہ میں رکھیں گے، کام میں نہیں لاویں گے، مثلاً دس برس وقفہ رہا، تو دس سال کی زکوٰۃ لگے گی یا نہیں؟

هو الموفق

جواب: ہر سال زکوٰۃ دینا ہوگا۔ جو نفع تجارت میں حاصل کیا مع منافع کے دوسرے سال زکوٰۃ دینا پڑے گا، بشرطیکہ چالیس درہم کو پہنچے، زیادتی نزدیک امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین [امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ] کے نزدیک جس مقدار [سے] ہو، حساب سے زیادتی [کے] زکوٰۃ دی جائے گی۔ ہدایہ میں ہے:

ولا بد من الحول، لأنه لا بد من مدة يتحقق فيها النماء،
وقدرها الشرع بالحول، لقوله صلى الله عليه وسلم "لا
زكاة في مال حتى يحول عليه الحول" (رواه ابن ماجة عن
عائشة رضي الله عنها). ولأنه المتمكن به من الاستماء
لاشتماله على الفصول المختلفة والغالب تفاوت الأسعار
فيها، فأدير الحكم عليه. (۱)

[ایک سال کا ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ ایک ایسی مدت درکار ہے جس میں نمو و اضافہ ہو، شریعت نے اس کی تقدیر سال سے کی ہے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی مال میں زکوٰۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے"، امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ بلاشبہ ایک سال کی مدت میں نمو اور اضافہ ممکن ہے، کیونکہ وہ مختلف فصلوں

(۱) الہدایۃ مع حواشی العلامة الکنزوی، کتاب الزکاة: ۱/۱۶۸، مطبع یونیفرسٹی قرطبی کل
لکھنؤ، سن طباعت ۱۳۲۵ھ

پر مشتمل ہے، اور اکثر و بیشتر اس مدت میں نرخ متفاوت ہوتا ہے،
اس لیے حکم کو سال پر دائر کر دیا گیا۔]
عنایہ میں ہے:

فأدبر الحكم عليه یعنی يكون الاعتبار به دون حقيقة
الاستنماء، حتى إذا ظهر النماء أو لم يظهر، تجب الزكاة
(بحولان الحول). انتہی (۱)

[اور حکم علیہ کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت نمو و اضافہ کے بجائے سال
کا اعتبار ہے، یہاں تک کہ اس میں نمو ظاہر ہو یا نہ ہو، زکوٰۃ (سال
گزرنے کی وجہ سے) واجب ہوتی ہے]
کفایہ میں ہے:

وسببها المال، لأنها تضاف اليه، وتتكرر بتكرره. انتہی (۲)
[اور اس کا سبب مال ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ کی اضافت مال کی طرف
ہے، اور مال کے تکرار سے زکوٰۃ بھی بار بار ادا کی جائے گی]
در مختار میں ہے:

ولو لتجمل والنفقة، لأنهما خلقاً أثمناً، فيزكيهما كيف
كانا. انتہی (۳)

[اگرچہ وہ تجمل و نحو بصورتی اور نفقہ کے لیے ہو، اس لیے کہ یہ اثمان
خلقیہ ہیں، پس دونوں کی زکوٰۃ نکالے گا چاہے کیسے بھی ہوں]

(۱) العنایة علی الهدایة، کتاب الزکاة: ۲/۱۱۴، دار احیاء التراث العربی بیروت
(۲) الکفایة علی الهدایة مع فتح القدیر، کتاب الزکاة: ۲/۱۱۴، دار احیاء التراث
العربی بیروت

(۳) الدر المختار مع الرد، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۳/۲۲۷، دار الکتب
العلمیة بیروت، الطبعة الثانية ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م

اسی ہدایہ میں ہے:

ولا شيء في الزيادة حتى تبلغ أربعين [درهماً]، فيكون فيها درهم، ثم في كل أربعين درهماً درهم، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله، وقالوا: ما زاد على الأربعين فزكاته بحسابها، وهو قول الشافعي رحمه الله، لقوله عليه السلام في حديث علي

رضي الله عنه: وما زاد على المائتين فبحاسبه. انتهى. (۱)

[زیادہ میں کچھ نہیں یہاں تک کہ چالیس درہم کو پہنچ جائے، پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے، اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے، صاحبین نے کہا کہ جو چالیس پر زیادہ ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہے، یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو دو سو درہم سے زائد ہو تو (اس کی زکوٰۃ) اس کے حساب سے ہے۔]

والله أعلم، وعلمه أتم وأحكم، نقمه عبده المدعو بمحمد أمين

حسني الحسيني، ستر عيوبه وغفر ذنوبه.



(۱) الهدایہ مع حواشی العلامة اللکناوی، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ

المال: ۱/۱۷۶، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ، سن طباعت ۱۳۲۵ھ

كتاب الصوم

رؤية هلال

السؤال: بسم الله الرحمن الرحيم، ما قولكم (متع الله المسلمين بعلومكم) في اختلاف رؤية الهلال في هلال عيد الفطر حين غم، انه اذا ورد في بلدة تلغراف زائد على الخمسة الى العشرة من بلدة أو بلاد متباينة مختلفة المطالع ومتفقا على رجل أو رجال، مكتوب فيه: رأينا أو رأي عندنا الهلال، أو ذكر فيه كلمة على حسب اصطلاح وقع بين الطرفين بأنه اذا نرى الهلال نذكر كلمة مثلاً بغداد، ليأمن من التخليط والتغيير والاشتباه. فمنهم من يقول بالتعويل على هذا الخبر مستدلاً بأنه خبر مستفيض، والخبر المستفيض يعول عليه في أمر الهلال.

فقد ذكر في الدر المختار: نعم لو استفاض الخبر من البلدة لزمهم على الصحيح من المذهب. وقال ابن عابدين في حاشيته ناقلاً عن شمس الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر اذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هذه البلدة على أنه يفيد غلبة الظن لا سيما متعدداء وغلبة الظن موجبة للعمل، ونحالفهم آخرون وقالوا: لا يعول على هذا الخبر مع تسليم استفاضته وشيوعه بوجوه.

أما (أولاً) فإنه يشترط في الخبر المستفيض الاسلام لأن أهل

الأصول عدده في الأخبار الأحاد، والخبر الواحد لا يقبل إلا بنقل عدل، والعدل مأخوذ في تعريفه الإسلام كما لا يخفى. قال ابن عابدين في رد المحتار: في عدم اشتراط الإسلام نظر، لأنه ليس المراد هنا بالجمع العظيم ما يبلغ مبلغ التواتر الموجب للعلم القطعي، حتى لا يشترط له ذلك بل ما يوجب غلبة الظن كما يأتي، وعدم اشتراط الإسلام له لا بد له من نقل صريح. انتهى

وخبر التلغراف إنما يتلقاه من مخبره من هو قائم بدق السلك ونقره، فيخبر به من كان في الجانب الآخر بنقراته، فيستنبط منها هذا الخبر ويكتبه ويؤيد به إلى من ضرب له التلغراف، وهؤلاء غالبهم من المخالفين لملة الإسلام.

(وثانياً) فالأن الخبر المستفيض إنما يكون حجة لكونه نقلاً عن قضاء القاضي وحكمه، كما قال ابن عابدين في حاشيته على الدر: أن هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض، ولا [على] شهادة، لكن لما كانت بمنزلة الخبر الواحد، وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها، لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي [عادة]، فلا بد من أن يكون صومهم مبنياً على حكم حاكمهم الشرعي، فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور. انتهى

ولا يخفى عليكم أن هذه البلاد ليس فيها حاكم شرعي ولا قاض، فلا يكون الحكم المستفاد من التلغراف نقلاً عن قضاء القاضي وحكمه، بل إنما هو حكاية عن الرواية، والاعتماد عليها لا يجوز. كما في الدر: لا، لو شهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية. قال ابن عابدين: فأنهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم، وإنما حكوا رؤية غيرهم. كذا في فتح القدير.

قلت: وكذا لو شهدوا برؤية غيرهم وان قاضي تلك المصر أمر الناس بصوم رمضان لأنه حكاية لفعل القاضي أيضاً، وليس بحجة بخلاف قضائه. وقال في البحر: لو شهد جماعة أن أهل بلد كذا رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم، فصاموا وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم، ولم يروا هؤلاء الهلال، لا يباح فطر [غد، ولا تترك] التراويح هذه الليلة لأن هذه الجماعة لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم، وإنما حكوا رؤية غيرهم.

..... ان المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت. ولا أظنكم شاكين أن الخبر..... لثبوت بل من جهة الكتاب المكتوب على التلغراف المعهود بين أهله.

[ثالثاً] وقد ذكر الفقهاء أن كتاب الشهادة بما فيه من الشهادة، في الهداية: لا يقبل الكتاب الا بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين لأن الكتاب يشبه الكتاب، فلا يثبت الا بحجة تامة، وهذا لأنه ملزم، لا بد من الحجة.

(رابعاً) فلأن العوام يثقون في معاملتهم بالتلغراف لكن الحكومة البريطانية مع مخالفتها للديانة الاسلامية لا تعتمد عليه في أمر الشهادة، ولعل ذلك بسبب احتمال تطرق الخطاء اليه وعدم الانكشاف التام عن أحوال الشهود به والتنقب عن كيفية شهادتهم، وهذا اذا كان التلغراف زائداً على الخمسة الى العشرة، وأما اذا كان واحداً في هلال رمضان وأثنين في الفطر وقد غم الهلال، فهل يكفي كفاية الواحد العدل في رمضان، والحرين العدلين في الفطر؟ وهل يقاس الكتاب المرسل بالواسطة على التلغراف فيما ذكر من الصور؟ وهل ينزل امام الجامع أو غيره منزلة القاضي في القضاء بثبوت الهلال خاصة بتراضى المسلمين في بلاد، لا يوجد فيها الحاكم الشرعي ولا القاضي؟ فما كان الحق عندكم،

أفیدوه بالتی تطمئن بها القلوب، وتثلج بها الصدور ليزول النزاع من البين،
ويتيسر العمل بالصحيح من القولين، ولكم الحسنی والزيادة.

کتبه / عبد الحي عفي عنه، خطيب جامع رنگون

[ترجمہ: آپ عید الفطر میں چاند کے مستور ہونے کی صورت میں
رویت ہلال کے اختلاف میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شہر میں پانچ پر
سے زائد ٹیلی گراف ایک دوسرے شہر یا الگ الگ مختلف المطالع اور
متحد المطالع شہروں سے ایک یا متعدد لوگوں کو موصول ہو، جس میں
لکھا ہوا ہو کہ ہم نے چاند دیکھا، یا ہمارے یہاں چاند دیکھا گیا، یا
طرفین میں مستعمل اصطلاح کے مطابق کسی ایسے لفظ کا اس طرح ذکر
کرے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو ہم کوئی لفظ ذکر کر دیں مثلاً بغداد،
تاکہ غلط ملط ہونے، تغیر و تبدل اور اشتباہ ہونے سے محفوظ رہے۔
جو لوگ اس خبر پر اعتماد کے سبب استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ
یہ خبر مستفیض ہے، اور خبر مستفیض پر چاند کے معاملہ میں اعتماد کیا جاتا
ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے: ہاں! جب شہر سے خبر پھیل جائے تو ان
پر مسلک [حنفی] میں صحیح قول کی بنیاد پر لازم ہے۔ علامہ ابن عابدین
نے ”حاشیہ در مختار“ میں شمس الائمہ حلوائی سے نقل کرتے ہوئے لکھا
ہے: ہمارے اصحاب کے مسلک میں صحیح یہ ہے کہ خبر جب پھیل
جائے اور دوسرے شہر میں اس کا تحقق ہو جائے تو ان لوگوں پر اس شہر
کا حکم لازم ہے کیونکہ غلبہ ظن کے لیے مفید ہے بالخصوص جبکہ متعدد
ہوں، اور غلبہ ظن عمل کو واجب کرتا ہے۔ دوسرے لوگوں نے ان
سے اختلاف کیا اور یہ کہا ہے: اس خبر پر اس کے عام ہونے اور شیوع
کے باوجود چند اسباب کی وجہ سے اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۱) خبر مستفیض میں اسلام (مسلمان ہونا) شرط ہے، اور اہل اصول نے بھی اس کو اخبار آحاد میں شمار کیا ہے، خبر واحد صرف ایک عادل شخص کے نقل کرنے سے مقبول ہوگی۔ اور عدل کی تعریف میں اسلام ماخوذ ہے جیسا کہ یہ غیر مخفی ہے۔ علامہ ابن عابدین نے ”رد المحتار“ میں فرمایا کہ اسلام کو مشروط نہ کرنے میں قابل غور پہلو ہے اس لیے کہ یہاں جمع عظیم سے مراد وہ ہے کہ تواتر کی اس حد تک پہنچے جو علم قطعی کا موجب ہے، جبکہ یہ اس کے لیے شرط نہیں ہے، بلکہ قلبہ ظن کو واجب کرے، جیسا کہ یہ بات آگے آئے گی۔ اس کے لیے مسلمان ہونے کی شرط معدوم ہے، اس کے لیے صریح نقل کرنا ضروری ہے۔

ٹیلی گراف کی خبر اپنے اس خبر دینے والے سے حاصل کرتا ہے جو تار چلانے اور نقطے کندہ کرنے والا ہے، وہ اپنے نقطے سے دوسری طرف رہنے والے کو خبر دیتا ہے، اور دوسرا شخص اس سے یہ خبر مستبد کرتا ہے اور وہ اس کو لکھتا ہے اور اس کی تائید کرتا ہے جس نے اس کو ٹیلی گراف بھیجا ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ملت اسلام کے مخالفین ہیں۔

(۲) خبر مستفیض قضائے قاضی اور اس کے حکم سے منقول ہونے کے سبب حجت اور دلیل ہوتی ہے۔ علامہ ابن عابدین نے ”در مختار“ کے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے: اس استفاضہ میں قضائے قاضی پر کوئی شہادت نہیں ہے اور نہ شہادت علی الشہادۃ ہے۔ لیکن جب کہ یہ خبر واحد کے درجہ میں ہے، اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس شہر کے باشندگان نے فلان دن روزہ رکھا تو اس پر عمل لازم ہے۔ کیونکہ کوئی بھی شہر عام طور پر حاکم شرعی سے خالی نہیں ہوتا ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ ان کا روزہ ان کے حاکم شرعی کے حکم پر مبنی ہو، تو یہ استفاضہ حکم

مذکور کی نقل کے درجہ میں ہے۔

یہ بات آپ پر مخفی نہیں ہے کہ اس ملک یا شہر میں نہ کوئی حاکم شرعی ہے اور نہ قاضی ہے، اور ٹیلی گراف سے مستفاد حکم قضائے قاضی اور اس کے حکم سے منقول نہیں مانا جائے گا، بلکہ یہ روایت کی حکایت ہے، اور اس پر اعتماد اور اعتبار چائز نہیں ہوگا، جیسا کہ ”در مختار شرح تنویر الابصار“ میں ہے: ”درست نہیں ہے، اگر وہ دوسروں کی روایت پر گواہی دیں، اس لیے کہ یہ حکایت ہے۔ علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے: ان لوگوں نے روایت کی نہ گواہی دی ہیں اور نہ دوسروں کی گواہی پر گواہی دیں، انہوں نے تو دوسروں کی روایت کی حکایت کی ہے۔ کذا فی فتح القدیر۔

میرا کہنا ہے: اور اسی طرح وہ اگر دوسروں کی روایت کی شہادت دیں، اور اس شہر کے قاضی نے لوگوں کو صیام رمضان کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ یہ بھی قاضی کے فعل کی حکایت ہے، اور یہ اس کے فیصلہ کے برخلاف دلیل نہیں ہے۔ بحر [شرح کنز الدقائق] میں فرمایا ہے: اگر چند لوگوں نے گواہی دی کہ فلان شہر کے باشندگان نے ہلال رمضان تم سے ایک دن پہلے دیکھا ہے، اور روزہ رکھا، اور یہ ان کے حساب سے تیسواں دن ہے، اور انہوں نے چاند نہیں دیکھا، آئندہ کل کو روزہ کھولنا درست (مباح) نہیں ہے، اور اس رات کو تراویح ترک نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ ان لوگوں نے روایت کی گواہی نہیں دی، اور نہ دوسروں کی گواہی پر گواہی دی، بلکہ انہوں نے تو دوسروں کی روایت کی حکایت کی ہے۔

استفادہ کا مطلب، ثبوت ہلال کے شہر سے آنے والوں سے خبر کا

تواتر ہے۔ اور میں شکایت کرتے گمان کرتا ہوں کہ یہ خبر.....
ثبوت کے لیے ہے، بلکہ (یہ خبر) ٹیلی گراف دہندوں کے درمیان
معہود طریقہ و علامت پر مکتوب خط کی جانب سے ہے۔

(۳) فقہائے کرام نے ذکر کیا ہے کہ شہادت کا بیان..... جس میں
شہادت سے متعلق مباحث ہیں۔ ہدایہ میں ہے: مکتوب قبول نہیں کیا
جائے گا مگر دو آدمیوں یا ایک آدمی اور دو عورت کی شہادت کے، اس
لیے کہ خط ایک دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے، چنانچہ دلیل تام سے
خط ثابت ہوگا، اور یہ اس لیے کہ یہ امر لازم ہے، دلیل و حجت کا قیام
ضروری ہے۔

(۴) عوام اپنے معاملوں میں ٹیلی گراف پر اعتماد کرتے ہیں، لیکن
حکومت برطانیہ مذہب اسلام سے اپنی عداوت و مخالفت کے ساتھ
شہادت کے معاملہ میں اس پر اعتماد اور اعتبار نہیں کرتی ہے، اور شاید
یہ اس میں خطا کی راہ پانے کے امکان کے سبب ہے، اور اس کی
شہادت کے احوال اور ان کی کیفیت شہادت کی عدم تحقیق کی بناء پر
ہے۔ اور یہ مسئلہ اس وقت ہے جب ٹیلی گراف کی تعداد پانچ پر سے
زائد ہو کر دس تک ہو، اور ہلال رمضان میں جب ایک ہی ہو اور
افطار میں دو ہو اور ساتھ ہی چاند مستور ہو تو کیا رمضان میں ایک
عادل کی اور افطار میں دو آزاد عادل شخصوں کی گواہی کافی ہوگی؟ اور
کیا مذکورہ صورتوں میں ٹیلی گراف پر بالواسطہ مرسل خط کو قیاس کیا
جائے گا، کیا جامع مسجد کا امام یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسے
شہروں میں اہل اسلام کی آپسی رضامندی سے خاص طور پر ثبوت
ہلال کے بارے میں فیصلہ کرنے میں قاضی کے درجہ میں ہوگا جہاں

حاکم شرعی اور قاضی موجود نہ ہوں؟ آپ کے نزدیک کیا حق ہے؟
اس کے بارے میں اس طرح بیان کریں کہ دلوں کو اطمینان
ہو جائے، اور سینے پکھل جائیں تاکہ آپس سے نزاع اور اختلاف دور
ہو جائے، اور دونوں قول میں سے صحیح پر عمل آسان ہو جائے۔]

هو الملهم للحق والصواب

الجواب: لا يحكم ببلوغ الخبر بمجرد الكتاب المرسل، ولا يقاس عليه
فى الصور المسطورة، ولم ينزل امام المسجد الجامع منزلة القاضى به،
ولا ينفذ الحكم على التلغراف أى الاستفادة منه حتى يشهد الشاهدان
عليه بطريق موجب. فى رد المحتار:

كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضى أو
يستفيض الخبر. (۱) انتهى.

وفيه أيضاً:

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية
أولئك بطريق موجب. (۲) انتهى.

وفيه أيضاً:

شهدوا أنه شهد عند قاضى مصر كذا شاهدان برؤية الهلال
فى ليلة كذا، وقضى القاضى به جاز لهذا القاضى أن يحكم
بشهادتهما لأن قضاء القاضى حجة، وقد شهدوا به، لا، لو

(۱) رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصوم: ۳/۳۶۴، دار الكتب العلمية،

بيروت ۱۴۲۴-۲۰۰۳م، الطبعة الثانية، كشف الأستار مع الدر

للکیرانوی: ۱/۱۴۹، المطبع المجتبائی بدھلی، ۱۳۳۱-۱۹۱۳م

(۲) نفس المصدر السابق، كتاب الصوم: ۳/۳۵۹، كشف الأستار عن الدر

للکیرانوی: ۱/۱۴۹، المطبع المجتبائی بدھلی، ۱۳۳۱-۱۹۱۳م

شهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية. نعم لو استفاض الخبر في
البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب. (١)
وفي رد المحتار على الدر المختار:

ومعنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات
متعددون، كل منهم يُخبر عن تلك البلدة أنهم صاموا عن
رؤية، لا مجرد الشيوع من غير علم بمن أشاعه. (٢) انتهى.
وهل دريتم في اختلاف المطالع وهل فطنتم ماذا عبرة له أو لا عبرة له
في مسافة بعيدة على مراحل مزيدة بمسيرة شهر أو كثيرة أو قليلة؟ فاختلف
الفقهاء الحنفية على أقوال شتى. فتعالوا هنا وأتوا إلينا في مراقى الفلاح:
إذا ثبت الهلال في بلدة [و مطلع قطرها] لزم سائر الناس
في ظاهر الرواية، وعليه الفتوى، وهو قول أكثر المشائخ،
فيلزم قضاء يوم على أهل بلدة، صاموا تسعة وعشرين يوماً
لعموم الخطاب "صوموا لرؤيته" وقيل يختلف ثبوته
 باختلاف المطالع. (٣) انتهى.

وفي الفتاوى التاتارخانية:

-
- (١) الدر المختار مع الرد، كتاب الصوم: ٣/٣٥٨-٣٥٩، دار الكتب العلمية بيروت
١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م، الطبعة الثانية، كشف الأستار عن الدر للكيرانوي: ١/١٤٩،
المطبع المجتبائي بدهلي، ١٣٣١هـ-١٩١٣م
(٢) رد المحتار مع الدر، كتاب الصوم: ٣/٣٥٩، دار الكتب العلمية بيروت
١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م، الطبعة الثانية، كشف الأستار عن الدر للكيرانوي: ١/١٤٩،
المطبع المجتبائي بدهلي، ١٣٣١هـ-١٩١٣م
(٣) مراقى الفلاح مع حاشية الامام محمد بن أحمد الطحطاوي، كتاب
الصوم: ٦٥٦، مكتبة شيخ الهند بديوبند، ضبط وتصحيح: الشيخ محمد عبد العزيز
الخالدي، الطبعة الأولى، ١٤٢٨هـ-٢٠٠٧م

أهل بلدة وأهل الهلال، هل يلزمه [ذلك] فى حق كل بلدة
[أخرى]؟ اختلف [المشائخ] فيه، بعضهم قالوا: لا يلزم
[ذلك]، فأنما المعتبر فى حق أهل بلدة رؤيتهم. (١)

وفى الخاتمة:

لا عبرة باختلاف المطالع [فى ظاهر الرواية] (٢).
ومعناه اذا رأى الهلال أهل بلدة ولم يره أهل بلدة أخرى، يجب أن
يصوموا برؤية أولئك كيف ما كان على قول لا عبرة باختلاف المطالع،
وعلى قول من اعتبره ينظر، فان كان بينهما تقارب بحيث لا تختلف
المطالع يجب، وان كان يختلف لا يجب، وأكثر المشائخ على أنه لا
يعتبر. انتهى.

وفى القدوري:

اذا كان بين البلدين تفاوت لا يختلف به المطالع لزم
[حكم احدى البلدين البلدة الأخرى]، فأما اذا كان تفاوت
يختلف المطالع لا يلزم حكم احدى البلدين البلدة
الأخرى]. وذكر [الشيخ الامام] شمس الأئمة الحلواني:
انه الصحيح من مذهب أصحابنا [أن الخبر اذا استفاض
وتحقق فيما بين أهل احدى البلدين يلزمهم حكم أهل

(١) الفتاوى التارخانية للعلامة الفقيه عالم بن العلاء الدهلوي الهندي (المتوفى
٧٨٦ هـ/١٣٨٤ م)، كتاب الصوم، الفصل الثانى فيما يتعلق برؤية الهلال: ٩٥/٢، دار
الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦ هـ - ٢٠٠٥ م

(٢) الفتاوى الخاتمة على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الفصل الأول فى
رؤية الهلال ومن يجب عليه الصوم ومن لا يجب: ١/٩٨، مكتبة زكريا بديوبند،
الهند، بدون السنة والتاريخ

ہذہ البلدۃ]۔ (۱) انتہیٰ۔

وفی صحیح مسلم حدیث کرب:

أن أم الفضل بنت الحارث بعثته إلى معاوية بالشام، قال:
فقدمت الشام، فقضيت حاجتها، واستهلّ عليّ [هلال]
رمضان وأنا بالشام، فرأيت الهلال ليلة الجمعة، ثم قدمت
المدينة في آخر الشهر، فسألني عبد الله بن عباس [رضي
الله عنهما] ثم ذكر الهلال، فقال: متى رأيت الهلال؟
فقلت: رأيناه ليلة الجمعة، فقال: أنت رأيته؟ فقلت: نعم،
ورآه الناس وصاموا وصام معاوية رضي الله عنه، فقال:
لكنّا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين
أو نراه، فقلت: ألا تكفي برؤية معاوية وصيامه؟ فقال: لا
هكذا أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم. انتهيٰ. وقد
أخرج الترمذي هذه الرواية في جامعه. (۲)

وفی الکفاية شرح الهداية:

(۱) یہ عبارت امام قدوریؒ کی متداول اور درس نظامی و درس گاہ ندوہ کے نصابی کتاب ”مختصر القدوری“
میں نہیں ہے، اس کا امکان ہے کہ ان کی دوسری کسی کتاب میں یہی عبارت یعنی موجود ہو، البتہ یہ
عبارت امام فرید الدین عالم بن العلام الدہلوی ہندیؒ کی کتاب ”فتاویٰ تاتارخانیہ“ میں ہے: الفتاویٰ
التاتارخانیہ، کتاب الصوم، الفصل الثانی فی رؤیة الهلال: ۲/۹۵-۹۶ء، دار الکتب العلمیة
بیروت، ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵م الطبعة الأولى: ۳/۳۶۵-۳۶۶ء، مکتبة زکریا العلمیة
بدمیوند، ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰م الطبعة الأولى، ترتیب و تعلیق: الأستاذ شبیر أحمد القاسمی
(۲) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب بیان أن لكل بلد رؤیتهم، وأنهم اذا رأوا الهلال
یلد لا یثبت حکمہ لم یعد عنهم، رقم: ۱۰۸۷ء، جامع الترمذی، أبواب الصوم، باب ما
جاء لكل بلد رؤیتهم، رقم: ۶۹۳ء، وقال الامام الترمذی: حدیث ابن عباس حدیث حسن
صحیح غریب، والعمل علی هذا الحدیث عند أهل الحدیث أن لكل أهل بلد رؤیتهم

أهل بلدة رأوا الهلال هل يلزم ذلك في حق بلدة أخرى، اختلف فيه؛ وفي ظاهر الرواية: لا عبرة باختلاف المطالع. (١) انتهى.

وفي الفتاوى العالمية [الشهيرة بالهندية]:

لا عبرة لاختلاف المطالع في ظاهر الرواية، كذا في فتاوى قاضيه خان وعليه فتوى الفقيه أبي الليث، و[به] كان يفتي شمس الأئمة الحلواني قال: لو رأى أهل مغرب هلال رمضان يجب الصوم على أهل المشرق، كذا في الخلاصة. (٢)

وفي الدر المختار:

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب. (٣) انتهى.

وفي رد المحتار على قوله:

بطريق موجب، كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر. (٤) انتهى.

وفي الدر المختار:

لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح

(١) الكفاية شرح الهداية مع فتح القدير: ٢/٢٥٢، دار احياء التراث العربي بيروت، سنة الطباعة ١٣٤٥ هجرية

(٢) الفتاوى العالمية مع العنانية و البزازية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ١/١٩٨-١٩٩، مكتبة زكريا بديوبند، بدون السنة والتاريخ

(٣) الدر المختار مع الرد، كتاب الصوم: ٣/٣٦٤، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م، كشف الأستار مع الدر: ١/١٤٩، المطبع المجتبائي ببلدة

دهلي، الهند، ١٣٣١هـ-١٩١٣م

(٤) رد المحتار، كتاب الصوم: ٣/٣٦٤، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية

١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م

من المذهب. (۱) انتہی۔

وقال فی رد المحتار علی هذا القول عن الذخيرة: قال شمس الأئمة
الحلواني:

الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق
فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هذه البلدة. انتہی۔
مثله فی الشرعیة عن المغنی، قلت: ووجه الاستدراك أن
هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة علی قضاء قاض ولا علی
شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر، وقد ثبت لها أن
أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها. (۲) انتہی۔
فعلى هذا يكون التلغراف والكتاب المرسل علی نهج الاستفاضة
لازم العمل، وبدونه لا.

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد
أمین حسنی الحسینی تجاوز الله عن ذنبه الدقیق والسمین.

[جواب: محض ارسال کردہ مکتوب کی خبر کے موصول ہونے سے حکم
نہیں دیا جائے گا، اور تحریر کردہ صورتوں میں اس پر قیاس نہیں کیا
جائے گا، جامع مسجد کا امام قاضی کے مرتبہ میں نہیں ہوگا، اور ٹیلی
گراف سے موصول خبر پر حکم کا نفاذ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ
بطریق موجب اس پر دو آدمی گواہی دیں، ”رد المحتار“ میں ہے
کہ دو آدمی گواہی اٹھائیں یا قاضی کے فیصلہ پر دو شخص شہادت دیں یا

(۱) الدر المختار مع الرد، کتاب الصوم: ۳/۳۵۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعة
الثانیۃ ۱۴۲۴-۲۰۰۳ م. وکشف الاستار مع الدر، کتاب الصوم: ۱/۱۴۹،
المطبع المجتہبی بدہلی، ۱۳۳۱-۱۹۱۳ م

(۲) رد المحتار مع الدر شرح تنویر الأبصار، کتاب الصوم ۳/۳۵۹، دار الکتب
العلمیۃ بیروت، الطبعة الثانیۃ ۱۴۲۴-۲۰۰۳ م

خبر عام (مستفیض) ہو جائے۔ اور اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ اہل مغرب کی روایت سے اہل مشرق پر لازم ہو جاتا ہے جب ان کے نزدیک ان لوگوں کی روایت بطریق موجب ثابت ہو جائے۔

اور اسی (کتاب) میں ہے کہ لوگوں نے یہ گواہی دی کہ فلان شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے فلاں رات میں ہلال کی روایت کی گواہی دی، اور قاضی نے اس پر فیصلہ صادر کیا، تو اس قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ ان دونوں کی شہادت پر فیصلہ کرے، کیونکہ قاضی کا فیصلہ حجت و دلیل ہے، اور ان لوگوں نے گواہی دی ہیں۔ درست نہیں ہے اگر وہ لوگ دوسروں کی روایت کی گواہی دیں کیونکہ (اس وقت) یہ حکایت ہے۔ ہاں اگر دوسرے شہر میں خبر پھیل جائے تو مذہب کے صحیح قول کے مطابق ان پر لازم ہوگا۔

”رد المحتار“ میں ہے: استفاضہ کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد لوگ آئیں اور ہر کوئی یہ خبر دے کہ ان لوگوں نے روایت پر روزہ رکھا ہے، نہ کہ محض شیوخ خبر پر اس آدمی کے علم کے بغیر کہ جس نے اس کو عام کیا ہے۔

کیا آپ کو اختلاف مطالع کے بارے میں علم ہے؟ اور کیا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا اعتبار ہے یا نہیں مسافت بعیدہ میں جو کہ ایک ماہ کے چلنے کی مسافت سے زیادہ دور ہو یا زیادہ یا کم؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ متعدد اقوال کی بنا پر فقہائے احناف نے اختلاف کیا ہے، ”مراقی الفلاح“ میں لکھا ہے کہ جب ایک شہر اور اس کے ملک کے مطلع میں ہلال ثابت ہو جائے ظاہر الروایہ کے مطابق تمام لوگوں پر (روزہ) لازم ہوگا، اسی پر فتویٰ ہے، اور یہ اکثر مشائخ کا قول ہے۔ باشندگان شہر پر ایک دن کا قضا روزہ لازم ہوگا، کیونکہ انہوں نے عموم خطاب ”صوموا“

لرؤیتہ“ کی وجہ سے انتیس دن روزے رکھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا ثبوت مطلعوں کے اختلاف سے ساتھ مختلف ہوگا۔

”فتاویٰ تاتارخانیہ“ میں ہے کہ شہر والوں نے ہلال دیکھا، تو کیا یہ ہر دوسرے شہر کے حق میں لازم ہوگا؟ مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا ہے کہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ شہر والوں کے حق میں اس کی رویت معتبر ہے۔ اور ”فتاویٰ خانیہ“ میں ہے کہ ”ظاہر الروایہ“ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل شہر نے چاند دیکھا اور دوسرے شہر والوں نے نہیں دیکھا تو ان کی رویت ہلال کی وجہ سے ”اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں“ قول کی بنیاد پر جس طرح سے بھی ہو، ان لوگوں کو روزہ رکھنا واجب ہوگا، اس آدمی کے قول کی بنا پر جس نے اس کو معتبر مانا ہے، دیکھا جائے گا، اگر ان دونوں میں اس طور پر قربت پائی جاتی ہو کہ مطالع مختلف نہیں ہوتے تو واجب ہوگا، اور اختلاف مطالع ہو تو واجب نہیں ہوگا، اور اکثر مشائخ اس پر قائم ہیں کہ (اختلاف مطالع) معتبر نہیں ہے۔ ”قدوری“ میں ہے کہ جب دو شہروں میں اگر اتنا تفاوت ہو کہ جس سے مطالع مختلف نہیں ہوتے تو ایک شہر کا حکم دوسرے شہر پر لازم ہوگا، اگر ایسا تفاوت ہے کہ مطالع کا اختلاف پایا جاتا ہے تو ایک شہر کا حکم دوسرے شہر پر لازم نہیں ہوگا۔ اور شمس الائمہ امام حلوائی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کے مذہب میں صحیح یہی ہے کہ اگر خبر عام ہو جائے دونوں شہروں میں سے ایک شہر کے رہنے والوں کے درمیان میں تحقیق ہو جائے تو اس شہر والوں کا حکم ان پر لازم ہو جائے گا۔

”صحیح مسلم“ میں حدیث کریب ہے کہ ام الفضل بنت الحارث نے کریب کو حضرت معاویہؓ کے پاس شام بھیجا، انہوں نے کہا کہ میں شام آیا اور ان کا کام پورا کر لیا، اور رمضان کا چاند نکل آیا اور آنحالیہ کے میں

ابھی شام میں ہی تھا، میں نے جمعہ کی رات میں چاند دیکھا، مہینہ کے اخیر میں مدینہ آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا پھر چاند کا ذکر کیا، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ تم نے چاند کب دیکھا؟ میں نے جواب میں کہا کہ ہم نے جمعہ کی رات میں دیکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے چاند دیکھا تھا؟ میں نے کہا: ہاں، اور لوگوں نے بھی دیکھا ہے، اور ان لوگوں نے روزہ رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا، انہوں (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ ہم نے ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا تھا، مسلسل روزہ رکھ کر تیس دن مکمل کریں گے، یا چاند دیکھ لیں گے۔ میں نے کہا کہ حضرت معاویہؓ کی روایت اور ان کے روزہ پر آپؐ اکتفا کیوں نہیں کرتے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔ ”کفایہ شرح ہدایہ“ میں ہے کہ شہر والوں نے چاند دیکھا تو کیا یہ دوسرے شہر کے حق میں لازم ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے، ”ظاہر الروایہ“ میں ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اختلاف مطالع کا ظاہر الروایہ میں اعتبار نہیں ہے۔ یہی مسئلہ ”فتاویٰ قاضی خان“ میں ہے۔ اور اسی پر فقیہ ابواللیث (سمرقندی) کا فتویٰ ہے، شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ اس پر فتویٰ دیتے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ اہل مغرب نے رمضان کا چاند دیکھا تو اہل مشرق پر روزہ رکھنا واجب ہے۔ یہی (مسئلہ) ”خلاصۃ الفتاویٰ“ میں بھی ہے۔

”در مختار“ میں ہے کہ اہل مغرب کی روایت سے اہل مشرق کو (افطار) لازم ہو جاتا ہے، اگر ان کی روایت ان کے یہاں بطریق موجب ثابت ہو جائے۔ ”رد المحتار“ میں ’بطریق موجب‘ کی تشریح میں ہے کہ دواؤں گواہی کا تحمل کریں، یا قاضی کے حکم پر گواہی

ویں یا خبر مستفیض ہو جائے۔ ”در مختار“ میں ہے: اگر خبر دوسرے شہر میں عام ہو جائے تو مسلک میں صحیح قول کی بنیاد پر لازم ہوگا۔ علامہ ابن عابدین شامی نے اس قول پر ”ذخیرۃ الفتاویٰ“ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب کے مذہب میں صحیح یہ ہے کہ جب خبر مستفیض ہو جائے اور دوسرے شہر والوں میں بھی متحقق ہو جائے تو ان لوگوں پر اس شہر کا حکم لازم ہو جائے گا۔ اس کی مثال ”المفتی“ سے منقول ہو کر ”مرآۃ الفلاح شربلالی“ میں مرقوم ہے: میں نے کہا کہ استدراک کی صورت یہ ہے کہ اس استفاضہ میں قضائے قاضی پر گواہی نہیں ہے اور نہ ہی شہادت علی الشہادۃ ہے، لیکن جب یہ خبر متواتر کے درجہ میں ہے، اور اس کے لیے یہ ثابت ہے کہ اس شہر کے رہنے والوں نے فلان دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل لازم ہو جائے گا۔ اس بنیاد پر ٹیلی گراف اور خطوط مرسلہ استفاضہ کے طریقہ اور نتیجہ پر ہے تو لازم العمل ہے، اور اگر یہ صورت نہیں ہے تو درست نہیں ہے۔]

تراویح کا شرعی حکم؟

سوال: [اس مسئلہ میں علماء ومفتیان کیا فرماتے ہیں کہ] تراویح سنت ہے یا نفل؟ اور اگر ایک حافظ تین مسجد میں ساٹھ رکعت یا بیس رکعت میں تین مقام پر پڑھاوے تو جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہوگی تو اس کو کیا کہیں گے؟ فقط۔

هو المصوب

جواب:

”ومن قام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه“ (۱)
[جو شخص ایمان اور ثواب کی امید سے قیام رمضان کرے تو اس کے

(۱) جامع الترمذی، أبواب الصوم، باب ما جاء فی فضل شهر رمضان، رقم: ۶۸۳، سنن ابی داؤد، أبواب شهر رمضان، باب فی قیام شهر رمضان، رقم: ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، دار السلام الرياض

پچھلے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں]

تراویح (۱) جس کو قیام رمضان کہتے ہیں، بلا عدد رکعات [ہے] (اور) کتب

(۱) تراویح مردوں اور عورتوں پر سنت مؤکدہ ہے، مردوں کے لیے جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اگر محلہ کی مسجد میں تراویح کی جماعت نہیں ہوگی تو تمام محلہ والے گنہگار ہوں گے، اور اگر محلہ کی مسجد میں تراویح کی جماعت ہوگی تو ترک سنت کے گناہ سے اہل محلہ محفوظ ہوں گے۔ تراویح کی بیس رکعتیں دس سلاموں، اور پانچ ترویج کے ساتھ ہیں، بعض احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات کا ثبوت ملتا ہے، اگرچہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو، لیکن متعدد آثار صحابہ کی تائید کی وجہ سے ان کا ضعف دور ہو جاتا ہے، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

كان رسول الله (ﷺ) يصلي في رمضان بعشرين ركعة والوتر.

(السنن الكبرى للبيهقي، رقم: ۴۶۱۵، مصنف ابن أبي شيبة، رقم: ۷۷۷۴، معجم الامام الطبراني، رقم: ۱۲۱۰۲)

اور خود خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل خود ایک حجت ہے کہ ان حضرات کے مبارک دور میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ امام بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے:

كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان ثلاث وعشرين ركعة.

ایک روایت میں ہے: والثلث من الوتر۔ امام مالکؒ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ ۳۶ رکعات ہیں، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو سامنے رکھ کر یہ کہنا کہ تراویح دو تر دونوں کی کل رکعتیں گیارہ ہیں، درست نہیں ہے، اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان وغیر رمضان دونوں میں گیارہ کا معمول تھا، یہاں قابل غور پہلو یہ ہے کہ رمضان کے علاوہ میں بھی گیارہ اور رمضان میں بھی گیارہ رکعات؟؟؟؟!! رمضان میں کوئی اضافہ نہیں؟؟!! اور جہاں تک تراویح کی بات ہے تو یہ تہجد کے علاوہ نماز ہے، اور بیس رکعات پر صحابہ کرام اور ائمہ و علماء وفقہائے امت کا اجماع ہے، اور امت کا تعامل بھی یہی ہے کہ آج تک بیس رکعتیں تراویح کی پڑھی جاتی آئی ہیں۔ تفصیلات کے لیے ”الرأى النجیح فی عدد رکعات التراويح“ از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، رکعات تراویح از مولانا ابوالہماثر حبیب الرحمن محدث اعظمیؒ نیز استاد گرامی مفتی راشد حسین ندوی مدظلہ العالی کی کتاب ”مسئلی اختلافات اور راہ اعتدال“ میں شامل تراویح کی بحث میں تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

احناف میں [ہے] مثل در مختار کے۔

التراویح سنة مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدين، انتھی (۱)

[تراویح خلفائے راشدین کی مواظبت کی وجہ سے سنت مؤکدہ ہے]۔

(اور) ایک حافظ ایک جگہ امامت کرے۔ حنفیہ کے نزدیک امامت ایک

شخص (۲) کی دو جگہ وزائد ناجائز (اور) ساٹھ غیر ثابت۔

واللہ أعلم وعلمہ اتم وأحکم، رقمہ محمد امین حسنی الحسینی،

عفی عنہ وتجاوز اللہ عن ذنبہ الدقیق والسمین

(۱) الدر المختار علی هامش الرد، کتاب الصلوٰۃ، مبحث صلوٰۃ التراویح: ۱/۴۷۲،

دار الطباعة المصرية سنة ۱۲۷۲ھ

(۲) ایک ہی شخص کی امامت دو جگہ درست نہیں ہے، کیونکہ امام و مقتدی کی نماز میں امام کی نماز کو درجہ کے اعتبار سے اولیٰ و اعلیٰ ہونا چاہیے، یا کم از کم دونوں برابری کے درجہ میں ہوں، یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، اور اسی طرح ایک فرض نماز پڑھنے والے پیچھے دوسری فرض نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، البتہ فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے نفل نماز پڑھنے والے کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نفل والے کی نماز مفترض کے پیچھے اس لیے درست ہے کہ فرض نماز نفل کے مقابلہ میں اقویٰ و اولیٰ ہے، اس کے برخلاف متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز اور ایک وقت کے مفترض کی دوسرے وقت کے مفترض کے پیچھے مثلاً ایک ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اور ایک دوسرا شخص عصر کی نماز پڑھ رہا ہے تو ہر ایک کا ایک دوسرے کی اقتداء درست نہیں ہے، کیونکہ امام و مقتدی کی نماز میں استواء (برابری) ضروری ہے، اور یہاں یہ چیز مفقود ہے، اور متنفل کے پیچھے پڑھنے میں عدم جواز کا مسئلہ اس لیے ہے کہ نفل نماز فرض کے مقابلہ میں اولیٰ و اضعف ہے، جب کہ فرض نماز نفل کے مقابلہ میں اقویٰ ہے۔ اسی بنیاد کو سامنے رکھتے ہوئے تراویح میں بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دو جگہ پڑھانے میں ایک کا درجہ قوی ہوگا اور دوسرے کا ضعیف ہوگا، اور یہ درست نہیں ہے۔

کتاب الحج

حج بدل

خلاصہ ار باب اختیار، زبدۃ اصحاب ابرار، محی السنۃ والدین، برگزیدہ بارگاہ احسن الیقین، جناب سید محمد امین صاحب ضاعف اللہ برکاتہ۔ پس از الوف گزارش مراتب آداب تعظیم و تکریم ما واجب علینا بغرض می پردازد۔ مکرما دو استفتی از جانب خاکسار گرامی خدمت فیض در جنت کے پہنچے ہیں، امید ہے کہ از راہ شفقت بزرگانہ و اخلاق مربیانہ کے، صحیح الجواب اس کے سے، مجھے مشرف فرمائیں، کمال ممنون ہوں گا۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ (معروضہ: ابو عبیدہ ضیاء النبی)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے ذمہ ادائے منّت حج واجب ہے اور شخص مذکور سفر کرنے سے معذور ہے یا فوت ہو گیا ہے۔ اور ایک شخص نے دو حج کیے ہیں، ایک حج کا ثواب حاجی صاحب موصوف خرچ حج لے کر شخص معذور یا متوفی کو بخش دیں، تو ادائے منّت حج ہو سکتی ہے؟ بیذاتو جروا۔

هو المصوب

جواب: نہیں ہو سکتی ادائے منّت حج جو عبارت [ہے] ایفائے نذر سے۔ اور ایفائے نذر واجب و فرض ہے۔ کما فی قوله تعالیٰ:

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ (۱)

[اور اپنی نذریں پوری کریں]

اور نیابت حج میں عند الاحناف عند العجز بشرط دوام العجز وبشرط نیت ہے۔ چنانچہ در المختار میں ہے:

كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط [لكن] بشرط دوام العجز الى الموت، لأنه فرض العمر حتى تلزم الاعادة بزوال العذر، وبشرط نية الحج عنه أى عن الأمر، فيقول: أحرمت عن فلان وليت عن فلان، ولو نسي اسمه فنوى عن الأمر صح، وتكفي نية القلب. (۱) انتهى.

[جو عبادت مال و بدن دونوں سے مرکب ہے جیسے فرض والا حج، تو عجز و ناتوانی کے وقت نیابت قبول کی جاتی ہے، بشرطیکہ موت تک عجز کے برقرار ہو، اس لیے کہ حج تمام عمر میں ایک بار فرض ہے، یہاں تک کہ عذر کے زائل ہونے کے ساتھ (حج کا) اعادہ لازم ہے، اور اس شرط کے ساتھ کہ آمر (حج کی نیابت کے حکم دینے والے) کی طرف سے نیت کر کے (حج کرے)، پس وہ یوں کہے کہ میں نے فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھا، میں نے فلاں کی طرف سے لبیک کہا، اور اگر آمر (جس کی نیابت کیا جا رہی ہے) کا نام بھول جائے، تو آمر کی طرف سے نیت کرے، تو بھی صحیح ہے، اور دل کی نیت کافی ہے۔]

اور حج جو پہلے حاجی صاحب نے اپنی جانب سے خدا کے واسطے نفع آخرت کے لیے [کیے] جس کو اب بھانڈا دنیا فروخت کر رہے ہیں، اور زبرد زور دے رہے ہیں، اس میں منت کرنے والے کی طرف سے پہلے نیابت کب پائی جاوے گی؟ اس تقدیر پر شرط فوت ہوگئی، اور حدیث بھی جواز نیابت حج کا، عاجز مایوس زندہ سے یا متوفی

(۱) الدر المختار شرح تنویر الابصار مع الرد، کتاب الحج، باب الحج عن الغير،

مطلب فی الفرق بین العبادۃ والقربۃ والطاعة ۴/ ۱۵، دار الکتب العلمیة

مردہ [کی طرف] سے حج کرنے کے ساتھ [جڑا ہوا ہے] نہ حج کیے ہوئے کو بخش دینے کے ساتھ۔ کما فی صحیح مسلم:

ان امرأة من خثعم قالت: يا رسول الله! ان ابی شیخ کبیر، علیہ فريضة الله فی الحج، وهو لا يستطيع أن يستوي علی ظهر بعيره. فقال النبي صلى الله عليه وسلم: فحجی عنه. (۱) انتہی۔

[صحیح مسلم میں روایت ہے: قبیلہ خثعم کی ایک خاتون نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) بیشک میرے والد بہت بوڑھے ہیں، ان پر حج فرض ہو چکا ہے، اور وہ اپنے اونٹ پر سوار ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں۔ (ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس تو ان کی طرف سے حج کر لے] وفی الترمذی:

جاءت امرأة الى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: ان امی ماتت ولم تحج، أفأحج عنها؟ فقال: نعم، حجی عنها. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. (۲) انتہی۔

[سنن ترمذی میں ہے: ایک خاتون، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اس نے کہا: میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے حالانکہ انہوں نے حج نہیں کیا، کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمالة وهرم ونحوهما أو للموت، رقم: ۱۳۳۵، دار السلام، الرياض. سنن الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء فی الحج عن لشیخ الکبیر والمیت، رقم: ۹۲۸، ۹۳۰، دار السلام، الرياض
(۲) سنن الترمذی، أبواب الحج، باب منه [باب ما جاء فی الحج المیت، رقم: ۹۲۹، دار السلام، الرياض]

آپ (ﷺ) نے فرمایا: ان کی طرف سے حج کر۔ ابو عیسیٰ نے کہا:
یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔]

وفی النووی:

ومذهب الجمهور جواز الحج عن العاجز بموت أو غضب
وهو الزمانة والهرم ونحوهما. وقال مالك والليث
والحسن ابن صالح: لا يحج أحد عن أحد إلا عن ميت لم
يحج حجة الاسلام. قال القاضي: وحكى عن النخعي
وبعض السلف: لا يصح الحج عن ميت ولا غيره وهي
رواية عن مالك وإن أوصى به. وقال الشافعي والجمهور:
يجوز الحج عن الميت عن فرضه ونذره، سواء أوصى به أم
لا، ويجزى عنه. ومذهب الشافعي وغيره أن ذلك واجب
في تركته، وعندنا يجوز للعاجز الاستنابة في حج التطوع
على أصح القولين. (۱) انتهى.

وفی عمدة القاری:

وقالت الحنفية والشافعية بجواز الاستنابة للشيخ الفاني
وكذا الحج عن الميت. (۲) انتهى.

[شرح نووی میں ہے: جمہور کا مسلک عاجز کی طرف سے حج کے جواز کا

(۱) شرح النووی، کتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحوهما أو للموت،
۲۲۹/۵، تحقیق: الشیخ عرفان حسونة، دار احیاء التراث العربی بیروت بدون التاریخ
(۲) نقل عبارت میں سہو ہوا ہے یا حاصل مسئلہ کو صاحب فتاویٰ نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے،
واللہ اعلم بالصواب، اس کے لیے ملاحظہ کیجئے علامہ بدر الدین عینی کی ”عمدة القاری شرح
البعاری“، کتاب الحج، باب وجوب الحج وفضله، رقم الحدیث: ۱۵۱۳ کی
شرح، اور کتاب جزاء الصيد، باب الحج والنذور عن الميت..... الخ، رقم: ۱۸۵۲ تا
۱۸۵۴، باب حج المرأة عن الرجل، رقم: ۱۸۵۵، جلد ہفتم، مطبوعہ زکریا بکڈ پریس پور پور

ہے، خواہ عجز موت کی وجہ سے یا غضب یعنی کبر سنی عمر اور مصیبت و آفت وغیرہ کی وجہ سے ہو۔ امام مالک ولیث اور حسن بن صالح کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے حج نہ کرے سوائے اس میت کی طرف سے جس نے اسلام کا حج نہیں کیا۔ قاضی نے کہا کہ امام شافعی اور بعض سلف سے حکایت ہے کہ میت اور اس کے علاوہ کی طرف سے حج صحیح نہیں ہے، اور امام مالک کی یہ بھی ایک روایت ہے، اگرچہ وہ وصیت کر جائے۔ امام شافعی اور جہور فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے فرض ہو یا نذر، حج کرنا جائز ہے، خواہ وہ اس کی وصیت کرے یا نہ کرے۔ شافعی اور ان کے علاوہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ اس کے ترکہ میں سے واجب ہے۔ اور ہمارے نزدیک عاجز کے لیے نیابت کرنا حج تطوع (نفل) میں اصح قول کی بنیاد پر جائز ہے۔ (امام نووی کی عبارت مکمل ہوئی)۔ عمدہ القاری میں ہے: حنفیہ اور شافعیہ شیخ فانی (کھوسٹ بوڑھا) اور میت کی طرف سے جواز نیابت کے قائل ہیں۔]

واللہ أعلم، وعلمہ اتم وأحکم، رقمہ العبد المذنب، الطالب الراغب
الی رحمة اللہ المتین المکنی بأبی المحاسن محمد آمین حسنی
الحسینی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ ولوالدیہ.



کتاب النکاح

بائندی سے بلا عقد جماع؟

سوال: پروردگارِ عالم نے لونڈی یا بائندی سے بلا عقد و نکاح کے، جماع و صحبت کیوں مباح کیا؟ فقط۔

هو العليم الخبير

جواب: جو حلال کیا ہم پر ہمارے خالق نے، اسی کو حلال جانیں، اور اس کے حرام [کردہ] کو حرام سمجھیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

نزل القرآن على خمسة أوجه، حلال وحرام ومحکم ومتشابه وأمثال، فأحلوا الحلال وحرموا الحرام وآمنوا بالمتشابه واعتبروا بالأمثال. (۱) انتھی۔ ہکذا فی المصابیح عن أبی هريرة رضي الله عنه.

[قرآن مجید پانچ وجوہ (بنیادوں) پر نازل ہوا، حلال، حرام، محکم، متشابه اور امثال۔ چنانچہ حلال کو حلال جانو، اور حرام کو حرام سمجھو، اور (آیات) محکمت پر عمل کرو، اور متشابهات پر ایمان رکھو اور امثال سے عبرت حاصل کرو۔ اسی طرح مصابیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے۔]

(۱) شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی قراءة القرآن بالتفخيم والاعراب،

رقم الحديث: ۲۲۹۳، فصل فی ترك التفسير بالظن، رقم الحديث: ۲۰۹۵

اس میں ایمان ہے، اور جناب من! اس کی کتنی بڑی جرأت و گستاخی ہے؟!!
اس کے حلال فرمودہ میں دم مارنا کیا ایمان ہے؟

العیاذ باللہ من ذلک، سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک أنت
العلیم الحکیم۔ ما أحلّ اللہ علینا فهو حلال، وما حرّم علینا فهو حرام، انی
آمنت بما جاء [به] النبی علیہ السلام۔

[العیاذ باللہ من ذلک، تیری ذات پاک ہے، ہم کو کو صرف اتنا ہی علم
ہے جتنا تو نے ہم کو سکھا دیا۔ بے شک تو بڑے علم والا ہے، بڑا حکمت
والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہم پر حلال کیا، وہ حلال ہے اور جو حرام
کیا، وہ حرام ہے۔]

اس نے کتنی بڑی نعمت دی (اور) وسعت کی، ہم پر کہ جس کو قدرت، طول و مہر
حرہ پر (اور) مؤنّت و زیادہ فضل پر قدرت نہ ہوتی [ہو] تو اس کے حق میں ترقی نسل
و کثرت امت آنحضرت علیہ السلام کے، اس کر کے کیوں کر [کوئی صورت] متصور و
پیدا (اور) ہو پیدا ہوتی؟

ہزاران ہزار شکر، باری تعالیٰ [کا ہے] جس نے لونڈی کی حلت کا ایسا حکم،
فراغت و وسعت کا، بھیجا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ فِتْيَانِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ (۱)

[اور تم میں جو ایمان والی عورتوں سے نکاح پر قدرت نہ رکھتا ہو، تو وہ

ان ایمان والی باندیوں سے نکاح کر لے جو تمہاری ملکیت میں ہوں]

جو، مضمون بالا کی صداقت کرتا ہے (اور) شہادت دیتا ہے، اور حکمت، طرح
طرح کی دکھاتا ہے (اور) مصلحت، نوع بنوع کی بتاتا ہے (اور) منفعت، قسم قسم کی
سمجھاتا ہے، اسی سے یہ اور اک ہوتا ہے کہ عقد یعنی نکاح سے ملک بالبیع (اور) اختیار،

تمتع واستمتاع کا، بطرز مشروع ہو جاتا ہے، اور ائمہ یعنی لوٹڈی شرعی میں ملک رقبہ [جو عام و شامل تمتع واستمتاع کو ہے] حاصل ہوتی ہے، تو تمتع واستمتاع سے اپنے ملک میں منجانب شارع، ممانعت باقی نہ رہی، تو اباحت کی گئی (اور) اجازت دی گئی۔

(اور) اگر مباح کیوں کیا؟ مراد اس سے، مسائل کی سند علت (اور) دلیل اجازت درکار ہے منجانب شریعت، (اور) آیت و سنت سے، کہ کس سند اور کون [سی] دلیل سے مباح کیوں کر کیا گیا (اور) سمجھا گیا؟

سودھیت میں وارد ہوا [ہے]:

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حَنْزِ بْنِ بَعَثَ جَيْشاً إِلَى أَوَاطِسَ، فَلَقُوا عَدُوًّا، فَقَاتَلُوهُمْ، فَظَهَرُوا عَلَيْهِمْ وَأَصَابُوا لَهُمْ صَبَايَا، فَكَانَ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ وَسَلَّمَ تَخَرَّجُوا مِنْ غَشِيَانِهِنَّ، مِنْ أَجْلِ أَزْوَاجِهِنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عِزَّ وَجَلَّ فِي ذَلِكَ

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (۱)

اُی فہن لکم حلال، اذا انقضت عدتہن“ (۲)۔ انتہی کذا رواہ مسلم فی صحیحہ، وأخرجہ عن أبی سعید الخدری۔ والمراد بقولہ، اذا انقضت عدتہن اُی استبراءتہن، وہی بوضع الحمل عن الحامل، وبحیضۃ من الحائل (غیر الحامل) کما جاءت به الأحادیث الصحیحۃ۔ ہکذا ذکرہ

الامام النووی فی شرحہ (۳) لمسلم۔ فقط

(۱) النساء: ۲۴ (۲) صحیح مسلم، باب جواز وطئ المسبیۃ بعد

الاستبراء، وان کان لہا زوج انفسخ نکاحہا بالسی، رقم الحدیث: ۱۴۵۶

(۳) المنہاج شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب النکاح، باب جواز المسبیۃ بعد

الاستبراء: ۳۷۹/۵، دار احیاء التراث الاسلامی، تحقیق: د. عبد الرحمن المرعشلی

[ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن اوطاس کی طرف ایک لشکر کو روانہ فرمایا تو وہ لوگ دشمن سے ملے، انہوں نے ان سے قتال کیا تو ان پر فتح حاصل ہوئی اور اپنے ساتھ قیدیوں کو بھی لائے، چنانچہ چند صحابہ کو اپنی بیبیوں کی موجودگی کی وجہ سے مشرکین میں سے قیدی پانڈیوں کے ساتھ جماع کرنے میں حرج ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (۱)

[اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام کی گئیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں سوائے ان کے، جن کے تم مالک ہو] یعنی وہ تمہارے لیے حلال ہیں جب ان کی عدت گزر جائے۔ حدیث کی عبارت پوری ہوئی۔ اسی طرح امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے حدیث کی تخریج کی ہے، اور ”اذا انقضت عدتھن“ سے مراد استبراء رحم ہے، اور یہ حاملہ کے لیے وضع حمل ہے اور حیض والی کے لیے ایک حیض ہے جیسا کہ اس بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ اسی طرح اس کو امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔]

واللہ علیم بذات الصدور، حرره العبد المذنب محمد امین حسنی الحسینی، عصمه اللہ عن الشرور فی الدنیا والدین، عن خلاف البطون والظہور، جعلہ فی الکونین بالسور، وغفر لہ الذنوب وستر لہ العیوب، یا علام الغیوب.

کافرہ زانیہ کے قبول اسلام کے بعد نکاح؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان نے

عورت کافرہ کے ساتھ ایک مدت تک زنا کرتا رہا، بعدہ توبہ کیا عورت نے چھ سات ماہ بعد، توبہ کر کے مسلمان ہوئی، بعدہ اس مرد نے عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کیا، مباح ہو یا نہیں؟ اور اہل اسلام اس مرد و عورت سے شملات میں خورد و نوش رکھیں یا نہیں؟

هو المصوب

جواب: درست ہے اسلام، ڈھانے والا [ہے] کفر و شرک کا۔ مگر اسلام نام [ہے] وحدانیت الہی و رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قائل ہونا، نماز پنجگانہ پڑھنا، روزہ رمضان کا رکھنا، زکوٰۃ مال کی دینا اور حج بیت اللہ کا کرنا۔ نہ صرف زبان سے مسلمان کہلانے کو ہو جانا، فرض خدا ادا نہ کرنا، کھانا پینے کو راستہ کھل جانا، شملات پر اور نہ وائل اسلام میں ہو جانے کو پاپ کا باپ بن کر کام نکالنے کو گھات ہاتھ آنا، یہ کیا اسلام برائے نام بلکہ مسلمان لوگ؟ (اور) اب سال چند مہینہ مضبوطی اسلام و پابندی شریعت و سنت کی دیکھ کر (اور) پا کر شملات اہل اسلام کریں ”مخلصاً لہ الدین“ چاہیے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے:

”الاسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله
وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة وتصوم رمضان وتحج البيت
إن استطعت إليه سبيلاً“ (۱) رواه البخاري ومسلم.

[اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر وہاں تک جانے کی استطاعت ہے۔]

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی (ﷺ): بني الإسلام على خمس، رقم: ۸، باب سوال جبریل النبی (ﷺ) عن الإسلام والایمان والاحسان وعلم الساعة، رقم: ۵۰۰. صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الایمان والإسلام والاحسان..... الخ، رقم: ۸، باب: الایمان ما هو؟ وبيان خصاله، رقم: ۹، دار السلام، الرياض

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم، حرره الراجی رحمۃ ربہ المتین محمد
امین حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الدقیق والسمین۔

ولایت نکاح

سوال: حامداً ومُصلياً ومُسَلِّماً، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع
متین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ مسلمہ عاقلہ بالغہ حرہ ایک مرد قوم
ہندو کے تابع رہی، اور اسی مرد مذکور سے اس کو ایک لڑکا مسمیٰ عبدالرزاق اور ایک لڑکی
بدھیہ پیدا ہوئی، اور اب مسماۃ بدھیہ نابالغہ کے نکاح کر دینے میں حق ولایت آیا مسماۃ
ہندہ کو ہے یا اس کے بھائی عبدالرزاق کو ہے؟ اور بصورت موجود رہنے عبدالرزاق
کے، بلارضا مندی عبدالرزاق کے ہندہ کو نکاح کر دینے کا مسماۃ بدھیہ کو ہے یا نہیں؟
اگر منجملہ ولیمین مذکورین کے کسی ایک ولی نے بدھیہ مذکورہ نابالغہ کا نکاح کر دیا تو
بعد بلوغ کے اس کو اختیار بلوغ کا حق ہے یا نہیں؟ اختیار بلوغ میں نکاح فسخ کرنے کے
واسطے قاضی کا ہونا شرط ہے تو اگر جس مرد مسلمان ویندار پرہیزگار اہل علم کو ایک
جماعت کے لوگ مسلمان نے نکاح وہنجگانہ ونماز جمعہ وعیدین ونماز جنازہ وغیرہ امور
دینی کے لیے قاضی مقرر کیے ہیں، [اور] یا کسی عالم کے روبرو فسخ نکاح کرا دیا جائے تو
درست ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں کا حکم قاضی کا جیسا اجراء ہے، معلوم امیدوار ہے کہ
جملہ مسائل کا جواب صاف صاف ارشاد ہو؟ بیٹواتو جروا، فقط۔

(مرسلہ: قاضی سید چراغ علی قادری از چھاؤنی دورنڈہ)

هو المصوب

جواب: ولایت مسماۃ ہندہ کو ہے۔ کیونکہ ولد الزنا لاحق ساتھ ماں کے [ہے] نہ
کہ زانی کے، اس لیے کہ حق زانی میں حدیث میں وارد ہوا:

”للعاهر الحجر“ العاهر - الزانی، وعهر - زنی، عهرت -

زنت، والعهر - الزنا، ومعنی له الحجر اى له الخيبة، ولا حق

لہ فی الولد. انتہی. کذا ذکرہ النووی. (۱)
 اللہ تعالیٰ نے اسلام اور کفر کے درمیان میں راہ نہیں رکھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ:
 ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ (۲)
 [اور اللہ ہرگز مسلمانوں پر کافروں کو کوئی راہ نہیں دے گا]
 (اور) جبکہ ولد الزنا کا باپ نہ ٹھرا، ارخ بنت سرئیہ کہاں سے ٹھرے گا؟ کیونکہ
 ثبوت نسب باپ سے منقشی بلکہ ماں سے نسب ثابت، کما فی أصول الفقه من نور
 الأنوار وغیرہ:

لأن نسب الولد عنها لا ينقطع .
 [جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں مثلاً نور الانوار وغیرہ میں لکھا ہوا ہے:
 اس لیے کہ ماں سے بچہ کا نسب منقطع نہیں ہوتا ہے۔]
 (اور) باعتبار عصبہ ولایت بھائی کو تقدم، اوپر ولایت ماں کے، ہے۔ مگر جبکہ
 ثبوت نسب شرعی ہو، (اور) بعد ولایت عصبہ، ولایت ماں کی ہے۔ کما عرف فی الفقہ
 پس ہندہ کو حق نکاح کر دینے کا مسماۃ بدہیا کے حاصل ہے، الا [یہ کہ] بدہیان بالغہ کو بعد
 بلوغ اختیار فتح ہوگا۔ چنانچہ صغیرہ جو نکاح سے ہو، اس کے لیے تصریح خیار ہے بعد
 بلوغ کے۔ کما فی الہدایۃ:

واطلاق الجواب فی غیر الأب والجد يتناول الأم
 والقاضي، وهو الصحيح من الرواية لقصور الرأي فی
 أحدهما ونقصان الشفقة فی الآخر، فیتخیر. (۳) انتہی.

[ہدایہ میں ہے: باپ اور واد کے علاوہ میں جواب کا غیر مقید ہونا ماں

(۱) شرح النووی، کتاب الرضاع، باب الولد للفراس وتوقی الشبہات: ۳۸۱/۵، دار

(۲) النساء: ۱۴۱

احیاء التراث العربی بیروت

(۳) الہدایۃ مع حاشیۃ العلامة الکنوی، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والاکفاء:

۳۱۷/۲، یاسر اینڈ ندیم کمپنی دیوبند، بلاسنہ

اور قاضی کو بھی شامل ہے، ظاہر الروایہ سے صحیح یہی ہے کیونکہ ایک میں رائے کی کمی ہے تو دوسرے میں شفقت کم ہے، چنانچہ اسے فسخ کا اختیار ہوگا۔]

(اور) فسخ کرنے کے لیے قاضی شرط ہے۔ کما فی الہدایۃ:

ویشترط فیہ القضاء. (۱)

[ہدایہ میں ہے: نکاح کو فسخ کرنے میں قضائے قاضی شرط ہے]

پس قضاء قاضی مصنوعی کافی نہیں، بلکہ جس ریاست اہل اسلام میں قاضی ہو، مثل رامپور و بھوپال (۲) وغیرہ جا کر یا حکم منگا کر فسخ کرا لیوے، (اور) حکم قاضی ہر زمانہ واحد، و حکم شرعی باید۔

واللہ أعلم وعلمہ اتم وأحکم، حررہ محمد امین حسنی الحسینی،

عفا عنہ المتین.

صغیرہ کو بعد بلوغ، فسخ نکاح کا حق ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کی شادی خالد کے ساتھ سن صغیر میں کی گئی، اصل ولی کے حکم سے، بعد بلوغ کے ہندہ [نے] انکار کیا، ناراضگی اپنی ظاہر کی، تب نکاح فسخ ہوگا یا نہیں؟

هو المصوب

جواب: اصل ولی اگر (اب یا جد) صغیرہ کا نکاح کرے، بعد بلوغ کے بھی فسخ

(۱) الہدایۃ مع حاشیۃ العلامة اللکنوی، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والأکفاء

۳۱۷/۲، یا سرائینڈ ندیم کمپنی دیوبند، سن طباعت ۱۳۱۷ھ

(۲) اب یہ ریاستیں ختم ہو چکی ہیں، اور موجودہ دور میں مختلف صوبوں میں امارت شریعہ قائم ہیں وہاں دارالقضاء کا پورا نظام چلتا ہے، اور جہاں نظام امارت نہیں ہے وہاں کل ہند مجلس مسلم عائلی قانون (مسلم پرنسپل لاء بورڈ) کے زیر انتظام والفہرام متعدد صوبوں اور ریاستوں میں دارالقضاء قائم ہو چکی ہیں، وہاں سے رجوع کرنا چاہیے۔ از: من ن

باطل ہے۔ اور اگر اصل بوجہ نطفہ کے ماں ٹھہر گئی تو یہی قائم مقام ولی اول کا ہے۔ اگر دوسرا کوئی کرے خواہ اپنی ولایت سے باحکم اصل ولی کے، تو اصل ولی کے حکم سے بھی نکاح نہ فسخ ہوگا۔ اور وہی نکاح بعد بلوغ اگر صغیرہ ناراضگی ظاہر کرے۔ اور اصل ولی کے سوا دوسرا کوئی متکفل، نکاح کا ہو، تب فسخ متحقق ہوگا۔ کذا فی الدر المختار وکنز الدقائق والہدایۃ وغیرہا۔ فقط

هو الموفق

جواب: بغیر اب وجد کے، جس کی ولایت سے نکاح صغیرہ کا ہوگا، بعد بلاغ کے اختیار فسخ ہوگا۔ کما فی وقایۃ الروایۃ:

ثم ان زوجهما الأب أو الجد لزم، وفي غيرهما فسخ الصغیران حين بلغا أو علما بالنکاح بعده. (۱) انتہی۔
وہكذا فی النہر: وفي غيرهما أى غير الأب والجد كالأخ والأم والقاضی أو وکیل الأب نعم لو عين الأب لو کیلہ رجلاً غیر کفو أو مقدار المہر فزوج علی حسب تعینہ لزم. (۲) انتہی۔

[وقایۃ الروایۃ میں ہے کہ پھر ان (صغیر اور صغیرہ) کی شادی باپ یا دادا کرے تو لازم ہو جاتی ہے، اور ان دونوں کے علاوہ میں صغیران کو فسخ کرنے کا اختیار ہے جب وہ بالغ ہو جائیں یا اس کے بعد نکاح کا علم ہو جائے۔ اور ان دونوں (باپ اور دادا) کے علاوہ میں جیسا کہ بھائی، ماں، قاضی یا باپ کا وکیل، ہاں اگر باپ نے اپنے وکیل کے لیے ایک غیر کفو آدمی یا مہر کی مقدار متعین کر دے تو اس نے اس کی

(۱) وقایۃ الروایۃ بشرح الوقایۃ مع عمدة الرعاۃ: ۲/۲۱، مکتبہ تھانوی دیوبند، بلا سنہ،

باہتمام وقار علی بن مختار علی (۲) عمدة الرعاۃ فی حل شرح الوقایۃ:

۲/۲۱، مکتبہ تھانوی دیوبند، سن طباعت غیر مرقوم، باہتمام وقار علی بن مختار علی

تعیین کے مطابق نکاح کر دیا تو وہ لازم ہو جائے گا۔]

وفی الهدایة: وإطلاق الجواب فی غیر الأب و الحد یتناول الأم والقاضی، وهو الصحیح من الروایة لقصور الرأي فی أحدهما ونقصان الشفقة فی الآخر. (۱) انتهى.

وفی الکفایة: وكذلك الأم اذا زوجت الصغیر والصغیرة جاز عند أبی حنیفة رحمه الله، وفی اثبات الخيار لهما اذا أدركا عنه روايتان، فی احدی الروایتین لا یتثبت، لأن شفقتها وافرة كشفقة الأب أو اکثر، والأصح أنه یتثبت لهما الخيار، لأن لها قصور الرأي مع وفور الشفقة، ولهذا لا یتثبت ولا یتها فی المال، وتمام النظر بوفور الرأي والشفقة. کذا فی المبسوط، وقصور الرأي فی الأم، ونقصان الشفقة فی القاضی. انتهى. (۲)

[ہدایہ میں ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ میں جواب کا اطلاق ماں اور قاضی کو شامل ہے، اور روایت سے صحیح یہی ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کے اندر رائے کا قصور ہے اور دوسرے میں شفقت کی کمی ہے۔

اور ”کفایہ“ میں ہے: اور اسی طرح ماں ہے کہ جب اس نے صغیر اور صغیرہ کا نکاح کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، بعد بلوغ ان دونوں کے اختیار کے ثبوت میں آپؐ سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں اختیار ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ باپ کی شفقت کی طرح یا

(۱) الهدایة، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والأکفاء: ۳۱۷/۲، ذکر یا کتاب خانہ

چوراستہ، جیسور بنگلہ دیش، بلا سنہ

(۲) الکفایة شرح الهدایة مع فتح القدیر، باب فی الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۷۶، دار

احیاء التراث العربی بیروت

اس سے زیادہ ماں کی شفقت پوری پائی جاتی ہے، اور اس صبح یہ ہے کہ ان دونوں کو اختیار ہوگا، اس لیے کہ فور شفقت کے ساتھ اس میں رائے کا قصور (کمی) ہے، اور اسی وجہ سے اس کی ولایت مال میں ثابت نہیں ہوتی ہے، مکمل نگرانی و فور رائے اور پوری شفقت کے ساتھ ہی معتبر ہے، اسی طرح ”مبسوط“ میں ہے۔ اور ماں میں رائے کی کمی ہے، اور قاضی کے اندر شفقت کی کمی اور نقصان ہے۔]

وفی الدر المختار: ولزم النکاح، ولو بغبن فاحش، بنقص مهرها وزيادة مهره أو زوجها بغير كفو، ان كان الولي المزوج بنفسه بغبن، أباً أو جداً. (۱) انتہی۔

وأيضاً فيه: وإن كان المزوج غيرهما أي غير الأب وأبيه، ولو الأم أو القاضی أو وكيل الأب، لكن في النهر بحثاً لو عین لو كيله القدر صح، لا يصح النکاح من غير كفو أو بغبن فاحش أصلاً، وما في صدر الشريعة صح ولهما فسخه، وهم. وإن كان من كفو وبمهر المثل صح، ولكن لهما أي لصغير وصغيرة وملحق بهما خيار الفسخ، ولو بعد الدخول، بالبلوغ أو العلم بالنکاح بعده، لقصور الشفقة. (۲)

[الدر المختار میں ہے: نکاح لازم ہو جائے گا (بعد بلوغ صغیر اور صغیرہ کو نکاح فتح کرنے کا اختیار نہیں ہوگا) اگرچہ بغبن فاحش (صریح

(۱) الدر المختار مع رد المختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۴/۱۷۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعة الثانية ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م

(۲) الدر المختار مع رد المختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۴/۱۷۳-۱۷۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعة الثانية ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م، تحقیق: الشیخ عادل أحمد عبد المعبود، الشیخ علی محمد معوض

نقصان) کے ساتھ ہو، اس طرح کہ صغیرہ کا مہر کم ہو، اور صغیر کا مہر زیادہ کر دیا ہو، یا اس (صغیرہ) کی شادی غیر کفو میں کر دی ہو، اگر ولی جس نے نکاح بذاتِ خوصریح نقصان سے کیا ہو، وہ باپ یا دادا ہے۔ اسی درمختار میں دوسری جگہ ہے: اگر شادی کرانے والا باپ اور دادا کے علاوہ ہے، اگرچہ وہ ماں، قاضی، یا باپ کا وکیل کیوں نہ ہو، لیکن ”نہر شرح کنز“ میں ایک بحث ہے کہ اگر باپ اپنے وکیل کے لیے مہر کی مقدار متعین کر دی تو نکاح صحیح ہوگا، اور (تزوج غیر اب وجد سے) نکاح غیر کفو سے، یا غبن فاحش (صریح نقصان) کے ساتھ بالکل صحیح نہیں ہوگا، اور جو صدر الشریعہ کی کتاب میں ہے کہ (غیر اب وجد کا غیر کفو یا نقصان صریح کے ساتھ نکاح کر دینا) صحیح ہے، اور (بعد بلوغ) ان دونوں (صغیر اور صغیرہ) کو نکاح کے فسخ کر دینے اختیار ہے، درست نہیں ہے۔ اور اگر (تزوج غیر اب وجد کی) کفو سے ہے، اور مہر مثل کے ساتھ ہے، تو نکاح صحیح ہے۔ لیکن صغیر اور صغیرہ اور ان کے بائق (اجتہاد اور مجنون) کو نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہے، اگرچہ دخول (ہم بستری) کے بعد ہو، بلوغ کے بعد یا بلوغ کے بعد نکاح معلوم ہونے کے وقت (نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ یعنی اگر شروع سے نکاح کا علم تھا تو بلوغ کے وقت اختیار ہے، اور اگر شروع میں معلوم نہیں تھا تو بلوغ کے بعد بھی معلوم ہونے تک اختیار ہے) شفقت کی کمی کی وجہ سے۔]

واللہ اعلم وعلمہ اتم وأحکم و أعظم، رقمہ محمد امین حسنی

الحسینی، غفر لہ اللہ ذنوبہ.

کتاب الرضاعة

رضاعت اور حرمت نکاح

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ایسی صورت میں: زید ابن بکر - ہندہ بنت عمرو کے ساتھ ایام و بدت مشہورہ میں بشرکت شیر خواری دودھ شریک بھائی بہن بن گئے۔ ایسی صورت میں نکاح صرف زید بن بکر کا نکاح ساتھ ہندہ بنت عمرو کے، حرام تصور کرنا چاہیے؟ یا جس قدر اولاد صلبی یعنی لڑکی لڑکا ازواج منکوحہ وغیر منکوحہ مستیان بکرو عمرو سے پیدا ہوں، نکاح ہر ایک لڑکی بکر کا، ساتھ ہر ایک لڑکا عمرو کے، (اور) نکاح ہر ایک لڑکی عمرو کا، ساتھ ہر ایک لڑکا بکر کے، حرام ہے؟ یتنوا تو جروا۔ فقط

(سائل: فاروق احمد، ازکشی، معروضہ ۱۲/ شعبان ۱۳۱۵ھ)

هو المصوب

جواب: جو دونوں دودھ شریک بھائی بہن ہوئے، ان کے میان میں نکاح و تزویج حرام ہے۔ واقعی نہ تصوری، معقولی یا معقولی مصنوعی غیر سمعی مصنوعی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَأَنْحَوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ﴾ (۱) نص قطعی [ہے]۔ و کذا جاء فی الخبر: یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب. (۲) رواہ مسلم فی صحیحہ.

(۱) النساء: ۲۳ ترجمہ:- اور (حرام ہیں) تمہاری وہ بہنیں جو رضاعت سے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب ما یحرم من الرضاعة..... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

[نسب سے جو حرام ہوتی ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتی ہیں۔]
وحرمت مناکحت بین الرضیع والمرضعة وأبنائهما وبناتهما، نہ [کہ]

غیر رضیع پر۔

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند
واز جانب شیر خوارہ زوجان و فروع
واللہ أعلم، وعلمہ اتم وأحکم. نقمہ محمد امین حسنی الحسینی
تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین. فقط

ثبوت رضاعت میں صرف شہادت نسواں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص مسماۃ زینب کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو سسلی فلاں کی زوجہ۔ جو چچا زاد بہن ہندہ مذکورہ کی تھی۔ [نے] دودھ پلا دیا ہے، حالانکہ اس دودھ پلانے کا کسی کو علم نہیں (اور) نہ کسی نے پلاتے دیکھا ہے، صرف اس بات پر یہ کہا جاتا ہے کہ جب چچا زاد بہن مسماۃ ہندہ اس لڑکی کی بحالت مرض سرسام مبتلا ہو کر قریب المرگ پہونچی، تب اس کی زبانی مسماۃ فلاں موسومہ رقیہ نے جو اس کی پھوپھی ہے صرف اس قدر سنا تھا کہ میں مسماۃ زینب کا دودھ بخش دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ضرور مسماۃ زینب کو کسی قدر دودھ پلایا ہوگا اور یہ بھی کہا جانا اس کے کسی اور اقرباء گھر والوں کی زبانی نہیں صرف ایک عورت کا مقولہ ہے، اور وہ یہ بھی کہتی ہے کہ جب مسماۃ ہندہ نے بحالت مرض الموت، اپنے انتقال کے یہ کہا تھا اس وقت سوائے میرے اور کوئی نہ تھا، اور جس زمانہ کا دودھ پلا دینا کہا جاتا ہے اس وقت مسماۃ ہندہ کی نسبت یہ بھی کہا جاتا ہے اس کے شکم

..... بقیہ حاشیہ..... ما یحرم من الولادة، ۱۴۴۴، باب تحریم ابنۃ الأخ من الرضاعة،

رقم: ۱۴۴۷، سنن ابن ماجہ، أبواب اکتکاح، باب ما یحرم من الرضاعة ما یحرم من

النسب، رقم: ۱۹۳۸، سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاعة ما

یحرم من النسب، رقم: ۲۰۵۵

میں چھ سات ماہ کا ایک حمل تھا، اور اپنے لڑکے کا جو گود میں اس کے تھے دودھ نہیں پلاتی تھی، اور یہ لڑکی جس کی نسبت دودھ پلا دیا جانا صرف زبانی اسی ایک عورت کی کہا جاتا ہے اس کی عمر البتہ قریب آٹھ ماہ کے رہی ہوگی، اور مسماۃ ہندہ کے شوہر کو بھی اس کا علم نہیں ہے، اور نہ اس نے اپنی عورت کی زبانی کبھی ایسا نہیں سنا ہے۔

پس ایسی حالت اور صورت میں شرعاً کیا حکم ایسے دودھ پلانے کی نسبت ہے؟ اور احکام رضاعت اس پر جاری کیے جاویں گے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔ فقط۔

هو المصوب

جواب: حکم رضاعت نہیں دیا جاوے گا۔ صرف ایک عورت کیا بلکہ کئی عورتیں تنہا شہادت میں ہوں تب بھی حنفیہ کے نزدیک رضاعت نہیں ثابت [ہوتی]، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ولا تقبل فی الرضاع شهادة النساء منفردات وانما یثبت بشهادة رجلین أو رجل و امرأتین. (۱) انتھی۔
[رضاعت کے سلسلہ میں تنہا عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، اور رضاعت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے]۔

نصاب شہادت کما فی قولہ تعالیٰ:

﴿وَأَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ﴾ (۲)۔ انتھی۔

[اپنے لوگوں میں سے دو کو گواہ بنالو، پھر اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں]۔

واللہ اعلم وعلمہ أحکم، حرره الراجی عفو ربہ المتین [محمد

أمین] حسنی الحسینی، غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ۔

(۱) الہدایۃ، کتاب الرضاع: ۳/۱۲۹، مکتبۃ البشری، لاہور پاکستان، الطبعة الثانیة

(۲) البقرة: ۲۸۲

۲۰۰۷-۵۱۴۲۸ھ

رضاعت میں عورت کی گواہی ناکافی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کی زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ حالت نابالغی میں ہوا، جو کہ حقیقی چچا کی لڑکی ہے، قبل نکاح باپ زید و ہندہ دونوں کی فوت ہو گئی، زید کی ماں نے دوسرے موضع میں عقد کر لیا تھا، عرصہ سال بھر کا ہوا، زید کی ماں آئی تھی اور کہا ہندہ کی ماں سے یعنی ہندہ کو میں نے دودھ پلایا ہے، یہ کہہ کر دونوں خاموش ہو گئیں، بعد کو عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ پھر زید کی ماں آئی تو زید کی ماں اور ہندہ کی ماں دونوں ایک شخص معتبر کے مکان پر گئیں تو میں بی بی دونوں مکان پر موجود تھے، ہندہ کی ماں سے شخص معتبر کی بی بی نے کہا کہ یہ کہتی ہیں کہ میں نے ہندہ کو دودھ پلایا ہے، تب زید کی ماں نے کہا کہ ہاں میں نے دودھ پلایا ہے اور ہندہ کی ماں بیماری کی وجہ سے کئی روز بے ہوشی میں تھی اس وجہ سے نہیں جانتی، تو میں کہہ دیتی ہوں اپنے سر پر بوجھ نہیں لوں گی، تب شخص معتبر کی بی بی نے کہا: یہ تو اچھا نہ ہوا، تم نے نکاح کے وقت کیوں نہیں کہا؟ تو کہا: مجھے یاد نہ تھا اس وجہ سے نہیں کہا، اور شخص معتبر دونوں میاں بی بی سنتے تھے، اور برابر تصدیق کرتے ہیں اور زید کی ماں بھی اقرار کرتی ہے، کہ میں نے دودھ پلایا ہے، بعد اس کے کئی روز کے پھر چلی گئی، زید نہ معلوم خود فرار و نشیب سوچایا کسی شخص سے پوچھا مگر اس کی قراہتوں میں اس کا شور و غل ہوا، پھر انکار کرتی ہیں۔

(الملمس:- محمد عباس خان، موضع خدا داد پور، ڈاکخانہ پھر با ضلع اعظم گڑھ)

هو المصوب

جواب: زید کی ماں کا تنہا کہنا پایہ اعتبار سے ساقط، خواہ ایک سے، خواہ چند سے، خواہ معتبر شخص سے مکان جا کر کہنا صرف زید کی ماں کا وہ غیر مسموع ہے، کیونکہ رضاع بقول ایک زن یعنی ایک عورت کے کہنے سے ثابت نہیں ہوتا۔ کنز میں ہے:

يثبت (الرضاع) بما يثبت به المال. (۱)

(۱) کنز الدقائق مع حواشی الفقیہ اعزاز العلی المروہی / ۱۱۰، المطبع القاسمی بدیوبند، سن طباعت ۱۳۳۵ھ، باہتمام مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندی، صفحہ ۵۴، مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ، طبع سادہ ۱۳۲۱ھ

[رضاعت ثابت ہوتی ہے اس چیز سے جس سے مال ثابت ہوتا ہے
یعنی دو آدمیوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورت کی گواہی سے۔]
اس کے نیچے صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں:

وهو شهادة رجلين عدلين أو رجل وامرأتين، فلا يثبت
بشهادة امرأة واحدة. انتہی. (۱)

[دو عادل آدمی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہے، اور رضاعت
ایک عورت کی گواہی سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔]

واللہ اعلم وعلمہ اتم وأحكم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد
امین حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الدقیق والسمین.



(۱) یہ عبارت دو فقہی کتابوں (البحر الرائق، عمدۃ الرعیۃ) سے ماخوذ ہے، دیکھئے: عمدۃ
الرعیۃ فی حل شرح الوقایۃ، کتاب الرضاع: ۶۵/۲، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ سن
طباعت غالباً ۱۳۳۱ھ-۱۹۲۲م کے آس پاس، اس موضوع پر، فقیہ الہند علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کا
ایک جامع و مختصر رسالہ ”الافصاح عن شہادۃ المرأة فی الارضاع“ کے نام سے مطبع یوسفی ہی
سے شائع ہے جو مجموعہ سبع رسائل میں شامل ہے۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب
النکاح، باب الرضاع: ۲۳۲/۳، اصلاح کردہ از مولانا غلام نبی تونسلی، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ،
کوئٹہ پاکستان، مطبوعہ بلا سنہ

کتاب الطلاق والرجعة

شادی کر دو کہنے سے کون سی طلاق ہوگی؟

سوال: ہندہ کے بالغ ہونے پر اگر چند آدمی کے بیچ میں اس کے ولی اور کفیل نکاح سے کہہ دے کہ ہندہ کی شادی کر دو، تو یہ حکم دینا خالد کا ولی کو ایک طلاق کنائی سمجھا جاوے گا یا نہیں؟ فقط۔

جواب: گو خالد کسی کے جواب میں یا اپنے سے کہہ دے کہ ہندہ کا نکاح کر دو، ایک طلاق کنائی سمجھا جائے گا کہ حکم رجعت کا رکھتا ہے، تین حیض گزرنے سے عدت کامل ہو جائے گی، اسی وقت میں وہ طلاق رجعت طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے، جب تک ہندہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے گی، اور دخول ہونے کے بعد زوج ثانی طلاق دیکر عدت کامل اس کی نہ گزرے گی، تب تک خالد کے ساتھ کہ زوج اول اس کا ہے نکاح جائز نہ ہوگا۔ لہذا فی سائر کتب فقہ۔

واللہ اعلم بالصواب، المجیب: بندہ خادم العلماء حضرت شاہ

پشاورى، حال مقام: وراجمی ضلع نوہر، فقط

هو الملهم للحق و الصواب

صورت مسئلہ میں یعنی کہنا خالد کا زوجہ اپنی کے باب میں جو مسماۃ ہندہ ہے، خواہ خطاب کرے کہ ہندہ کی شادی کر دو، طلاق رجعتی ہے۔ خواہ بالکنایہ، ساتھ نیت لیا جائے یا بلا نیت کہا جاوے۔ کما فی الدر المختار [فی] آخر باب الکنايات

نقلًا عن القنية، هكذا عبارته :

وفى القنية زوج امرأته من غيره، لم يكن طلاقاً، ثم وقم ان
نوى، طلقت. اذهبي وتزوجي، تقع واحدة بلا نية. (۱) انتهى.
[در مختار، باب الکنايات کے آخر میں ”القنية“ سے منقول ہے، اس
کی عبارت یہی ہے، قنیہ میں ہے: اس کی عورت کی، دوسرے سے
شادی کر دو، طلاق واقع نہیں ہوگی۔ پھر وہ کہے کہ کھڑے ہو جا اگر
اس نے (طلاق) کی نیت کی ہے تو طلاق ہوگی، تو چلی جا، اور تو
شادی کر لے، تو بلا نیت ایک طلاق واقع ہوگی۔]

(اور) جبکہ طلاق رجعی ہوگی، اندر عدت رجعت ہے، (اور) بعد گزرنے مدت
عدت رجعی، بائن ہو جاتی ہے۔ ضرورت تجدید نکاح ہے، نہ تحلیل جو کہ مغلطہ سے
متعلق، نہ بایسنہ سے علاقہ۔ حالانکہ جیسا کہ مجیب اول شاہ صاحب پشاورى نے جواب
میں تحریر کیا، غلطی فاش واقع ہوئی، نعوذ باللہ من ذلک، یا محمول او پر شاہی کے کیا جاوے
یا جناب شاہ صاحب کو کتب فقہیہ و علوم دینیہ سے مانست نہیں، صرف سماعت مسائل
سامعہ ہے، یاد میں حکم بایسنہ کے حکم مغلطہ آگیا، حضرت شاہ صاحب کو دھوکہ ہو گیا، لہذا
تحقیق مسائل شرعیہ پر ضرور [ی] ہے، ار باب علم و فضل کو بغیر علم بالمسائل افتاء میں
ارتکاب حرمت۔ و ما علینا الا البلاغ۔

پس طلاق رجعی میں اندر عدت رجعت [ہے]۔ کما فی شرح الوقایہ:

وهی فی العدة لا بعدها لمن طلقت دون ثلاث ای فی

الحرۃ اما فی الامۃ فلا رجعة الا فی الواحدة. (۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الکنايات: ۴/۵۵۰-۵۵۱،

دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م الطبعة الثانية

(۲) شرح الوقایہ مع عمدة الرعاية، کتاب الطلاق، باب الرجعة، بیان ما یکون به

الرجعة وما لا یکون: ۹۷/۲، مکتبہ تھانوی دیوبند بلا سنہ

ہکذا فی الہدایۃ: وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض، لقوله تعالى ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ (۱) من غیر فصل۔ (۲) انتہی۔

وقوله تعالى ﴿وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ (۳)

وفی الدر المختار: [ہی استدامة الملك القائم بلا عوض] ما دامت فی العدة۔ (۴)

[شرح الوقایہ میں ہے: رجعت عدت کے اندر ہوتی ہے، نہ کہ عدت کے بعد، یہ اس کے لیے ہے جس کو تین سے کم طلاق دی گئی ہے، مراد حرہ (آزاد) ہے، اور باندی میں صرف ایک ہی میں رجعت ہے۔ ہدایہ میں ہے: جب آدمی اپنی عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی دیتا ہے تو عدت کے اندر اس سے وہ رجعت کر سکتا ہے، خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ”ان کو اچھائی کے ساتھ روکو“ بغیر فصل کے فرمایا۔ اور (دوسری جگہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور اس مدت میں ان کے شوہر ان سے رجوع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں“۔ در مختار میں ہے: (رجعت قائم ملکیت کو بلا عوض برقرار رکھنا رجعت ہے) جب تک کہ وہ عدت میں ہے۔]

(۱) البقرة: ۲۳۱

(۲) الہدیۃ مع حواشی العلامة اللکناوی، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹۴، یسرایئیل ندیم کمپنی دیوبند، مکتبۃ البشری لاہور: ۵/۲۱۵، الطبعة الثانية

(۳) البقرة: ۲۲۸

(۴) الدر المختار مع رد المختار، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۵/۲۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م الطبعة الثانية

(اور) بعد گزرنے عدت کے طلاق رجعی بائن ہوتی ہے، اسی واسطے بعد عدت کے رجعت نہیں، (اور) حلالہ کی بھی حاجت نہیں بلکہ نکاح کفایت کرتا ہے۔ کما فی

شرح الوقایۃ:

ونکاح مُبَانَة بلا ثلاث فی عدتها وبعدها. (۱) انتہی.

وکذا فی الهدایۃ: وإذا کان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن یراجعها فی العدة وبعدها انقضائها، لأن حلّ المحلیۃ باقی، لأن زواله معلق بالطلقة الثلاثۃ. (۲) انتہی.

وکما فی الدر المختار: ینکح مبانة بما دون الثلاث فی العدة وبعدها بالاجماع، ومنع غیره فیها لاشتباه النسب. (۳) انتہی.

[شرح الوقایہ میں ہے: طلاق بائنہ والی سے جو کہ تین طلاقیں نہیں ہیں، عدت کے اندر (رجوع) اور اس کے بعد میں نکاح درست ہے۔ اور ہدایہ میں ہے: جب طلاق بائن بغیر تین کے ہو تو عدت کے اندر اور عدت گزرنے کے بعد رجوع (نکاح) کرنا اس کے لیے جائز ہے، اس لیے کہ محل کی حلیت باقی اور قائم ہے، اس لیے بھی کہ اس کا زوال (ختم ہونا) تین طلاق سے معلق اور وابستہ ہے۔ در مختار میں ہے: مطلقہ بائنہ بما دون الثلاث سے عدت اور اس کے بعد بالاجماع نکاح کر سکتا ہے، اور اس میں نسب کے خلط ملط اور اشتباہ سے بچنے کے لیے اس

(۱) شرح الوقایۃ مع عمدة الرعاۃ، کتاب الطلاق، بیان ما یتعلق بمعلقة الجعی من الأحکام: ۱۰۱/۲، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند بلا سنہ

(۲) الهدایۃ، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳۹۹/۲ مع حاشیۃ الامام اللکناوی، یاسر ایڈنڈیم کمپنی دیوبند، مکتبۃ البشری لاہور: ۲۲۶/۵، الطبعة الثانیۃ

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فی العقد علی المبانة: ۲۳/۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م الطبعة الثانیۃ

کے علاوہ (دوسرے سے نکاح) کو منع کیا گیا ہے۔]
 (اور) طلاق مغلفہ کے لیے البتہ حلالہ شرط ہے، واسطے حلال ہونے اور پر زوج
 اول کے۔ کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (۱) انتہی۔
 [پھر اگر وہ اس کو طلاق دے دے، تو اس بعد اس کے لیے وہ عورت
 اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے
 شوہر سے تعلق نکاح قائم نہیں کر لیتی۔]

اور مراد طلاق سے طلاق ثلاثہ ہے۔ کَمَا فِي الْهِدَايَةِ:

وَالْمُرَادُ الطَّلَاقُ الثَّلَاثَةُ. (۲) انتہی۔

وَأِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا فِي الْحَرَّةِ، أَوْ ثَنَتَيْنِ فِي الْأَمَةِ، لَمْ تَحِلَّ
 لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيحًا، وَيَدْخُلَ بِهَا. (۳)
 هَكَذَا فِي الْهِدَايَةِ.

وَفِي شَرْحِ الْوَقَايَةِ: وَلَا تَحِلُّ حَرَّةٌ بَعْدَ ثَلَاثٍ وَلَا أَمَةٌ بَعْدَ
 ثَنَتَيْنِ حَتَّى يَطَّأَهَا غَيْرُهُ بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ. (۴) انتہی۔

وَفِي تَنْوِيرِ الْأَبْصَارِ [مَعَ الدَّرِّ الْمَخْتَارِ]: لَا يَنْكِحُ مَطْلُوقَةً بِهَا
 أَى بِالثَلَاثِ لَوْ حَرَّةً، وَثَنَتَيْنِ لَوْ أَمَةً، حَتَّى يَطَّأَهَا غَيْرُهُ وَلَوْ

(۱) البقرة: ۲۳۰

(۲) الہدایہ، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیما تحل بہ المطلقة: ۵/۲۲۶،
 مکتبۃ البشرى لاہور، الطبعة الثانية، ۱۴۲۸ھ - ۲۰۰۷م

(۳) الہدایہ، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیما تحل بہ المطلقة: ۵/۲۲۵،
 مکتبۃ البشرى لاہور، الطبعة الثانية، ۱۴۲۸ھ - ۲۰۰۷م

(۴) شرح الوقایہ مع عمدة الرعاۃ، کتاب الطلاق، بیان ما یتعلق بمتعلقة الرجعی من
 الأحکام: ۱۰۱/۲، مطبوعہ مکتبۃ تھانوی دیوبند بلا سنہ

مراہقاً بنکاح نافذ۔ (۱) انتہی۔

[ہدایہ میں ہے: اور مراد اس سے تین طلاق ہے، اور آزاد عورت میں تین طلاقیں ہوں یا باندی میں دو طلاقیں ہوں تو اس کے لیے حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی سے نکاح صحیح کر لے، اور وہ (شوہر ثانی) اس سے دخول بھی کرے۔ شرح الوقایہ میں ہے کہ حرہ (آزاد) عورت تین کے بعد اور باندی دو کے بعد حلال نہیں یہاں تک کہ اس سے کوئی دوسرا شخص نکاح صحیح کرے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: وہ مطلقہ خلاشہ سے نکاح نہیں کرے گا، اگر حرہ (آزاد) ہے، اور دو طلاق والی سے بھی، اگر وہ باندی ہے، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس عورت سے نکاح صحیح کرے، اگرچہ وہ مراہق (بلوغت کے قریب) ہو، نافذ ہونے والے نکاح کے ساتھ۔]

واللہ أعلم بالصواب، وعندہ أم الكتاب، حررہ الراجی عفو ربہ
المتین محمد أمين القطبي حسني الحسيني النصير آبادي تجاوز الله عن
ذنبه الخفي والمبين.

خط سے وقوع طلاق؟

سوال: ایک شخص [نے] ملک برما سے اپنی عورت کو بذریعہ خط ہندوستان کو طلاق لکھ کر روانہ کر دیا ہے، اور وہ عورت کہتی ہے کہ ہم کو بلا قصور طلاق دیا، ہم کہیں نہ جاویں گے، البتہ ہمارا قصور ثابت کریں تو ہم جان سکتے ہیں، بعد ازاں دو چار آدمی ان سے پوچھنے لگے کہ تمہاری عورت نے کیا قصور کیا ہے کہ جو تم نے طلاق دیا ہے، تو پھر کہتا ہے

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فی العقد علی المبانی: ۵/ ۴۰-۴۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م الطبعة الثانية

کہ اس وقت مجھ کو خفگان ہو گیا تھا اور اس کا کچھ تصور نہیں تھا۔ اب آپ سب کوئی جیسا کہیں ویسا کروں۔ اب تو مجھ سے تصور ہو گیا۔

هو المصوب

الجواب: وفي الدر المختار:

ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب، كأن يكتب: يا فلانة! اذا أتاك كتابي هذا، فأنت طالق، طلقت بوصول الكتاب. (۱) جوہرۃ، انتہی۔

[در مختار میں ہے: اگر وہ خط اور خطاب کے طریقہ پر لکھے، اس طور پر تحریر کرے کہ اے فلانہ! جب میرا یہ خط تجھے پہنچے تو تجھے طلاق ہے، خط کے موصول ہونے کے ساتھ وہ مطلقہ ہو جائے گی۔ کذا فی الجوہرہ۔]

طلاق موقوف تصور وغیر تصور پر نہیں ہے، (اور) لکھنے پر اقبال کیا، اب ایک طلاق دیا یا دو یا تین، بر تقدیر ایک و دو، اندر عدت کے رجعت ہے، رجوع کر لیوے (اور) تین طلاق کی صورت پر مغلطہ [ہے]، بلا حلالہ حلال نہیں ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (۲)

[پھر اگر وہ اس کو طلاق دے دے، تو اس بعد اس کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے تعلق نکاح قائم نہیں کر لیتی۔]

ایک دو میں بعد گزرنے عدت کے بائسہ [ہے] رجعت نہیں، ضرورت نکاح پڑھنے کی پڑے گی۔ فی الدر المختار:

وينكح مبانة بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالاجماع،

(۱) الدر المختار مع الرد، کتاب الطلاق: ۴/۴۵۶، دار الکتب العلمیۃ بیروت،

(۲) البقرة: ۲۳۰

الطبعة الثانية ۱۴۲۴-۲۰۰۳م

و منع غیرہ فیہا لاشتباہ النسب. (۱) انتہی.

[در مختار میں ہے: وہ (شوہر) اپنی مطلقہ بابت غیر ثلاثہ سے عدت کے اندر (رجوع) اور اس کے بعد بالاجماع نکاح کر سکتا ہے، اور دوران عدت (اس شوہر کے علاوہ) دوسرے کے ساتھ نکاح سے اشتباہ نسب کی وجہ سے ممنوع ہے۔]

واللہ أعلم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد امین حسینی
الحسینی عفی عنہ

ایک مجلس میں تین طلاق کا حکم؟

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے حقیقی بھائی سے کہا کہ میں گھر میں نہ رہوں گا، سفر کروں گا، اس نے پوچھا: کیا سبب ہے؟ تب بیان کیا کہ آپ کی اہل خانہ کی چھوٹی ہمشیرہ نے میری ماں بہن کو گالیاں دیں ہیں، مجھے برداشت نہیں، تب اس نے اپنی بی بی سے دریافت کیا، معلوم ہوا کہ فی الحقیقت گالیاں دی ہیں، شوہر نے کہا: مجھ سے کیوں اطلاع نہ کی، عورت نے کہا: مارے خوف کے نہیں عرض کیا، مرد جاہل ناعاقبت اندیش نفس بندہ [نے] طیش [میں آ] کر کے بیساختہ مکر، سہ کر، زبان پر لایا کہ ”میں نے تجھے طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا۔ یہ کہہ کر مکان سے باہر آیا، بعد چند عرصہ کے غصہ فرو ہوا، اور شیطان اتر گیا، تب پھر پشیمان و پریشان ہوا، اور استغفار کیا، اب چاہتا ہے کہ پھر وہ عورت بدستور اپنے عقد نکاح میں مسلم رہے، خواہ جرم مانہ یا کفارہ یا کسی نوع سے تو بہتر ہے، اس صورت میں کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ بغیر حلالہ اور بغیر دوسرے کے ساتھ نکاح کیے ہوئے، اپنے تحت و تصرف میں رہے؟ بینوا تو جروا۔

هو المصوب

جواب: صورت مسئلہ میں جبکہ کلمہ دو طلاق دیا مکرر بلا خطاب تجھے جواول میں

کہا، (اور) ارادہ دو پچھلے کلمہ سے تاکید اول کی قصد کیا، جیسے کہ نہ لانا ”واو عطف“ کا، جس کا ترجمہ اردو میں ”اور“ ہوتا ہے، دلالت کرتا اور تاکید کے۔ بر تقدیر قصد کرنے کے طلاق رجعی ہوا، اندر عدت اختیار رجعت ہوگا، (اور) غیر مدخولہ ایسی صورت میں بابتہ ہوگی، نکاح سے عورت یعنی زوجہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:

فان فرّق الطلاق، بانّت بالأولی، ولم تقع الثانية والثالثة، وذلك

مثل أن تقول: أنت طالق طالق طالق..... الخ. انتہی (۱)

[اگر لفظ طلاق کو الگ الگ کر کے کہا ہے تو پہلے سے ہی بابتہ ہو جائے گی، اور دوسری اور تیسری طلاقیں واقع نہیں ہوں گی، اور یہ ”انت طالق طالق طالق“ کہنے کی طرح ہے۔]

ور مختار میں ہے:

کرّر لفظ الطلاق وقع الكل، فان نوى التاكيد دين..... انتہی (۲)

[طلاق کے الفاظ کو کرر استعمال کیا ہے تو کل طلاقیں واقع ہوں گی،

اگر تاکید کی نیت کرے تو بھی دیانۃ طلاق واقع ہو جائے گی۔]

ور نہ نہیں یعنی اگر دونوں صورت نہیں بلکہ ثلاثہ سے یعنی تینوں کلمہ سے تین طلاق

ارادہ کیا [تو] مغلطہ ہوگا۔ کما فی النووی شرح صحیح مسلم:

المراد أن المعتاد في الزمن الأول كان طلاقاً واحدة، وصار

الناس في زمن عمر (رضي الله عنه) يوقعون الثلاث دفعة،

فنقذه عمر (رضي الله عنه) فعلى هذا يكون اخباراً عن

اختلاف عادة الناس، لا عن تغير حكم في مسألة

(۱) الهدایہ، کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق، فصل فی الطلاق قبل الدخول:

۱۶۷/۳، مکتبۃ البشری کراتشی، الطبعة الثانية ۱۴۲۸ھ - ۲۰۰۷م

(۲) الدر المختار مع الرد، کتاب الطلاق، باب طلاق غیر المدخول بہا: ۵۲۱/۴،

دار الکتب العلمیۃ الطبعة الثانية، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م

واحدة. انتہی (۱)

[شرح نووی میں لکھا ہے: مفہوم یہ ہے کہ زمن اول میں عادت ایک طلاق کی تھی، اور لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تین طلاقیں ایک ہی دفعہ میں واقع کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تینوں طلاق نافذ کر دی، اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ یہاں (مقصود) لوگوں کے اختلاف عادت کے بارے میں خبر دینا ہے، ناکہ ایک مسئلہ میں حکم کے بدلنے کے بارے میں بتانا ہے۔]

(اور) مغلطہ میں حکم، نص قطعی قرآنی سے حلالہ کا ہوگا:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (۲) انتہی

[اگر اس نے عورت کو طلاق دی ہے تو اس کے بعد اس کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح (ہم بستری لازمی ہے) نہ کرے۔]

واللہ اعلم، حرره الراجی عفوریہ المتین محمد امین حسنی

الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبه الفث والسمین.

ایک مجلس میں تین طلاق اور اس کا شرعی حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے جو روہندہ سے ایک مجلس میں تین مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی۔ تو اس صورت میں طلاق بائن واقع ہوئی؟ ہندہ زید سے جدا ہوگئی یا اس تین مرتبہ طلاق دفعہ واحدہ بیچ مجلس واحدہ کے، کہنے سے صرف ایک طلاق رجعی پڑی؟ زید اپنی زوجہ ہندہ سے رجوع کرے؟ بیٹو! تو جروا۔

(مرسلہ: نور محمد عطار، از مقام بلیہ)

(۱) المنہاج شرح صحیح مسلم للإمام النووی، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث:

۴۰۹/۵، دار احیاء التراث العربی بیروت بدون السنۃ (۲) البقرۃ: ۲۳۰

هو المجيب بالصواب

جواب: در صورت صدق سوال سائل کے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قال
العيني في عمدة القاري:

فيه خلاف، فذهب طاؤس و محمد ابن اسحاق والحجاج
بن أرطاة [والنخعي] وابن مقاتل والظاهرية الى أن الرجل
إذا طلق امرأته ثلاثاً معاً فقد وقعت عليها واحدة (۱)
(يعني طاؤس ومحمد بن اسحاق) حجاج بن ارطاة، نخعي، ابن مقاتل اور
اصحاب ظواہر) وغیرہ اس جانب گئے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی
جوڑو [بیوی] کو تین طلاق ایک مجلس میں دفعہ واحدہ دی، تو اس
صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوئی۔

واحتج هؤلاء بحديث ابن عباس الذي رواه مسلم في
صحيحه بهذا الاسناد، حدثنا اسحاق بن ابراهيم أخبرنا
روح بن عباد أخبرنا ابن جريج، ح: وحدثنا ابن رافع - و
اللفظ له - حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا ابن جريج: أخبرني
ابن طاؤس عن أبيه؛ أن أبا الصهباء قال لابن عباس: أتعلم
أنما كانت الثلاث تُجعل واحدة على عهد النبي (صلى الله
عليه وسلم) وأبي بكر رضي الله عنه، وثلاثاً من أماره عمر
رضي الله عنه؟ فقال ابن عباس: نعم. (۲) فثبت بهذا

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق
الثلاث لقوله تعالى: ﴿الطلاق مرتان، فامسك بمعروف أو تصریح
باحسان﴾ (۲۳۳/۲۰، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۲) صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، رقم: ۱۴۷۲. ومن أبي
داؤد، كتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، رقم: ۲۲۰۰، دار
السلام للنشر والتوزيع الرياض

الحديث أن الطلاق وقع واحدة في سوال هذه المسئلة.

[ان حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس کو امام مسلمؒ نے اس سند سے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، اسحاق بن ابراہیم نے ہمیں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان کو روح بن عبادہ نے، ان کو ابن جریج نے، (تحویل سند) اور ہمیں ابن رافع نے بیان کیا ہے، الفاظ ان کے ہیں، ان کو عبد الرزاق نے اور ان کو ابن جریج نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے ابن طاووس نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کیا آپ کو علم ہے کہ تین طلاقیں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی تین سال میں ایک تھی؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ہاں۔ چنانچہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اس مسئلہ میں ایک طلاق واقع ہوئی۔]

جب ثبوت وقوع ایک طلاق کا ہوا، تو زید اپنی بیوی ہندہ سے اندر عدت کے رجوع کر لیوے، کیونکہ یہ ایک طلاق رجعی ہے، ظاہر ہے کہ زوجہ ایک طلاق سے بائن نہیں ہوتی۔

واللہ اعلم بالصواب، حررہ: احمد حسن مچھلی شہری

[دوسرا جواب]

مجیب نے اوپر کتاہیں مذکورہ سے اس سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے مطابق انہیں روایات کے میرا بھی یہی مسلک ہے، اور مجیب نے جو لکھا وہ صحیح ہے، مگر واضح رہے کہ اگر عدت اس عورت مطلقہ کی جو تین حیض ہے گزر گئی ہو، تو نکاح جدید کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر عدت کے اندر ہے تو اس کو چاہیے کہ بلا نکاح اس عورت سے رجوع کرے یعنی کہے کہ میں رجوع کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ شب باشی کرے، نکاح جدید کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ لیکن وہ مرد ایک طلاق دے چکا،

مالک صرف دو طلاق کا رہ گیا، اب اس کو اگر دو طلاق دے گا دو طہر میں، تو وہ عورت بائن ہو جائے گی، بلا حلالہ کیے ہوئے اس عورت سے نکاح اس مرد کا جائز نہ ہوگا۔ اور حلالہ کے یہ معنی ہیں کہ جو عورت طلاق بائن دی جائے تو اس کو چاہیے کہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر لے، اور جو شخص کہ جس کے ساتھ نکاح کیا ہے بعد جماع کے طلاق دے، تو بعد گزرنے کے عدت کے پھر شوہر اول کے ساتھ نکاح اس کا، جائز ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ: محمد کریم عرف کریم بخش صدیقی محمدی

هو المصوب

صورت مسئلہ میں عند الاحناف طلاق ثلاثہ واقع ہوں گی، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک موافق مجیب اول طلاق واحد واقع ہوئی، واللہ اعلم بالصواب۔ ابوالخیر محمد بن فاروقی محمدی حنفی جو پوری غنی عنہ

هو المصوب واللہ يقول الحق وهو يهدي السبيل

مسئلہ مسئلہ میں یعنی جو آدمی تین طلاق دیوے، اور ارادہ اس کا دونوں مرتبہ پچھلے سے تاکید پہلے کی مراد نہ ہو بلکہ مقصود تین سے تین ہو، بس ایسی صورت میں۔ بمذہب جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ و اکثر مجتہدین و بخاری و جمہور محدثین۔ تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ جیسا کہ کہا امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں:

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً،

فقال الشافعي ومالك وأبو حنيفة وأحمد وجماهير العلماء

من السلف والخلف: يقع الثلاث. وقال طاؤس وبعض

أهل الظاهر: لا يقع بذلك الا واحدة، وهو رواية عن

الحجاج ابن أرطاة ومحمد بن اسحاق، والمشهور عن

الحجاج ابن أرطاة أنه لا يقع به شيء، وهو قول ابن مقاتل،

ورواية عن محمد بن اسحاق. (۱) انتہی۔

(۱) المنہاج شرح صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث: ۵/۴۰۹، تحقیق: الشیخ

عرفان العشاحسون، [الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ - ۲۰۰۰م] دار احیاء التراث العربی بیروت

[علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے اپنی عورت سے کہا: تجھے تین طلاق ہے۔ تو امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور علمائے سلف و خلف نے فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور طاؤس اور بعض اہل ظواہر نے کہا کہ اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور یہ حجاج بن ارطاة، محمد بن اسحاق سے روایت ہے، اور حجاج بن ارطاة سے تو یہ بھی منقول ہے کہ اس سے کچھ بھی (ایک بھی طلاق) واقع نہیں ہوگی۔ اور یہ ابن مقاتل کا قول ہے، اور ایک روایت محمد بن اسحاق کی بھی یہی ہے۔]

البتہ بعجز ارتکاب خلاف طریقہ شرعیہ کے گناہ لازم ہوگا۔ کما فی مؤطا الامام مالک:

أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مِائَةَ تَطْلِيقَةٍ، فَمَاذَا تَرَى عَلَيَّ؟ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: طَلَّقْتُ [مِنْكَ] ثَلَاثًا، وَسَبْعٌ وَسَبْعُونَ اتَّخَذْتَ [بِهَا] آيَاتِ اللَّهِ [هَزُوا] (لَعِبًا وَلَهْوًا). (۱) انتہی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ در مصنفی شرح مؤطا تحت اس حدیث فرمودہ،
 کہذا عبارت مروی، گفت عبد اللہ ابن عباس را آنکہ طلاق دادم زن خود را صد طلاق،
 پس چہ می بینی بر من؟ پس گفت اورا عبد اللہ بن عباس: مطلقہ شد از تو بمہ (۳) طلاق،
 و نود و ہفت تمسخر کردی بآں آیات خدا تعالیٰ را۔ انتہی۔

[حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس حدیث کے تحت مصنفی شرح مؤطا میں فرمایا ہے، اسی طرح اس کی عبارت مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دیں، تو

(۱) مؤطا الامام مالک بن أنس المدني، کتاب الطلاق، ما جافی البتہ (ان طلق بكلمة واحدة ثلاثاً أو أكثر وقعت الثلاث) رقم: ۱۱۲۱، المكتبة الأشرفية بديوبند، الطبعة الهندية

میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: تین طلاق سے وہ تجھ سے مطلق ہوگئی، اور ستانویں سے تو نے آیات الہی کا مذاق اڑایا۔]

اور [یہ] بھی اسی مؤطا میں ہے:

مالك أنه بلغه أن رجلاً جاء إلى عبد الله بن مسعود، فقال: أنسى طَلَّقْتُ امرأتى ثمانينَ تطليقاتٍ، فقال ابن مسعود: فماذا قيل لك؟ قال: قيل لي أنها [قد] بانَتْ مني. فقال ابن مسعود: صدقوا. من طَلَّق كما أمره الله تعالى، فقد بين الله له. ومن لبسَ على نفسه لباساً، جعلنا لبسه [مُلَصَّقاً] به. لا تلبسوا على أنفسكم و نتحمُّله عنكم. هو كما يقولون. (۱) انتہی۔

[مالک فرماتے ہیں: ان کو یہ روایت پہنچی کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا، اس نے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو آٹھ طلاقیں دیں، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تجھے کیا حکم دیا گیا ہے؟ اس نے کہا: مجھے یہ کہا گیا ہے کہ بلاشبہ وہ مجھ سے بانہ ہوگئی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: سچ کہا۔ جو حکم الہی کے مطابق طلاق دے گا، تو اللہ تعالیٰ (عورت کو) اس سے الگ کرے گا، اور جو اپنے اوپر معاملہ کو مشتبہ کرے گا تو ہم اس کے مشتبہ معاملہ کو اس کے ساتھ کر دیں گے، تم لوگ اپنے اوپر معاملہ کو خلط ملط نہ کرو کہ ہم بعید از کار تاویل کا سہارا لے کر تم سے اس کا بوجھ اٹھائیں، وہ (حکم اور فتویٰ) وہی ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔]

اور سنن ابی داؤد میں ہے:

(۱) مؤطا الامام مالك بن أنس المدني، كتاب كتاب الطلاق، ما جافى البتة (ان طلق بكلمة واحدة ثلاثاً أو أكثر وقعت الثلاث) رقم: ۱۱۲۲، المكتبة الأشرفية بدیوبند، الطبعة الهندية

طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها. ثم بدأ له أن ينكحها، فجاء يستفتي [فذهبت معه أسأل له] فسأل عبد الله ابن عباس وأبا هريرة عن ذلك؟ فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تنكح زوجاً غيرك. قال: فأنما طلاقُ أيّاهما واحدة، فقال ابن عباس: أنك أرسلت [من يدك] ما كان لك من فضل. (۱) انتہی۔

[ایک شخص نے اپنی عورت کو اس سے دخول (ہم بستری) سے قبل تین طلاق دی، پھر اسے سوچھی کہ اس عورت سے نکاح کرے، تو وہ فتویٰ لینے آیا، پس میں اس کے ساتھ اس کے متعلق سوال کرنے گیا، اس نے حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اس کے بارے میں پوچھا، تو دونوں حضرات نے فرمایا: تمہارا اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت تیرے علاوہ کسی اور شوہر کے نکاح (یا درہے کہ حلالہ میں جماع وہم بستری شرط ہے) میں آئے، اس نے کہا: میرا ارادہ صرف ایک طلاق کا تھا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: بیشک تو نے اپنے ہاتھ سے اس کو چھوڑ دیا جو تیرے لیے زیادہ تھا یعنی اگر ایک طلاق دیتا تو مزید طلاق دینے کا حق تجھ کو رہتا۔]

اور مصنف عبد الرزاق میں [حضرت] عبادۃ بن الصامت سے مروی ہے:

انّ أباه طلق امرأة ألف تطليقة، فانطلق عبادة فسأل عنه؟

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بانث بثلاث في

معصية الله، ولقي تسع مائة وسبعة وتسعون عدواناً و

(۱) ابوداؤد میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نہیں ہے، اگرچہ اس مفہوم کی احادیث ہیں، البتہ

موطا امام مالک میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے، ملاحظہ ہو: کتاب الطلاق، باب ما جاء في

طلاق البكر (اذا طلق امرأة لم يمسه تطليقة واحدة بانث، واذا طلق الرجل ثلاثاً

حرمت حتى تنكح زوجاً غيره) رقم: ۱۱۵۷

ظلمًا، اِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ، وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ. (۱)

[بیشک اس کے باپ نے (اپنی) عورت کو ایک ہزار طلاق دی، حضرت عبادہ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ تین سے بابتہ ہوگئی، اور نو سو ستانوے ظلم و زیادتی اور گناہ کیا، اگر وہ چاہے گا تو عذاب دے گا، اور اگر چاہے گا اس کی مغفرت کرے گا۔]

اور ایسے ہی حکم حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ سے [امام] و کتب نے روایت کیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسی امر پر اہتمام کرنا اور تینوں طلاق کے وقوع کا حکم دینا اگرچہ ایک جلسہ میں ہوں، صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے، اور یہی قول، موافق ظاہر قرآن کے ہے۔ کما قال ولي الله المحدث الدهلوي في المسوئي على المؤطا: فان طلقها ثلاث تطليقات متفرقات كان حكمه واضحا، وكذا ان طلق طليقة واحدة، فان جمع بين التطليقات الثلاث أو أكثر في كلمة واحدة تعارض في ذلك وجهان؛ أحدهما: أنه أرسلها دفعة وأتى بها مرة، فتكون تطليقة واحدة رجعية لقوله تعالى ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ (۲)

(۱) مصنف عبد الرزاق، رقم: ۱۱۳۳۹ / تحقيق: الشيخ المحدث حبيب الرحمن الأعظمي (المجلس العلمي - الهند، الطبعة الأولى، ۱۳۹۲ھ - ۱۹۷۲م) کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "عبد الرزاق قال: أخبرنا يحيى بن العلاء عن عبد الله ابن الوليد العجلي عن ابراهيم عن داود بن عباد بن الصامت قال: طلق جدتي امرأة له ألف تطليقة، فانطلق الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أما اتقى الله جذك، أما ثلاث قله، وأما تسع وتسعون فعلاوا وظلم، ان شاء الله تعالى عذبته، وان شاء غفر له".

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی انہی الفاظ کے یہ روایت موجود ہے۔

وثانيها: أنه أجمل التطبيقات الثلاث في كلامه وأراد اختصار ما كان ييده من التطبيقات فكأنه قال: أنت طالق ثلاث مرات، وهو معنى قول ابن عباس؛ أنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل، فتكون محرمة لا تحل الا بزواج، فهذا هو اللبس الذي اقترفه على نفسه، ثم نظرنا في القياسين فوجدنا الثاني أرجحهما، لأنه صريح كلامه ومنطوق خطابه، فتركنا التأويل البعيد ورجعنا الى المنطوق، فجعلناها ثلاثاً وهو قوله [هو] كما تقولون“ (۱).

[حضرت ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ”المسوی شرح مؤطا“ میں لکھا ہے: اگر اس نے اپنی بیوی کو الگ الگ تین طلاقیں دی ہے، تو اس کا حکم ظاہر و واضح ہے، اور اسی طرح (اس کا حکم کا بھی واضح ہے) اگر اس نے ایک طلاق دی ہے۔ اگر اس نے تین طلاقیں اور زیادہ کو ایک کلمہ میں جمع کیا ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں:

(۱) ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تینوں طلاقیں ایک ہی دفعہ میں دی اور ایک ہی بار میں اس کو لے آیا، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”طلاق دوبار ہے“۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے تین طلاقیں کو اپنے کلام میں مجمل رکھا، اور ارادہ اس کے اختصار کا ہے جو اس کے ہاتھ میں مزید طلاقیں کا اختیار ہے گویا کہ اس نے کہا: ”أنت طالق ثلاث مرات“ یہ حضرت ابن عباسؓ کے قول کا معنی ہے کہ تو نے اپنے ہاتھ

(۱) المسوی شرح المؤطا للامام مالک، کتاب النکاح، باب ان طلق بكلمة واحدة ثلاثاً أو أكثر وقعت الثلاث: ۱۵۶/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، الطبعة الأولى ۱۴۰۳-۱۹۸۳ء، توزیع: دار الباز، مکة المکرمہ

سے اس کو چھوڑ دیا جو تیرے لیے باقی تھے۔ چنانچہ وہ حرام ہوگی، وہ حلال نہیں ہوگی مگر دوسرے زوج (شوہر) سے، تو یہ وہی التباس ہے جس سے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، پھر ہم نے اصحاب قیاس کو دیکھا تو دوسرے قول کو ارجح (زیادہ قابل ترجیح) پایا، اس لیے کہ اس کا کلام صریح ہے، اس کا خطاب ناطق ہے، پس ہم نے تاویل بعید کو ترک کر دیا، اور منطوق کی طرف رجوع کیا تو ہم نے اس کو تین بتایا ہے، اور یہی قول ”هو كما تقولون“ ہے۔]

باقی وہ حدیث [ہے] جو صحیح مسلم میں مروی ہے:

كَانَ الطَّلَاقُ عَلَىٰ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَى بَكْرٍ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) وَسَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ)، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ): إِنَّ النَّاسَ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرِ [قَدْ] كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أُنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ. (۱)

[طلاق (تین طلاقیں) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اور خلافت صدیقی اور خلافت عمری کے ابتدائی دو سالوں میں ایک طلاق تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیشک لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلدی کی کہ ان کے لیے اس میں مہلت اور انتظار تھا، تو ہم اس کو ان پر جاری کر دیں (تو مناسب ہے) تو آپؐ نے اس کو ان پر لاگو کر دیا یعنی ایک بارگی کی تین طلاق دینے سے تینوں واقع ہوں گی۔]

پس اس کی تاویل جمہور محدثین و فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ اوائل میں تین مرتبہ طلاق کے لفظ کہتے تھے تو اس سے تاکید منظور ہوتی تھی اس وجہ سے وہ ایک طلاق ہوتا تھا،

نہ یہ کہ تین لفظ سے تین طلاق بھی مقصود ہوں، پھر وہ ایک ہی ہوئی۔ کما ذکرہ النووی:

المراد أن المعتاد في الزمن الأول كان طلاقاً واحدة، وصار الناس في زمن عمر رضي الله عنه يوقعون الثلاث دفعة، فنفسه عمر رضي الله عنه. فعلى هذا يكون اخباراً عن اختلاف عادة الناس [لا عن] تغير حكم في مسألة واحدة. انتهى. (۱) وكذا ذكره ابن الهمام وغيره.

[امام نوویؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ دورانِ اول میں عادت ایک طلاق کی تھی، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تین طلاق کو ایک ہی دفعہ میں دینے لگے، تو آپؐ نے تین نافذ کیا، پس اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں لوگوں کے اختلاف عادت کے بارے میں خبر دینا (مقصود) ہے، نہ کہ ایک مسئلہ میں حکم کے بدلنے کا۔ اور اسی طرح (علامہ) ابن ہمام وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔]

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، واليه المرجع والمآب،
حرره الراجی عفوره المتین محمد امین حسینی الحسینی تجاوز الله عن
ذنبه الخفي والمبين. فقط

طلاق مغلطہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص سہمی ”صونی“ نے اپنی زوجہ مکحوجہ مسماۃ ”سجریا“ کو تینوں طلاق اس طرح پر دیا [کہ] عرصہ تنہیٹا ڈھائی برس کا ہوا کہ میاں بی بی نے آپس میں خانگی طور پر جھگڑا و فساد کیا، اور اس غصہ کی حالت میں ایک طلاق دے دیا، اور اس وقت مسماۃ مذکورہ حیض سے تھی، اور

(۱) المنہاج شرح صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث: ۵/۴۰۹، دار

عرصہ تخمیناً نو دس مہینہ کا ہوا کہ پھر اسی طور [پر] جھگڑا و فساد میں پھر ایک اور طلاق دیا، اور عرصہ پانچ روز کا ہوا کہ پھر آپس میں مرد و عورت نے جھگڑا کیا، اور اسی غصہ کی حالت میں ایک اور طلاق دیا، اور دو گواہ دروازے پر سے پکار کر طلاق دیا، مگر گواہ کہتے ہیں [کہ] ہم لوگوں نے نہیں سنا ہے۔ اور پہلے اور دوسرے میں گواہ نہیں۔ لہذا طلاق ہوا یا نہیں؟ اور اگر ہوا تو کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ بیٹو! تو جروا۔

هو الموفق

جواب: احناف کے نزدیک طلاق مغلطہ ہوا۔ بلا حلالہ حلال نہیں۔ مستدل ہیں بآیت کریمہ:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (۱)
[اگر اس نے عورت کو طلاق دی ہے، تو اس کے بعد اس کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح (ہم بستری شرط ہے) نہ کرے۔]
(اور) طلاق بتا کر کے حدیث ”امراة رفاعہ“ (۲) کے متمسک ہیں۔

واللہ اعلم، وعلمہ اتم وأحكم، کتبہ محمد امین حسنی الحسینی
عفا اللہ عنہ سیئاتہ، وغفر اللہ [لہ] معصیاتہ.

(۱) البقرة: ۲۳۰

(۲) صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث لقول الله تعالى ﴿الطلاق مرتان، فامسال بمعروف أو تسريح باحسان﴾ (البقرة: ۲۲۹)، رقم: ۵۲۶۰، ۵۲۶۱، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيره ويطأها، ثم يفارقها، وتنقضي عدتها، رقم: ۱۴۳۳، سنن الترمذي، أبواب النكاح، باب ما جاء فيمن يطلق امرأته ثلاثاً فيترجها آخر فيطلقها قبل أن يدخل بها، رقم: ۱۱۱۸، سنن النسائي، كتاب الطلاق، الطلاق للثلاثي تنكح زوجاً ثم لا يدخل بها، رقم: ۳۴۳۶، ۳۴۳۷، طلاق البتة، رقم: ۳۴۳۸، ۳۴۳۹، ۳۴۴۰، ۳۴۴۳، سنن ابن ماجه، أبواب النكاح، باب الرجل يطلق امرأته..... الخ، رقم: ۱۹۳۲، ۱۹۳۳

حلالہ میں ہم بستر کی شرط ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت منکوحہ کو طلاق دیا، بعد طلاق کے تا اختتام عدت اس عورت کو اپنے مکان پر شخص اپنے قبضہ میں رکھا، اور نان و نفقہ خود دیتا رہا، بعد گزرنے ایام عدت کے اس عورت کا نکاح اپنے ایک نوکر سے۔ جو گونگا و بہرا بھی ہے، اور کوئی وارث بھی نہیں ہے۔ کر دیا، اور نکاح کرنے کے بعد بھی اپنے ہی قبضہ سے ایک دوسرے مکان میں اس عورت کو رکھا کہ جہاں گونگا مذکور جان نہیں سکتا، اور نہ خلوت صحیح ہوئی، اور نہ نان و نفقہ اس گونگے سے اس عورت کا نہ ادا ہو سکا اور اس عورت پر اس کا کسی طرح کا قبضہ یا تصرف ہوا۔ نکاح کے ایک ہفتہ یا عشرہ کے بعد اس گونگے سے طلاق دلا کر وہ شخص یعنی قدیم شوہر اس کا یعنی عورت کا پھر اپنے مکان پر لے گیا، اور بدستور قدیم اپنے ہی قبضہ میں رکھے [ہوا] ہے تو اس صورت میں وہ شخص بموجب شریعت کے اس عورت مذکور کو اپنے مکان پر رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس سے نکاح ثانی اپنا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور گونگا مذکور سے خلوت صحیح کے ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہوئی۔ جیسا حکم شریعت شریف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو، ویسا جواب ملے۔ فقط والسلام۔

هو المصوب

جواب: ایسی صورت میں حلالہ صحیح نہیں ہوا۔ (اور) شوہر اول سے نکاح نہیں ہو سکتا کہ صحبت داری شرط ہے۔ کما فی الحدیث:

اَنْ رِّفَاعَةَ بِنَ سَمُوَالٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَمِيمَةَ بِنْتَ وَهَبٍ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [ثَلَاثًا]، فَنَكَحَتْ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ الزَّبِيرِ، فَاَعْتَرَضَ عَنْهَا، فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَمْسُهَا. فَفَارَقَهَا. فَاَرَادَ رِفَاعَةُ اَنْ يَنْكَحَهَا وَهُوَ زَوْجُهَا الْاَوَّلُ الَّذِي كَانَ طَلَّقَهَا. فَذَكَرَ [ذَلِكَ] لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وسلم، فنہاء عن تزويجها. وقال: لا تحل [لك] حتى تذوق العُسَيْلَةَ. (۱) انتہی۔ کذا رواه مالك في المؤطا.

[حدیث شریف میں ہے کہ [حضرت] رفاعہ بن سموأل نے اپنی بیوی تمیمہ بنت وہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تین طلاقیں دیں، تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن الزبیر سے نکاح کر لیا، وہ ان سے روک رہے، اور ہم بستری پر قادر نہیں ہوئے، تو انہوں نے ان کو طلاق دے دی، رفاعہ نے ان سے نکاح کرنا چاہا، اور یہ ان کے پہلے شوہر تھے جنہوں نے طلاق دی تھی، چنانچہ انہوں [حضرت رفاعہ] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کرنے سے روکا، اور فرمایا: وہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے یہاں تک کہ مٹھاس کو چکھ لے یعنی دوسرے شوہر سے بعد نکاح جنسی تعلق قائم کر لے۔]

رقمہ محمد امین حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفیی

والمبین. فقط

ناشرہ عورت کا شرعی حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ بابت طلاق دینے ایک ایسی عورت کے کہ جو اطاعت مرد کی نہ قبول کرے، اور بد مزاجی اور بلا مرضی و بلا اجازت کے دوسروں کے گھروں پر دن یا رات میں آمد و رفت رکھے، مرد کو گالیاں دے (اور) کوسا کرے، اور مرد کی پہلی زوجہ کی اولاد کو گالیاں دے، اور کوسا کرے، اور اسباب مرد کا بلا مرضی و اجازت اس کی، اپنی صرف میں لاوے، یا ان کو چھپا کر اپنے عزیزوں یا غیروں کو تقسیم کر دے، یا فروخت

(۱) مؤطا الامام مالك، كتاب النکاح، باب نکاح المحلل وما أشبهه، رقم: ۱۰۸۰

کر ڈالے، اور بدخواہی کیا کرے، اور مرد کی غیبت کیا کرے، روٹی نہ پکاوے، کھانا نہ کھلاوے، مرد کی چار پائی نہ بچھاوے، پانی نہ پلاوے، بچھونا نہ بچھاوے، مکان میں جھاڑو نہ دے، برتن نہ مانجے، بحالت غریبی مرد اپنے، کی وسعت نہ ہونے کے ان سب کامنہ سے عار رکھے، مزاج کرے، عمدہ کھانا، عمدہ کپڑا خلافت حیثیت مرد کے طلب کرے، پلنگ پر رات دن بچھونا بچھائے بیٹھی رہے، اور موقع پا کر مرد کے گھر، سستی کے کپڑے، یا زیور جو زوجہ سابقہ کی دختران کی شادی کے لیے بنام زدہ چیز کے، (اور) یا ظروف رکھے ہوئے ہوں کنجی قفل میں لگا کر آنکھ مرد کی بچا کر نکال لیوے، اور پٹاریاں سے پان کی (اور) خاصدان و روپیہ چرا لیوے۔

ایسی عورت کی مفارقت بذریعہ طلاق کے بابت کیا علماء فرماتے ہیں، ایسی عورت نافرمان کے ساتھ کیا برتاؤ مرد کو لازم ہے؟ یعنی یہ سب مصیبت و تکلیفات اٹھاتا رہے یا علاحدہ کی فکر کرے کہ جس سے کوئی صورت راحت کی نہیں، اور مرد [کے] ساتھ بد مزاجی اور فحش بکنے سے پیش آوے، لام کاف یعنی کلمات گالی کے نکالے اور گالیاں بے حد دے شاردیوے، اس کے ساتھ میں کیا کیا جاوے؟ اور مرد اپنے اوقات کے موافق کھانا کپڑا اپنے کو موجود ہے، اور عورت کی تمام بے اعتنائی مذکورہ بالا ہے، بوجہ بد مزاجی و بد خلقی و شرارت و عادت خراب کے مرد کے کپڑا سینے میں کراہیت [محسوس] کرے، دوسروں کے خوشی سے سستی رہے، اور اس عورت کو حکم خدا اور رسول کی بخوبی آگاہ کیا گیا، (اور) کتابیں دین کی سنائی گئیں ہیں لیکن اثر پذیر و عمل نہیں فقط

هو المصوب

جواب: اگر عورت سمجھانے و بچھانے سے (اور) بستر سے جدا سلانے (اور) زجر و توبیخ و تنبیہ دینے، مارنے سے، راہ راست پر نہیں آتی (اور) اطاعت شوہر بحکم خدا اور رسول علیہ السلام جو فرض ہے بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں، اس اطاعت کو قبول نہیں کرتی، طرفین سے ایک ایک حکم اٹھائے جاویں تاکہ صورت اصلاح کی بن

چا دے، ورنہ مرد کو اختیار بروئے شرع پہنچتا ہے کہ صورت مستفسرہ میں فرقت کرے
(اور) طلاق دیوے۔ مرد کو شارع نے اختیار دیا ہے:

﴿فَاِمْسَاكُ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ (۱)

[دستور کے مطابق روک لے یا سلوک کر کے رخصت کر دے۔]

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاللَّائِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاَهْجُرُوهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ

وَاصْبِرْ لِهِنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً.....﴾ (۲)

[جن عورتوں کی بد خوئی کا تمہیں ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ، اور ان کے بستر
الگ کر دو، اور ان کو تنبیہ کرو، پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان
کے خلاف کسی راستہ کی تلاش میں مت پڑو۔]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا

مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُّوقِئِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا.....﴾ (۳)

[اور اگر تمہیں ان دونوں کے آپس کے توڑ کا ڈر ہو تو ایک فیصلہ کرنے
والا مرد کے خاندان سے اور ایک فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان
سے کھڑا کرو، اگر وہ اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں جوڑ
پیدا فرما دے گا۔]

واللہ أعلم، وعلمہ اتم وأحکم، رقمہ محمد أمين حسني

الحسيني عفا الله عنه ذنوبه، وستر عيوبه.

شہادت نسواں اور طلاق؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس بات کے [جزء

اول] کہ زید نے اپنی بی بی کو چار طہر میں چار طلاقیں دیں، دو طلاق کا اقرار زید خود کرتا ہے، اور باقی دو کی نسبت کہتا ہے کہ مجھ کو خیال نہیں ہے، طلاق ثالث ہونے پر زید کے والد مرحوم نے اپنی لڑکی اور داماد سے نیز احباب سے کہا کہ آج میرے لڑکے زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں پوری کر دیں، اور پھر بھی اس عورت کو رکھے ہوئے ہے، اب اس کے یہاں کھانا پینا حرام ہے، دیگر یہ کہ طلاق ثالث کے شاہد کا انتقال ہو گیا، مگر اظہار ذیل سے ثبوت پایا جاتا ہے۔

(۱) ثبوت طلاق ثالث کا [یہ ہے کہ] زید کا حقیقی چھوٹا بھائی بیان کرتا ہے کہ میری ماں نے بیان کیا کہ زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں۔

(۲) ثبوت دوم: خالد نے کہا کہ میں نے اپنی بی بی سے سنا کہ زید نے اپنی زوجہ کو چار طلاقیں دیں، ان کی بی بی نے کہا کہ میری ماں نے بیان کیا ہے، اور ان کی ماں نے کہا کہ زید کی چھوٹی بہن ہندہ نے بیان [کیا] کہ مجھ سے ماں نے بیان کیا، اور میرے باپ نے بیان کیا کہ زید [نے] اپنی بی بی کو تین طلاقیں دیں، اور اسے رکھتا ہے۔ لہذا اس کے یہاں کا اکل و شرب جائز نہیں۔

(۳) ثبوت سوم: خالد مذکورہ بالا نے بیان کیا کہ بکری بڑی بہن نے موجودگی بکری کے، بیان کیا کہ میں نے اپنی چھوٹی بہن سے سنا کہ کہتی تھی کہ میں عمرو کی شہر گئی ہوئی تھی تو اس کی بی بی نے مجھ سے کہا کہ میرے میاں نے بیان کیا ہے کہ زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، مگر ہم لوگ بچوں کے لحاظ سے چھپاتے ہیں، اس واقعہ کو چار شخص معتبر نے ہندہ سے دریافت کیا تو صحیح پایا۔

(۴) ثبوت چہارم: زید کا حقیقی سال اولید نے کہا کہ اس وقت میری بہن حالت حیض میں تھی، میں نے ایک مفتی صاحب سے دریافت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ حیض کی طلاق واقع نہیں ہوئی، بموجب شریعت کے یہ اظہار قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ طلاق چوتھا زید نے اپنی زوجہ کو اپنے سسرال میں ایک طلاق دی جس کی چھ

شہادتیں موجود ہیں، دریں صورت زید کی بی بی، زید کے نکاح میں ہے یا خارج ہوگئی؟ اور اگر خارج ہوگئی تو زید اپنے ساتھ مکرر نکاح کس صورت سے کر سکتا ہے یا نہیں؟ بموجب کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے تحریر فرمائیے۔

[جزء دوم] ایک مفتی صاحب نے ثبوت تیسرا جو کہ اظہار ہے اس کو مہمل اور مختل ٹھرایا، اور طلاق چہارم کے شاہدین کو طلب نہیں فرمایا، صرف زید کی دو طلاق کے اقرار پر حکم فرمادیا کہ زید کی بی بی، زید کے نکاح سے باہر نکل گئی، مگر پھر نکاح کر سکتا ہے۔ چنانچہ نکاح ثانی کر دیا اور پانچ روپیہ جرمانہ [ادا] کیا، سو یہ فیصلہ بموجب کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے یا کہ نہیں؟ اور مفتی صاحب نے اور طلاقوں کا ثبوت طلب نہیں کیا، تو حق کیا یا ناحق؟ بیوقوفوں کو جو البغیر حساب۔

هو المصوب

جواب: [جزء اول] بر تقدیر صدق سوال و بیان نفس الامر (اور) واقعی بلا دخل و فصل، دو طلاق جس کا اظہار و اقرار زید کو [ہے] باقی کی نسبت عدم خیال۔ (اور) جملہ ثبوت کے باب میں شہادت تنہا ایک عورت یا مرجع ایک عورت کی جانب ہوتا ہے، کہیں لڑکی، کہیں ماں، کہیں کسی کی بی بی۔ اولاً کسی عورت کی گواہی مقبول نہیں، دو عورت کی گواہی بمنزلہ ایک مرد کی ہے، (اور) تنہا عورت کی گواہی کافی نہیں۔ آیت قرآن [ہے]:

﴿وَأَسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ

فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ (۱)

[اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بناؤ، اگر دونوں مرد نہ ہوں تو

ایک مرد اور دو عورتیں ہی سہی، یہ گواہان تمہارے پسند کے لوگوں میں

سے ہوں۔]

وفی الدر المختار:

ولم تقبل شهادة أربع بلا رجل. انتهى (۱)

[اور در مختار میں ہے: چار عورتوں کی گواہی بغیر آدمی کے قبول نہیں ہے۔]
ہاں جس طلاق میں چھ شہادت ہیں اس وقت طلاق ثلاثہ ہوں گی، بس اس وقت میں حکم [حلالہ] کا ہوگا:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (۲)

[اگر اس نے عورت کو طلاق دی ہے اس کے بعد اس کے لیے وہ

عورت اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ عورت کسی

دوسرے شوہر سے نکاح (ہم بستری لازمی ہے) نہ کرے۔]

[جزء دوم] ایسی حالت میں جرمانہ وغیرہ خلاف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم۔

واللہ أعلم، وعلمہ أتم وأحكم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد

أمین حسنی الحسینی عفا اللہ عنہ ذنوبہ ومحا اللہ عنہ عیوبہ.

طلاق رجعی اور اس کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے

اپنی بی بی مسماۃ مریم کو [بحالت] غصہ دومرتبہ طلاق دیا اس الفاظ کے ساتھ کہ چہرہ کی

لڑکی مریم نامی کو ہم نے طلاق دیا، دومرتبہ اسی الفاظ سے کہا بمقابلہ گواہوں کے۔

اب طلاق دینے کے بعد شوہر مسکمی زید بہت پشیمان ہے، آیا عدت کے اندر مسکمی

زید اپنی بی بی مسماۃ مریم سے رجعت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور مسماۃ مذکورہ حاملہ بھی ہے۔

هو الموفق للصواب

جواب: رجعت کر سکتا ہے۔ [کما] فی شرح الوقایہ [فی] باب الرجعة:

(۱) الدر المختار مع حاشیة ابن عابدین، کتاب الشهادات: ۸/۱۷۹، دار الکتب

العلمیة بیروت، الطبعة الثانية، ۵۱۴۲۴-۲۰۰۳ م

(۲) البقرة: ۲۳۰

ہی فی العدة لا بعدها لمن طلقت دون ثلاث. انتهى. (۱)
والرجعة بفتح الراء، وجاء الكسر أيضاً لغة الرد، يستعمل
فعله متعدياً بنفسه ولازماً، فيتعدى بالی، يقال: رجع الی
أهله ورجعه الیهم، ويقال فی مصدره أيضاً رجعاً ورجوعاً
ومرجعاً رجعةً، ورجعی بالكسر. کذا فی الفتح. انتهى. (۲)
[شرح وقایہ میں رجعت کے بیان میں ہے کہ رجعت عدت کے اندر
ہوتی ہے، اس کے بعد نہیں، یہ اس کے لیے ہے جس کو تین طلاقیں
نہیں دی گئی ہیں۔ اور رجعت راء کے فتح کے ساتھ آتا ہے، لغت
میں کسرہ بھی آیا ہے بمعنی لوٹا لینے کے، اس کا فعل متعدی اور لازم
دونوں طرح مستعمل ہے، اور الی سے متعدی ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ
وہ اہل (گھر والوں) کی طرف لوٹا، اس نے ان کی طرف اسے لوٹا
ویا، اس کا مصدر ”رجعاً، رجوعاً، مرجعاً، رجعة“ ہیں۔ اور جعی
کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور اسی طرح فتح القدر میں ہے۔]

وفی الهدایة:

واذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن
يراجعها في عدتها، رضي بذلك أو لم ترض، لقوله
تعالى: ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ﴾ (۳) من غير فصل.

ولا بد من قيام العدة، لأن الرجعة استدامة الملك، ألا ترى
أنه سُمِّيَ امساکاً، وهو الإبقاء وإنما يتحقق الاستدامة في

(۱) شرح الوقایہ، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۷۲/۲، مطبع یونیورسٹی قرطبی کل لکھنؤ، ۱۳۳۱ھ۔

۱۹۲۲ء، مکتبہ تھانوی دیوبند، مطبوعہ بلاسنہ

(۲) عمدة الرعاية فی حل شرح الوقایة: ۹۷/۲، مکتبہ تھانوی، دیوبند، من طباعت غیر مرقوم

(۳) البقرة: ۲۲۹

العدة، لأنه لا ملك بعد انقضائها.

والرجعة أن يقول: راجعتك أو راجعت امرأتی، وهذا صريح

في الرجعة، ولا خلاف بين الأئمة. انتهى (۱)

وفي الكفاية:

ذكر في المحيط اذا أراد الرجل أن يراجع [امرأته فالأحسن

أن يراجعها] بالقول، لا بالفعل، لأن [صحة المراجعة]

بالقول متفق عليها، وبالفعل مختلف فيها. انتهى (۲)

وفي الدر المختار [في] باب الرجعة: هي استدامة الملك

القائم بلا عوض ما دامت في العدة بنحو راجعتك

وردتلك ومسكتك بلا نية لأنه صريح. انتهى (۳)

[ہدایہ میں ہے: اور اگر مرد اپنی عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی دے تو

وہ اس کی عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے، خواہ عورت راضی ہو یا نہ

ہو۔ کیونکہ ارشاد بانی ﴿فَإِذَا مَسَّكَ بِمَعْرُوفٍ﴾ بشیر فصل کے ہے،

اور عدت کا قیام لازمی ہے، کیونکہ رجعت ملکیت کو باقی رکھنے کا نام

ہے، آپ نے دیکھا کہ آیت میں امساک کہا گیا ہے، اور امساک

باقی رکھنے کو کہتے ہیں، بلاشبہ امساک، عدت کے اندر باقی رکھنے سے

(۱) الهدایة مع حواشی العلامة اللکناوی، کتاب الطلاق، باب الرجعة:

۳۷۳/۲، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ (۱۳۲۵ھ) باہتمام مولانا محمد یوسف فرنگی محلی۔ کتب خانہ

زکریا جیسور، چوراستہ بنگلہ دیش: ۳۹۴/۲-۳۹۵، مع الدراية فی تخريج الهدایة

(۲) الکفاية شرح الهدایة مع فتح القدیر، باب الرجعة: ۴/۱۴، دار احیاء التراث

العربی، بیروت

(۳) الدر المختار مع الشامی: ۵۲۹/۲-۵۳۰، مکتبہ نعمانیہ دیوبند، اصلاح کردہ از فقیر

الوفائی الہوری، سن طباعت ندارد۔ رد المختار مع الدر المختار: ۲۳/۵، دار الکتب

العلمیہ بیروت، الطبعة الثانیة، ۵۱۴۲۴-۲۰۰۳م

متحقق ہوتا ہے، اس لیے کہ عدت کے بعد کوئی ملکیت نہیں رہتی۔ اور رجعت میں وہ کہے: میں نے تجھ کو لوٹا لیا، یا میں نے اپنی بی بی کو لوٹا لیا۔ یہ (کلمات اور جملے) رجعت کے باب میں صریح ہیں، اور اس میں ائمہ کرام کے مابین کوئی اختلاف بھی نہیں۔

کفایہ میں ہے: جب آدمی اپنی بی بی کو لوٹانا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ قول سے جوع کرے، نہ کہ فعل سے، اس لیے کہ رجعت بالقول متفق علیہ مسئلہ ہے، اور رجعت بالفعل میں اختلاف ہے۔

در مختار کے ”باب الرجعة“ میں ہے: رجعت، قائم رکھنے والی ملکیت کو پائدار بنانے کا نام ہے جب تک کہ عدت کے دوران ہے، مثلاً راجعتک، رددتک، مسکتک جیسے الفاظ کے ساتھ، بلائیت (رجعت درست ہے) کیونکہ یہ (رجعت کے باب میں) صریح ہیں۔]

پس طلاق رجعی میں رجعت، نہ نکاح کی حاجت، جو مدعی نکاح کا ہو اس پر دلیل لانا لازم۔

والایس له حظ من العلم من الآیة والسنة والفقہ والتفقہ فی الدین۔
قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَاِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِیْحٍ بِاِحْسَانٍ﴾ (۱)

وفی مدارک التنزیل:

وقیل: قالت أنصاریة: ان زوجی قال: لا أزال أطلقک ثم راجعتک، فنزلت ”الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ“ أی الطلاق الرجعی مرتان، لأنه لا رجعة بعد الثلاث، فامساک بمعروف یرجعة، والمعنی فالواجب علیکم امساک بمعروفٍ اَوْ تَسْرِیْحٍ

بِإِحْسَانٍ، بَأَن لَا يَرَا جَعَهَا حَتَّى تَبَيَّنَ بِالْعِدَّةِ، وَقِيلَ بَأَن يَطْلُقُهَا الثَّالِثَةُ. (۱) اِنْتَهَى.

[اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَإِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيْعٍ بِإِحْسَانٍ﴾ (۲)
[دستور کے مطابق روک لے یا سلوک کر کے رجعت کر دے۔]

مدارك التنزيل میں ہے:

منقول ہے کہ ایک انصاری عورت نے (در بار رسالت مآپ میں آکر) دریافت کیا: بیشک میرے شوہر نے کہا، میں تجھے طلاق دوں گا، اور پھر لوٹا لوں گا، تو ”الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ“ نازل ہوئی، یعنی طلاق رجعی دو مرتبہ ہے، اس لیے کہ تین طلاق کے بعد رجعت نہیں ہے، اچھائی کے ساتھ روکنا رجعت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اچھائی کے ساتھ روکنا یا احسان کر کے چھوڑ دینا تم پر واجب ہے یا اس طور کہ اس سے رجعت نہ کرے یہاں تک کہ عدت گزارنے سے وہ بائینہ ہو جائے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس کو تیسری طلاق بھی دے دے۔]

وفی السراج المنیر:

الطلاق أى التطليق كالسلام بمعنى التسليم، أى الذى يراجع به مرتان أى اثنتان، وروى عن عروة بن الزبير قال: كان الناس فى الابتداء يطلّقون من غير حصر ولا عدد، كان الرجل يطلّق امرأته فاذا قاربَتْ انقضاء عدّتها راجعها، ثم طلقها

(۱) مدارك التنزيل وحقائق التأويل للإمام أبى البركات عبد الله بن أحمد النسفي الحنفى: ۱/ ۱۹۰، تحت تفسير الآية نفسها، دار الكلم الطيب، بيروت، الطبعة الأولى، ۱۹۸۱-۱۹۹۸ م (۲) البقرة: ۲۲۹

کذا لک ثم راجعها بقصد مضاررتها، فنزلت هذه الآية. (۱)
 وروی أبو داود وغيره أنه صلى الله عليه وسلم سئل: أين
 الثالثة؟ فقال صلى الله عليه وسلم: أو تسريحاً باحسان،
 فامسأك أي فعليكم امساكهن إذا رجعتموهن بعد الطلقة
 الثانية بمعروف. انتهى. هكذا في تفسير فتح البيان وكذا في
 تفسير البيضاوي (۲)

وفى حجة الله البالغة للشيخ المحدث ولي الله الدهلوي
 رحمه الله: وكان أهل الجاهلية يطلّقون ويراجعون الى متى
 شاؤوا، وكان فى ذلك من الاضرار مالا يخفى، فنزل قوله
 تعالى ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ﴾ معناه أن الطلاق للرجعة
 مرتان. (۳) انتهى.

وفى المصنفى شرح المؤطا للشاه ولي الله المحدث الدهلوي عليه الرحمة:
 طلاقى کہ رجعت عقب اوئی شواند شد، دو بار است. انتهى. (۴)

(۱) تفسیر السراج المنیر للشریعی تحت الآية نفسها: ۱/ ۴۸، مطبعة بولاق
 الاميرية، القاهرة، ۱۲۸۵ھ.

(۲) السراج المنیر للشریعی تحت الآية ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ﴾ فامسأك بمعروف أو تسريحاً
 باحسان نفسها: ۱/ ۴۸، مطبعة بولاق الاميرية، القاهرة، ۱۲۸۵ھ، یہ عبارت تفسیر بیضاوی
 اور تفسیر فتح البیان از نواب صدیق حسن خان قنوجی میں نہیں ہے، البتہ اس مفہوم کی عبارتیں پائی جاتی ہیں

(۳) حجة الله البالغة: ۲/ ۲۴۳، تحقیق: محمد طعنة حلی، دار المعرفة بیروت
 الطبعة الثانية، ۱۴۲۵ھ-۲۰۰۴م، ۲/ ۳۶۹، تقديم وتعليق: الشيخ محمد شريف
 سكر، الطبعة الثانية، ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۲م، دار احیاء العلوم بیروت، ۲/ ۱۳۹، الفیصل
 للنشر والتوزيع بدیوبند، الهند، طبعة عكسية عن ۱۳۷۳ھ

(۴) المصنفی للامام الدهلوي:؟، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن میں اس آیت
 کا ترجمہ اس طرح ہے: طلاق رجعی دو بار است، پس ازال یا نگاہ داشتن است بخوش خوئی یا رہا کردن بہ
 نیکوئی۔ مجموعہ تراجم خمسہ مع احسن التفاسیر از مولوی حافظ سید احمد حسن مرحوم: ۳۹، مطبوعہ قدیم دہلی

[طلاق بمعنی تطلیق ہے جیسا کہ سلام بمعنی تسلیم ہے، ایسی طلاق جس میں رجعت ہوتی ہے دو ہیں، عروہ بن الزبیر سے مروی ہے کہ لوگ پہلے بغیر عد اور حصر کے طلاق دیتے تھے، آدمی اپنی عورت کو طلاق دیتا تھا اور جب انقضائے عدت کے قریب ہو جاتی تو وہ رجعت کر لیتا، پھر اسی طرح سے طلاق دے دیتا، اور پھر رجعت کر لیتا، یہ اس (عورت) کو تکلیف دینے کے لیے ہوتا تھا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ابو داؤد وغیرہ حضرات نے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، تیسری (طلاق) کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿أَوْ تَسْرِخَ بِإِحْسَانٍ﴾، چنانچہ امساک کا مطلب یہ ہے کہ تم پر ان کو بھلائی کے ساتھ روکنا لازمی ہے، جب تم دوسری طلاق کے بعد رجعت کرو۔ اسی طرح تفسیر فتح البیان اور تفسیر بیضاوی میں ہے۔

”حجۃ اللہ البالغہ“ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: دور جاہلیت کے لوگ طلاق دیتے تھے، اور جب چاہتے رجعت کرتے تھے، اور یہ ان کو تکلیف پہنچانے کے لیے ہوتا تھا جو کہ بالکل مخفی نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ کا قول ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ﴾ نازل ہوا یعنی رجعی طلاق دو ہیں۔ المصنفی شرح مؤطا میں ہے: ایسی طلاق جس کے بعد رجعت ہوتی ہے، دو مرتبہ ہے۔]

واللہ اعلم، وعلمہ اتم وأحکم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد
امین حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الدقیق والسمین.

مسئلہ طلاق مغلطہ یا رجعی؟

سوال: چہی فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں باب کہ زید زوجہ خود را

طلاق داد، وبعد چند روز بر رضا مندی ہماں زوجہ خود نکاح کرو، آیا اس نکاح شرعاً درست است یا نادرست؟ و اہل برادری را از شخص مذکورہ خورد و نوش داشتن روا است یا نہ؟ بینوا تو جرّاء فقط۔

[ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، چند روز کے بعد اپنی زوجہ کی رضا مندی سے نکاح کیا، آیا اس طرح نکاح درست ہے یا نہیں؟ اہل خاندان و برادری کو اس شخص سے خورد و نوش کا تعلق رکھنا روا ہے یا نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت فرما کر ممنون و ماجور ہوں۔]

هو المصوب

جواب: اگر طلاق رجعی داد کہ عبارت از یک طلاق خواہ دو طلاق، اندرین عدت اورامی رسد کہ بلا نکاح رجوع بسوئے زن خود کند۔ کما فی الہدایۃ:

وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقًا رَجْعِيًّا أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ فَلَهُ أَنْ يَرَاجَعَهَا فِي عَدَّتِهَا رَضِيَتْ بِذَلِكَ أَوْ لَمْ تَرْضَ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ (۱) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ. (۲) اِنْتَهَى.

و اگر عدت منقضی گزشتہ، پس حاجت بنکاح افتد، بعدہ زوجہ خویش داند۔ کذا فی الہدایۃ:

وَإِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُونَ الثَّلَاثِ، فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فِي الْعِدَّةِ وَبَعْدَ انْقِضَائِهَا، لِأَنَّ حُلَّ الْمُحَلِّیَةِ بَاقٍ، لِأَنَّ زَوَالَهُ مُعْلَقٌ بِالطَّلَاقِ الثَّلَاثَةِ. (۳) اِنْتَهَى.

(۱) البقرة: ۲۳۱ (۲) الہدایۃ مع حاشیۃ العلامة اللکنوی، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹۴، یا سرائیڈ ندیم کمپنی دیوبند، بلا سنہ

(۳) الہدایۃ مع حاشیۃ العلامة اللکنوی، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹۹، یا سرائیڈ ندیم کمپنی دیوبند، بلا سنہ

واگر طلاق ثلاثہ دادہ، پس بدون تحلیل حلال نباشد۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (۱)

[ترجمہ: اگر طلاق رجعی دی خواہ ایک ہو یا دو، عدت کے اندر اس کو

لے آئے، بلا نکاح وہ عورت سے خود رجوع کر لے۔ جیسا کہ ہدایہ

میں ہے: اور جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے خواہ ایک طلاق رجعی

ہو یا دو طلاقیں، تو وہ اس سے عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے،

چاہے وہ راضی ہو یا نہ ہو، کیونکہ ارشاد الہی ہے ”ان کو بھلائی کے

ساتھ رو کے رکھو“ اور یہ (قول) بغیر فصل کے فرمایا ہے۔

اور عدت گزر جائے تو نکاح کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے بعد اپنی

بیوی جانے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے: اور جب طلاق بائن ہو، تین

سے کم ہو، تو وہ عدت کے اندر، اور اس (عدت) کے بعد نکاح کر سکتا

ہے، اس لیے کہ محل کی حلیت باقی وقائم ہے، اس لیے بھی کہ اس

(نکاح) کا ختم ہونا تین طلاق کے ساتھ معلق ہے۔

اور اگر تین طلاق دی ہے تو حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہوگی۔ جیسا کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ”پس اس نے اگر اس کو طلاق دی ہے

تو اس کے لیے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور

کے ساتھ نکاح نہ کر لے“ یاد رہے کہ حلالہ میں ہم بستری شرط ہے۔]

واللہ اعلم، کتبہ محمد امین حسینی الحسینی، عفا اللہ ذنوبہ وستر

عیوبہ، فقط۔

لاپتہ شوہر کی بیوی کا نکاح ثانی (۱)

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، کہ مسمیٰ علی بخش حجام عرصہ سات سال کا گزرا کہ مفقود و الخیر ہو گیا ہے، اس کی زوجہ بوجہ تنگی معاش و عدم قیام عصمت، نکاح ثانی اپنا مسمیٰ قادر بخش حجام، برادر کلاں علی بخش حجام مفقود مذکور، کے ساتھ کرنا چاہتی ہے، آیا یہ نکاح از روئے شرع شریف کے جائز ہے یا نہیں؟ مع ادلہ شرعیہ ارشاد فرمائیے۔ بیوا تو جرء، فقط۔

(۱) کسی عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے، اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس عورت کا شوہر زندہ ہے یا مردہ؟ تو اس کو اصطلاحاً مفقودۃ الزوج سے تعبیر کرتے ہیں، اس مسئلہ میں علمائے امت کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، اس مسئلہ میں کتب فقہ و فتاویٰ کے علاوہ کتب احادیث شریفہ میں مختلف آثار منقول ہیں، جن کے مطالعہ سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام کا موقف اس بارے میں مختلف تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی دوسری شادی نہیں کرے گی، اگر اس نے دوسری شادی کر لی، اور اس کے بعد اس کا سابق شوہر جولا پتہ تھا آگیا تو وہ عورت اس کی بیوی ہی رہے گی، اسے (لاپتہ شوہر) کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اسے بیوی بنا کر رکھے اور اگر طلاق دینا چاہے تو طلاق دی کر اپنی زوجیت سے الگ کر دے۔ اور ایک دوسرا اثر منقول ہے جس سے دوسرا جواب ملتا ہے کہ وہ عورت جس کا شوہر لاپتہ ہو گیا ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا مردہ؟ تو وہ عورت چار سال تک انتظار کرے گی، اور اس کے بعد چار ماہ وں دن کی عدت گزارنے کے بعد اس (لاپتہ شوہر) کی زوجیت سے پا ہر آ جائے گی۔ ائمہ ثلاثہ کے مسالک کی بنیاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اثر پر ہے جب کہ امام مالک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور موقف کو اختیار فرمایا ہے۔ صاحب فتاویٰ حضرت مولانا سید ابوالحسن محمد امین نصیر آبادی قدس سرہ نے ائمہ کرام اور علمائے احناف کے مسلک سے ہٹ کر اس مسئلہ میں امام مالک بن انس مدنی کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے، یہ صاحب فتاویٰ کی فقہی بصیرت کی بات تھی کہ انہوں نے غالباً اس مسئلہ میں الحیلۃ الناجزۃ اور کتاب الفسخ والتفریق جیسی اہم کتابوں کی تصنیف سے پہلے یہ فتویٰ دیا تھا۔ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اس مشکل مسئلہ کا حل ”الحیلۃ الناجزۃ للمرأة العاجزۃ“ لکھ کر پیش کیا، جس میں مشاہیر علمائے ہند و پاک، اور مالکی علمائے حرمین شریفین کی تصدیقات اور تصویبات ہیں، اس کے علاوہ اس موضوع پر سابق نائب امیر شریعت مولانا عبدالصمد رحمانی مونگیریؒ کی ایک اہم تصنیف ”کتاب الفسخ والتفریق“ کے نام سے مطبوع و متداول ہے۔

هو المصوب

جواب: اس مسئلہ میں دس بعد ہم مختلف ہیں۔ کما فی الفتح ای فتح القدیر:

الحاصل أن المسئلة مختلفة فی ما بین الصحابة، فذهب
عمر الی ما تقدم، وذهب علی الی أنها امرأته حتی یأتیه
البیان. (۱) انتہی.

وفی المؤطا لامام مالک رحمہ اللہ: أن عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ وأرضاه قال: أئیمًا امرأة فقدت زوجها فلم
تدر أين هو؟ فانها تنتظر أربع سنين، ثم تعتد أربعة أشهر
وعشرًا، ثم تحل (للزواج). (۲) انتہی.

[فتح القدیر از علامہ ابن ہمام میں ہے: حاصل کلام یہ ہے کہ یہ مسئلہ
صحابہ کرام کے مابین بھی مختلف فیہ ہے، چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ اس طرف گئے جس کا ذکر آچکا ہے، اور حضرت علی کرم
اللہ وجہہ اس طرف گئے کہ یہ (عورت) اس کی بیوی رہے گی یہاں
تک کہ اس کے پاس (موت یا طلاق کی) خبر آجائے۔

مؤطا امام مالک میں ہے: لا ریب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
کہ کوئی بھی عورت جس نے اپنے شوہر کو مفقود کر دیا ہے، اور وہ نہیں
جانتی کہ وہ (اس کا شوہر) کہاں ہے؟ پس وہ چار سال انتظار کرے
گی، پھر اس کے بعد چار مہینے اور دس دن عدت گزارے گی، پھر وہ
دوسرے کے ساتھ نکاح کے لیے حلال ہو جائے گی۔]

اور بعضوں نے اس پر اجماع صحابہ کا نقل کیا ہے۔ کما فی الزرقانی:

(۱) فتح القدیر، کتاب المفقود: ۶/ ۱۳۷، دار الکتب العلمیۃ بیروت، سنة الطباعة

۲۰۰۹م، الطبعة الثانية، تحقیق: عبد الرزاق غالب المهدی

(۲) مؤطا الامام مالک، کتاب الطلاق، باب العدة التي تفقد زوجها: ۱۱۷۲

قیل وقد أجمع الصحابة عليه، ولم يعلم لهم مخالف في عصرهم، وعليه جماعة من التابعين. (۱) انتھی۔

[شرح زرقانی درموطا امام مالک میں ہے: کہا گیا کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، اور ان کا کوئی مخالف ان کے زمانہ میں نہیں جانا گیا، اس مسئلہ پر تابعین کی ایک جماعت بھی قائم ہے۔]

اور حنفیہ وقت ضرورت تصریح کرتے ہیں کہ فتویٰ قول [امام] مالک پر جو موافق ایک جماعت صحابہ کی ہے۔ جائز ہے۔ کما فی رد المحتار:

ذكر ابن وهبان في منظومه: أنه لو أفتى بقول مالك في موضع الضرورة يجوز. (۲) انتھی۔

[رد المحتار میں ہے کہ ابن وهبان نے اپنی منظوم میں ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی (عالم یا مفتی) ضرورت کی جگہ میں امام مالک کے قول پر فتویٰ دے تو (ایسا کرنا) جائز ہے۔]

والله أعلم بالصواب. حرره الراجی عفو ربه المتین محمد امین حسنی الحسینی تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين. فقط



(۱) شرح الزرقانی علی الموطأ، کتاب الطلاق، باب العدة التي زوجها: ۳/۳۰۲، الطبعة الاولى ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م، مكتبة الثقافة الدينية، القاهرة

(۲) رد المحتار مع الرد، کتاب المفقود، مطلب فی الافتاء بمذهب مالك فی زوجة المفقود ۶/۴۶۱، دار الكتب العلمية بيروت، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م، الطبعة الثانية. منظومة الامام ابن وهبان علی نور الايضاح: ۱۵، کتب خانہ رشیدیہ، اردو بازار جامع مسجد دہلی

کتاب العنین

عنین کا حکم

سوال: چہ می فرماید علمائے دین و مفتیان شرع متین اندر اس معنی کہ مسکمی زید بہ مسکمی ہندہ عقد کرد در زمانہ دوازده سال شد، از آں جملہ با چہار سال چنانکہ دستور زمانہ ہست با ہندہ بسر بردہ از عرصہ ہشت سال در بیماری فاج المسکمی زید گرفتار شدہ تا اس دم حالتی از بیماری باقی ماند کہ بکار دنیا داری آید، چنانچہ از مسکمی زید برائے طلاق ہندہ گفتہ شد، جواب می دہد کہ ہرگز ہرگز طلاق نخواہم داد، نہ خبر گیری جامہ و طعام و دیگر اخراجات خواہم ساخت و خواہد شد از فاقہ کشی جان بہلاکت خواہم رسانید، و ہر روز و شب زد و کوب می نماید، ہندہ زندہ نیست بلکہ مردہ، پس دریں صورت آنچه حکم شرع شریف است؟ بینوا توجروا۔ فقط

هو المصوب

جواب: بر تقدیر صدق سوال مدت ایک سال کی، بناء بر ظہور آفت و عجز اصلی و عارضی کے، محبوب و عنین کو دی جاتی ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

وإذا كان الزوج عنيماً أحله الحاكم سنة، فان وصل إليها

فبها، ولا فرق بينهما إذ [طلبت] المرأة ذلك. انتهى (۱)

(۱) الہدایۃ، کتاب الطلاق، باب العنین وغیرہ: ۳/۲۷۷، مکتبۃ البشیری کراتشی،

[جب شوہر عنین ہو تو حاکم اس کو ایک سال کی مہلت دے گا، اگر وہ اس کے بعد مجامعت کر لے تو ٹھیک ہے، ورنہ دونوں کے مابین اس وقت تفریق کر دی جائے گی جب عورت اس کا مطالبہ کرے۔]
 اور اسی (ہدایہ شرح بدایۃ المبتدی از امام برہان الدین مرغینانی) میں ہے:
 [یحتمل] أن يكون الامتناع لعلة معترضة ويحتمل لآفة
 أصلية. انتھی (۱)

[احتمال ہے کہ یہ امتناع علت عارضہ کی وجہ سے ہو، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ آفت اصلی کی وجہ سے ہو۔]
 بر تقدیر بحر عارضی کے تفریق نہ ہوگی۔ کما فی الدر المختار:
 فلو جب بعد وصوله اليها مرة أو صار عنيماً بعده أي
 الوصول، لا يفرق لحصول حقه بالوطي مرة. انتھی (۲)
 [در مختار شرح تنویر الابصار میں ہے کہ ایک مرتبہ کی ہم بستری کے بعد
 اگر وہ (شوہر) مجبوب ہو جائے، یا اس (ہم بستری) کے بعد وہ
 عنین ہو جائے، تو ایک بار عورت کو مجامعت کے حق حاصل ہونے کی
 وجہ سے تفریق نہیں کی جائے گی۔]
 بحر خلع (۳) کے چارہ نہیں۔ عدم خبر گیری میں گنہگار ہوگا۔

(۱) نفس المصدر السابق آنفاً (۲) الدر المختار مع الرد، کتاب الطلاق،

باب العنین وغیرہ: ۱۶۸/۵، دار الکتب العلمیۃ، الطبعة الثانية ۲۰۰۳ م

(۳) میاں بیوی کے درمیان قائم رشتہ نکاح کو ختم کرنے کے تین طریقے شریعت نے بتایا ہے، ان میں سے ایک کا تعلق شوہر سے ہے اور تیسرے کا تعلق بیوی سے ہے، اور جب کہ دوسرے کا تعلق دونوں یعنی میاں و بیوی سے ہے، یہ دوسرا طریقہ دونوں کی رضا مندی سے انجام پاتا ہے، اس کو اصطلاح فقہ میں خلع کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان قائم رشتہ کا نبھایا جانا مشکل ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے رہا ہے تو ایسی حالت میں بیوی یا اس کے رشتہ دار مہربان مال کے ذریعہ طلاق حاصل کرے۔ قرآن مجید میں ہے:..... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم، حرره الراجی رحمة ربہ المتین محمد
 آمین حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الدقیق والسمین.

.....بقیہ حاشیہ.....

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَفْقَهُمَا حَدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرة: ۲۲۹)
 [ترجمہ: پس اگر تم کو خوف و اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدود الہی (زوجیت کے حقوق و فرائض کے
 ضابطوں اور قوانین) کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ
 (عورت) کچھ دے کر اپنی جان چھڑالے]

بخاری شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی
 اللہ عنہ کی بیوی دربار رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئیں اور آپ سے دریافت کیا: اے
 اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ثابت کے اخلاق و دین کے سلسلہ میں کوئی عیب نہیں کرتی
 ہوں، البتہ میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم ان کو ان کا
 دیا ہوا بارغ (جو مہر میں ایک بارغ دیا گیا تھا) کو واپس کر دو گی؟ انہوں نے جواب
 دیا: ہاں۔ [البخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع و کیف الطلاق فیہ، رقم:
 ۵۲۷۳-۵۲۷۶، دار السلام، الرياض] امام قدوری نے کتاب الخلع میں لکھا ہے: اذا تشاق
 الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود اللہ فلا بأس أن تفتدی نفسہما منہ بمال یخلعہما
 بہ۔ (مختصر القدوری: ۲۰۴، المطبع المجیدی ببلدہ کان فور، ۱۳۷۳ھ) یعنی جب
 زوجین میں ناچاقی پیدا ہو جائے اور دونوں کو اس کا اندیشہ ہو کہ وہ زوجیت کے حقوق و قوانین کی
 پاسداری نہ کر سکیں گے، تو عورت کے لیے کوئی حرج اور گناہ نہیں کہ وہ مال کے ذریعہ سے خلاصی
 حاصل کر لے۔ خلع کا حکم یہ ہے کہ خلع کرنے سے ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، جس طرح
 الفاظ کنائی سے ایک طلاق بائن ہوتی ہے، یہ حکم تخمینی نہیں بلکہ حقیقی ہے، محدث بیہقی کی روایت
 میں ہے: الخلع تطلیقہ بائنہ۔ یہی متعدد حضرات صحابہ کرام کا مسلک ہے، حضرت عثمان بن
 عفان، حضرت علی مرتضیٰ، اور حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے اکابر صحابہ کرام کا بھی یہی مسلک تھا، اور
 احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

کتاب الظہار (۱)

ظہار اور اس میں نیت کا اثر

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و تابع شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی مرد نے اپنی منکوحہ کو غصہ میں مادر کہا کہ تو میری ماں ہے، اور عورت نے کہا کہ تو میرا نکاح ہے، تو نکاح رہا کہ نہیں؟ یا کہ اس پر کفارہ عائد ہوگا؟ فقط۔
(مرسلہ: امام الدین پنجابی از ملک برہما۔ محرمہ ماہ جنوری ۱۸۹۴ء)

هو المصوب

جواب: بشرط حرف تشبیہ، صورت مسئلہ [میں] اگر بنیت ظہار کہا، ظہار ہوگا۔ اور اگر (۱) شوہر کا اپنی بیوی کسی ایسی عورت سے تشبیہ دینا یا اس کے برابر کہنا جس سے اس کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، شریعت میں ظہار کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ شوہر اس عورت سے اس وقت تک مباشرت نہیں کر سکتا جب تک کہ ظہار کا کفارہ نہ ادا کر دے، قرآن مجید نے ظہار اور اس کے کفارے کو تفصیل سے بیان کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ذَلِكُمْ تَوْعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ۖ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾ (المجادلة: ۳-۴)

[جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اپنی کبھی ہوئی بات کی خلاف ورزی کرنا چاہتے ہیں تو قبل اس کے کہ ایک دوسرے سے ملیں، ان کے ذمے ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے، اور اس کفارہ کے ذریعہ تم کو تنبیہ کی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ اگر کسی کو یہ میسر نہ ہو تو مباشرت اور میل جول سے پہلے دو ماہ پے در پے روزے رکھنا ہے، اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔]

بارادۂ طلاق کہا تو طلاق ہوگا۔ ورنہ بلا نیت کسی شی کے لغو ہوگا۔ کما فی شرح الوقایہ:

وفی أنت علی مثل أمی أو کأُمی، ان نوى الکرامة أو
الظهار صحت أى نیتہ، وان نوى الطلاق بانت، وان لم ينو
شیئاً لغا. (۱) انتہی.

وہكذا فی الهدایہ: ولو قال: أنت علی مثل أمی أو کأُمی،
یرجع الی نیتہ لینکشف حکمہ، فان قال: أردت الکرامة
فہو کما قال، لأن التکریم بالتشبیہ فاش فی الکلام، وان
قال: أردت الظہار فہو ظہار، لأنه تشبیہ بجمیعہا وفيہ
تشبیہ بالعضو، لکنہ لیس بصریح فیفتخر الی النیة، وان قال:
أردت الطلاق فہو طلاق بائن، لأنه تشبیہ بالأم فی الحرمة
فکأنہ قال: أنت [علی] حرام ونوى الطلاق، وان لم تکن له
نیة فلیس بشی عند أبی حنیفة وأبی یوسف [لاحتمال
الحمل علی الکرامة]. (۲) انتہی.

[شرح الوقایہ میں ہے: انت علی مثل أمی یا کأُمی میں اگر وہ
کرامت یا ظہار کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہو جائے گی، اور اگر
وہ طلاق کی نیت کرے تو وہ بائنہ ہو جائے گی، اور اگر کچھ بھی نیت نہیں
کرے تو یہ لغو ہوگا۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے: اگر کوئی أنت علی مثل أمی یا کأُمی کہتا ہے تو
اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا تاکہ اس کا حکم ظاہر ہو جائے،

(۱) شرح الوقایہ مع عمدة الرعاۃ للإمام اللکنوی، کتاب الطلاق، باب الظہار، بیان

کفارة الظہار: ۱۱۳/۲-۱۱۴، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند، بلاشبہ

(۲) الهدایہ، کتاب الطلاق، باب الظہار: ۲۵۲/۳، مکتبۃ البشری، لاہور پاکستان،

الطبعة الثانية ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷م

اگر وہ یہ کہے کہ میری اس سے مراد کرامت ہے تو اس کا وہی حکم ہوگا جس کو اس نے کہا ہے، کیونکہ کلام (بول چال اور گفتگو) کے اندر کرامت کے ذریعہ تشبیہ عام ہے، اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے اس سے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو وہ ظہار ہوگا کیونکہ اس (ماں) کے وجود سے تشبیہ ہے، اور اس میں تشبیہ بالعضو بھی ہے، لیکن صراحت نہیں ہے، چنانچہ نیت کی طرف رجوع کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق بائن ہوگی، کیونکہ حرمت میں ماں سے تشبیہ ہے، گویا کہ اس نے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے، اور اس نے طلاق کی نیت کی، اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں ہوگی تو کرامت پر محمول کرنے کے احتمال کی وجہ سے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک کچھ نہیں ہوگا۔]

و کذا فی الفتح:

یلغو قوله أنت أمی أویا ابنتی أویا أختی ونحو ذلك مما

لیس فیہ تشبیہ، نعم یکره التکلم (۱) بمثل هذا. (۲) انتھی.

(۱) ایسے کلمات سے بیوی کو خطاب کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ایک مسئلہ یہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے ماں یا بہن کے مثل یا برابر نہیں کہا، بلکہ یوں کہا کہ تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے، تو ظہار نہیں ہوگا، مگر ایسا کہنا گناہ ہے، اور مکروہ تحریمی ہے (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب التاسع فی الظہار) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کو بہن کہہ کر خطاب کرنے سے منع فرمایا، حدیث شریف میں ہے: عن ابی تمیمۃ الہجیمی، أن رجلاً قال لامرأته: یا أخیة! فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أختک ہی؟ فکره ذلك، ونهی عنه. (سنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الرجل یقول لامرأته یا أختی، رقم: ۲۲۱۰) ابو تمیمہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: اے بہن! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہاری بہن ہے؟! پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا، اور اس سے منع فرمایا۔

(۲) عملة الرعاية فی حل شرح الوقایة للإمام اللکنوی مع شرح الوقایة، کتاب الطلاق، باب الظہار، بیان کفارة الظہار: ۲/۱۱۴، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند، بلا سنہ

[فتح القدیر میں ہے کہ کہنے والے کے اس قول میں "أنت أُمی، یا

ابنتی، یا اُختی" اور اس طرح کے جملے جن میں کوئی تشبیہ نہیں ہے،

لغو ہیں، ہاں ایسے کلمات کا استعمال مکروہ ہے۔]

پس ساتھ حرف تشبیہ کے بلائیت طہار و طلاق، لغو ہوگا۔ ایسا کلمہ بدون حرف تشبیہ کے بدرجہ اولیٰ لغو ہے، ایسے الفاظ سے نکاح باقی (لیکن) ایسے کلمات کرہیت سے خالی نہیں۔ (اور) جانب عورت سے بہر تقدیر اور بہر صورت لغو و عبث [ہے] کیونکہ طلاق و طہار جانب مرد سے [ہے]، نہ عورت کی طرف سے۔

واللہ أعلم بالصواب وعندہ حسن الثواب، حررہ الراجی عفو ربہ

المتین محمد امین حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین۔

تشبیہ سے وقوع طلاق یا طہار؟

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت کو کسی وجہ سے ناراض ہو کر یہ کہا کہ اگر میں اس کو اپنے گھر آنے دوں تو اپنی کسی محرمات کے ساتھ مرتکب برے فعل کا ہوں، یعنی زنا کروں۔ [اب] یہ شخص اپنی عورت کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

هو المصوب

جواب: صورت مسئلہ میں اگر نیت طلاق کی ہے [تو] حکم طلاق کا ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

ولو قال: ابعدي عني ونوي الطلاق، يقع. (۱)

ایسا ہی [فتاویٰ] قاضی خان (اور) فتح القدیر میں ہے:

من الکنايات تنحى عني ونجوت مني. (۲)

(۱) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنايات: ۳۷۶/۱، مکتبہ

زکریا دیوبند، الطبعة بدون السنة والتاریخ

[اور اگر وہ (اپنی بیوی سے) کہے کہ تو مجھ سے دور ہو جا، اور وہ طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع

ہو جائے گی۔] (۲) فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الفتاویٰ الہندیہ، کتاب

الطلاق، فصل فی الکنايات والمدلولات: ۴۶۸/۱، الطبعة الہندیہ بدون السنة

فی الدر المختار: أنت علي حرام كأمي، صبح ما نواه من
ظہار أو طلاق. (۱)

[کنایات کی قبیل سے ”تنحی عنی“ اور ”نجوت منی“ بھی
ہے۔ در مختار میں ہے کہ [اگر شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ] تو مجھ پر
میری ماں کی طرح حرام ہے، تو ظہار یا طلاق میں سے جس کی نیت
کرے، درست ہے۔]

واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم، حرره الراجی رحمۃ ربہ المتین محمد
أمین حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الدقیق والسمین.



کتاب العدة

مطلقة کب نکاح کر سکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید نے اپنی منکوحہ عورت سے دین مہر اور عدت وغیرہ معاف کرا کے، اور ایک روپیہ نقد لے کر طلاق بائن بموجہ دگی تین شخصوں گواہان کے دے دیا، اب مسماۃ مطلقہ کتنے روز کے بعد اپنا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ کر سکتی ہے؟ بموجب قرآن وحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جواب ارتقام فرمایا جاوے۔ بیٹواتو جروا۔

(راؤم: خاکسار عبدالصمد چودھری، بابونگن ڈاکخانہ بابونگن ضلع پرنٹاب گڑھ)

هو المصوب

جواب: عدت طلاق تین قروء [ہیں] جس کے بعد دوسرے کے ساتھ نکاح کا

اختیار ہوگا۔ کما قال تعالیٰ:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ (۱)

حنفیہ کے نزدیک تین حیض ہیں، شافعیہ کے نزدیک تین طہر۔

جوا کہہ (یعنی جس کو حیض نہیں آتا) ہے اس کے لیے تین مہینہ ہے۔

﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ﴾ (۲)

(۱) البقرة: ۲۲۸- ترجمہ: [مطلقة عورتیں اپنے بارے میں تین دور تک انتظار کریں]

(۲) الطلاق: ۴

[اور تمہاری جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینہ ہے۔]

کما فی الحدیث رواہ أبو داود والترمذی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم: "طلاق الأمة تطليقتان وعدتها حیضتان". انتهى. (۱)
وما رواہ البخاری فی قصة ابن عمر رضی اللہ عنہما "مرہ فلیراجعہا"..... الحدیث. انتهى. (۲) فقال أهل الکوفة: ہی الحیض، وهو قول عمر وعلی و ابن مسعود وأبی موسی ومجاهد وقتادة والضحاك وعکرمة والسدي وأحمد بن حنبل. وقال أهل الحجاز: ہی الأطهار، وهو قول عائشة وابن عمر..... والزهري والنخعي. (۳)

- (۱) جامع الترمذی، کتاب الطلاق، باب ما جاء أن طلاق الأمة تطليقتان، رقم: ۱۱۸۲، دار السلام الرياض. سنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی طلاق العبد، رقم: ۲۱۸۹
(۲) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (الطلاق: ۱)، رقم: ۵۲۵۱، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلك الطلاق، رقم: ۵۲۵۲، سنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی طلاق السنة، رقم: ۲۱۷۹-۲۱۸۵، دار السلام الرياض، امام ابو داؤد نے اس حدیث کے بارے میں "هو حدیث مجهول" کہا ہے، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، صفحہ: ۲۹۹، بن طباعت ۱۳۵۵ھ-۱۸۸۶ء
(۳) پوری تفصیل کے لیے "فتح القدیر، النقایة، البحر الرائق" وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں، نیز کنز الدقائق میں کتاب الطلاق، باب العدة کے حواشی صفحہ: ۱۳۸، از مولانا اعجاز علی امروہی سابق استاد دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ مطبع قاسمی ۱۳۴۳ھ، باہتمام مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندی میں ملاحظہ کریں۔ قروہ کا اطلاق انہی اعتبار سے حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے، امام مالک اور امام شافعی اور ان کے ہم خیال حضرات قرء کا معنی طہر متعین کرتے ہیں، جبکہ دوسرے حضرات قرء سے حیض مراد لیتے ہیں، جن میں امام ابو حنیفہ، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام زقر، امام اسحاق بن راہویہ اور ان کے ہم خیال لوگ ہیں، امام نووی شارح مسلم نے دوسرے فریق کی حمایت میں لکھا ہے: والقائل بالحیض یشرط ثلاث حیضات کوامل، فهو أقرب الی موافقة القرآن. شرح النووی: ۵/۲۰۴، دار احیاء التراث العربی بیروت، تحقیق: الشیخ عرفان العشما حسونة

[ترجمہ: جیسا کہ حدیث میں ہے، جس کو امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”باندی کی طلاق دو طلاق ہیں، اور اس کی عدت دو حیض ہیں“ اور جو روایت امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واقعہ میں نقل کیا ہے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابن عمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ) ”ان سے کہو کہ اپنی عورت سے رجوع کر لے..... الخ“۔

اہل کوفہ کہتے ہیں کہ یہ (قروء سے مراد) حیض ہے، اور یہ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ اور ابو موسیٰؓ، مجاہدؓ، قتادہؓ، ضحاکؓ، عکرمہؓ، سدیؓ اور احمد بن حنبلؓ کا قول ہے۔ اور اہل حجاز کہتے ہیں: یہ طہر ہے، اور یہ حضرت عائشہؓ، ابن عمرؓ..... زہریؓ اور نخعیؓ کا قول ہے۔]

واللہ أعلم بالصواب، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد امین حسینی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الدقیق والمبین.

دورانِ عدت بیوہ معتدہ کا عیادت کرنا؟

سوال: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ ایک عورت معتدہ الموت اپنے مکانِ فرقت میں عرصہ تین (۳) ماہ سے ہے، اور ایک ماہ دس دن اس کی عدت میں باقی ہیں، اب اس کی ماں بہن دونوں بیمار ہیں، یہ ہر دوسری شخص اس معتدہ کے پاس بوجہ اپنی علالت کے جا نہیں سکتی، اور نہ معتدہ بپاعت عدم القضاء عدت، ماں و بہن کی عیادت کر سکتی ہے، اور ایک دوسرے کی مفارقت کا از حد صدمہ ہے جس سے خوف زیادتی مرضِ مریضخان کا ہے، لہذا ایسی حالت میں معتدہ اپنی ماں و بہن کے مکان میں آکر عیادت کرے، [تو] درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا، فقط۔

هو المصوب

جواب: اس مسئلہ میں اختلاف ہے روایت و درایت۔ فی الہدایۃ:

ولا يجوز للمطلة الرجعية والمبتوتة الخروج من بيتها ليلاً ولا نهاراً، والمتوفى عنها زوجها تخرج نهاراً أو بعض الليل، ولا تبیت فی غیر منزلها. (۱) انتہی.

[ہدایہ میں ہے: مطلقہ رجعی اور بابتہ کے لیے اپنے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، خواہ (یہ نکلنا) دن میں ہو یا رات میں۔ اور متوفیٰ عنہا زوجہا (بیوہ) دن میں اور رات کے بعض حصہ میں نکل سکتی ہے، البتہ وہ اپنے گھر کے علاوہ رات کہیں اور جگہ نہیں گزارے گی۔]

وفی الکفاۃ:

فأما المتوفى عنها زوجها يُباح لها الخروجُ نهاراً، فيمكنه التعريضُ لها على وجهٍ لا يقف عليه سواها. (۲) انتہی.

وفی الدر المختار:

ومعتدة موت تخرج في الجديدين، وتبيت أكثر الليل في منزلها، لأن نفقتها عليها، فتحتاج للخروج، حتى لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلة، فلا تحل لها الخروج. وجوزها في "القنية" خروجها لاصلاح مالا بدّ لها منه كزراعة ولا وكيل لها، طلقت أو مات وهي زائرة في غير مسكنها عادت إليه فوراً لوجوبه عليها، وتعتدان أي معتدة طلاق و موت في بيت وجبت فيه، ولا تخرجان منه إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل أو يخاف انهدامه أو تلف ماله أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات،

(۱) الهدایہ، کتاب الطلاق، فصل فی باب العدة: ۳/۲۹۷، مکتبۃ البشری، لاہور

پاکستان، الطبعة الثانية ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷م

(۲) الکفاۃ شرح الهدایہ: ۴/۱۶۵ مع فتح القدیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت

فتنخرج لأقرب موضع. (۱) انتھی۔

[کفایہ شرح ہدایہ میں ہے: جہاں تک متوفیٰ عنہا زوجہا (بیوہ) کی بات ہے تو اس کے لیے دن میں نکلنا جائز ہے، اس سے اس طرح پر تعریض بالنکاح کرنا درست ہے جس پر اس کے سوا کوئی واقف نہ ہو۔ یعنی مثلاً تعریض میں اس طرح کے جملے کہے جاسکتے ہیں: اِنَّكَ لَحَمِيلَةٌ، اِنَّكَ لَصَالِحَةٌ، من غرضی اَنْ اُتَزَّوَّجَکَ، وغیرہ۔ البتہ صاف انداز میں کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس وقت تعریض کے بجائے تصریح ہو جائے گی، مثلاً کوئی کہے: اَتُنِي اُرِيْدُ اَنْ اُنْكَحَکَ، وغیرہ۔

درمختار میں ہے: اور موت کی عدت گزارنے والی جدیدین یعنی دن اور رات میں نکل سکتی ہے، اور رات کا اکثر حصہ گھر میں گزارے گی، اس لیے کہ اس کا نفقہ اسی کے ذمہ ہے، تو وہ نکلنے کے لیے محتاج ہے، حتیٰ کہ بیوہ کے پاس اس کی بقدر کفایت مال ہے تو وہ مطلقہ کی طرح ہو جائے گی، لہذا اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہوگا۔

فقہ میں ہے کہ معتدہ کا اپنی ضروریات کی اصلاح و درستی کے لیے نکلنا جائز ہے، جیسے کہ زراعت و کھیتی کی دیکھ ریکھ اور خبر گیری کے لیے نکلنا جب کہ اس کا کوئی کارندہ نہ ہو۔ اور کوئی عورت مطلقہ ہوگئی، یا کسی کا شوہر مر گیا ہے اس حال میں کہ وہ اپنے مکان میں نہیں ہے، تو وہ (طلاق یا موت کی خبر پا کر) فی الفور اپنے گھر (مکان) میں آئے گی کیونکہ اس مکان میں آنا واجب ہے، اور معتدہ طلاق اور متوفیٰ عنہا زوجہا (بیوہ) دونوں اس گھر میں عدت گزاریں گی جس میں عدت واجب ہوئی ہے، اور دونوں اس گھر سے نہیں نکلیں گی الا یہ کہ اس وقت نکلنا جائز ہے جب کہ ان وہاں سے نکالی جائے یا گھر منہدم ہو

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطلاق، باب العدة: ۵/۲۲۵، دار الکتب

جانے کا خوف ہو، یا اپنے مال کے برباد ہونے ڈر ہے، یا گھر کا کرایہ دینے کی استطاعت عورت میں نہیں ہے، اور اس قسم کی اور ضروریات ہیں، تو اس مکان سے قریب ترین مکان کی طرف منتقل ہو جائے گی، یعنی اس کو کوشش ہوئی چاہیے کہ وہ زیادہ دور نہ جائے۔]

وفی مؤطا [الامام] محمد فی قصة الفریعة، فقال:

أمکنی فی بیتک حتی یبلغ الكتاب أجله، قالت: فأعددت فیہ أربعة أشهر وعשרاً، قالت فلما کان أمر عثمان، أرسل الیّ، فسئلنی عن ذالک؟ فأخبرته بذالک فاتبعه وقضی به. (۱) انتھی.

قال [الامام] محمد فی المؤطا: لا ینبغی للمرأة أن تنتقل من منزلها الذی طلقها فیہ زوجها، ان کان الطلاق بائناً أو غیر بائن أو مات عنها فیہ حتی تنقضي عدتها، وهو قول أبی حنیفة و العامة من فقہائنا. (۲) انتھی.

[مؤطا امام محمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے، انہوں نے کہا کہ میں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن شمار کر لیے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد آیا تو آپؐ نے مجھے بلوایا اور اس کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا، میں نے آپ کو اس کے بارے میں بتایا، آپؐ نے اس کو تسلیم کیا، اور اس کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

(۱) مؤطا الامام محمد بن الحسن الشیبانی مع التعليق الممجد للامام اللکنوی، تحقیق: الأستاذ تقي الدين الندوي المظاہری، کتاب الطلاق، باب المرأة تنتقل من منزلها قبل انقضاء عدتها من موت أو طلاق: ۲/۵۶۱-۵۶۴، رقم الحديث: ۵۹۲، الطبعة الثانية ۱۴۱۸-۱۹۹۸ م

(۲) مؤطا الامام محمد بن الحسن الشیبانی مع التعليق الممجد للامام اللکنوی، کتاب الطلاق: ۲/۵۶۰-۵۶۱، ۲/۵۶۵، الطبعة الثانية ۱۴۱۸-۱۹۹۸ م

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ موطا میں فرماتے ہیں کہ اس عورت کے لیے اپنے اس گھر سے منتقل ہونا درست نہیں جس میں اس کے شوہر نے اس کو طلاق دی ہے، خواہ طلاق بائن ہو یا طلاق غیر بائن یا متوفی عنہا زوجہا ہو یہاں تک کہ اس کی عزت گزر جائے، اور یہ امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہائے کرام کا قول ہے۔]

عن جابر رضي الله عنه قال: طَلَّقَتْ خَالَتَهُ، فَأَرَادَتْ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى نَحْلٍ لَهَا، فَلَقِيَتْ رَجُلًا، فَهَاهَا، فَجَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اخْرُجِي فِجْدَى نَحْلِكَ لَعَلَّكَ تَصَدَّقِي أَوْ تَفْعَلِي معروفًا. كذا رواه النسائي. (۱)

وفی روایۃ الترمذی فقال: کیف قلت؟ قالت: فرددت علیہ القصۃ الّتی ذکرْتُ لہ من شأن زوجی، قال: أمکنی فی بیتک حتی یشلخ الکتاب أجلہ..... الحدیث. قال صاحب الترمذی: والعمل علی هذا الحدیث عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم، لم يروا للمعتدة أن تنتقل من بيت زوجها حتى تنقضي عدتها. وهو قول سفیان الثوری والشافعی وأحمد وأسحاق.

[حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ مطلقہ ہو گئیں تو انہوں نے اپنے نخلستان کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا، چنانچہ وہ راستہ میں ایک آدمی سے ملی تو اس آدمی نے ان کو منع کیا، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکلو اور اپنی کھجوروں کو توڑ لو، شاید کہ تم صدقہ کرو یا کوئی خیر کا کام کرو۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ پس آپ نے فرمایا کہ تم یہ کیسے کہتی ہو؟

(۱) سنن النسائي، کتاب الطلاق، باب خروج المتوفی عنها بالنهار، رقم: ۳۵۸۰. سنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی المبتوتۃ تخرج بالنهار، رقم: ۲۲۹۷. دار السلام الریاض

انہوں نے جواب دیا: میں نے پورا قصہ دوہرا دیا جو میں نے اپنے شوہر کے بارے میں ذکر کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھر میں ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے..... الخ۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور دیگر بہت سے اہل علم کے نزدیک اس حدیث پر عمل ہے، یہ حضرات معتدہ کے لیے اپنے شوہر کے گھر سے منتقلی کو اس وقت تک جائز قرار نہیں دیتے جب تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔ اور یہ حضرت سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔ [۱]

و[قال اللہ تعالیٰ] فی کلامہ المجید:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ﴾ (۲)

[اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں فرمایا: ان کو اپنی حیثیت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو]

وفی کلامہ تعالیٰ:

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ

بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ﴾ (۳)

[ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہ تم ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس کے کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کر بیٹھیں۔]

واللہ أعلم، وعلمہ اتم وأحكم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد

أمین حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین. فقط.

(۱) جامع الترمذی، أبواب الطلاق واللعان، باب ما جاء أين تعتد المتوفی عنها

زوجها، رقم الحدیث: ۱۲۰۴، دار السلام الرياض. سنن أبی داؤد، کتاب الطلاق،

باب فی المتوفی عنها تنقل، رقم: ۲۳۰۰، دار السلام الرياض

کتاب الحضانه

حق حضانت اور اس کی مدت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرد تھا، وہ مر گیا، اور دو لڑکے ہیں اس کی نسل سے، لڑکوں کی ماں نے دوسرا نکاح کیا، اور لڑکوں کی دادی نے دوسرا نکاح کیا، اور لڑکوں کے چچا اور دادا بھی ہے، اور لڑکوں کی عمر یہ ہے کہ لڑکی دو برس کی اور لڑکا چار برس کا، اور اب اس وقت تین شخص دعویٰ کرتے ہیں: اول: ماں کہتی ہے کہ میں پرورش کروں گی۔ دوسرے: دادی کہتی ہے کہ میں پرورش کروں گی۔ تیسرے: دادا کہتا ہے کہ میں پرورش کروں گا۔ سو اب کس کی پرورش میں آسکتے ہیں؟ اور پرورش کی مدت کیا ہے؟ فقط۔

هو المصوب

جواب: حق حضانت یعنی پرورش کا [حق] جس کی تحدید زمانہ میں (اور) تعداد ازمہ میں، فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

والأم و الجدة أحق بالغلام حتى يأكل وحده ويشرب وحده ويلبس وحده ويستنجي وحده. وفي الجامع الصغير حتى يستغني فياكل وحده ويشرب وحده ويلبس وحده، والمعنى واحد، لأن تمام الاستغناء بالقدره على الاستنجاء، ووجه أنه اذا استغنى يحتاج الى التأديب

والتخلق بأداب الرجال وأخلاقهم، والأب أقدر على
التأديب والتشفيق. والخصاف قدّر الاستغناء بسبع سنين
اعتباراً للغالب. (۱) انتہی۔

[ماں، نانی اور دادی کو (بالتربیب) بچہ کی حضانت حق کا ہے، یہاں
تک کہ وہ خود کھانے لگے، خود پینے لگے اور خود پہنے اور خود سے استنجاء
کرنے لگے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ یہاں تک کہ وہ خود مستغنی
ہو جائے کہ خود کھانے لگے، پینے لگے اور خود پہنے۔ اور دونوں کا
مفہوم ایک ہی ہے، اس لیے کہ کامل استغناء قدرت علی الاستنجاء کے
ساتھ وابستہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ مستغنی ہو جائے گا تو
آدمیوں کے آداب و اخلاق کو اختیار کرنے اور سنورنے، مزین
ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، اور باپ اخلاق و آداب سکھانے پر
زیادہ قادر ہے۔ اور امام ابو بکر احمد بن عمر خصافؒ نے عموم کا اعتبار
کرتے ہوئے سات سال کا حکم لگایا ہے۔]

”کافی“ وغیرہ میں فتویٰ [ہے] اوپر سات برس کے۔ چنانچہ عینی والے نے نقل
کیا، پس حق حضانت و پرورش ماں کا [ہے]، من بعد نانی کا، من بعد دادی کا، جب
تک کہ شادی انہوں نے دوسرے سے نہ کی ہو، ورنہ تزویج سے حق ساقط ہوتا ہے۔
جیسا کہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا:

عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمرو أن
امرأة قالت؛ يا رسول الله! إن ابني هذا كان بطني له وعاء،
وحجري له حواء، وثديي له سقاء، وزعم أبوه أنه ينتزعه
منّي، فقال عليه الصلاة والسلام: أنت أحق به ما لم

(۱) الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، باب حضانتہ الولد ومن أحق بہ: ۳۱۲-۳۱۳،

تزوجی۔ انتہی (۱)۔

[عمر بن شعیب اپنے والد، اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! پیشک میرا پیٹ میرے اس بچہ کے لیے برتن ہے، میری گود اس کا گھر ہے، اور میری چھاتیاں اس کے لیے ڈول ہے، اس کا باپ اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس بچہ پر تمہارا حق زیادہ ہے جب تک کہ تم شادی نہ کرو۔]

واللہ اعلم، رقمہ محمد امین القطبی حسنی الحسینی الأحمدی
المحمدی النصیر آبادی تجاوز اللہ عن سیاتہ و معصیاتہ الخفیۃ والجلیۃ۔ فقط

حضانت کا حق کس کو حاصل ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا، زید کی نسل سے ہندہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا، اور اس کا نام اسماعیل رکھا گیا، بعد چند روز کے زید انتقال کر گیا، اور اسماعیل کو لے کر ہندہ پانچ سال تک پیٹھی رہی، بعد اس کے ہندہ نے عمرو سے نکاح کیا، اور جو لڑکا زید کی نسل سے پیدا ہوا تھا، وہ لڑکا لے کر عمرو کے یہاں ہندہ گئی، اور وہ لڑکا بلوغت کو پہنچا، ہندہ نے اسماعیل کو گھر سے نکال دیا، اور چند روز کے بعد اسماعیل نے زینب سے نکاح کیا، اور اسماعیل کی نسل سے دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، بعد چند روز کے اسماعیل نے انتقال کیا، لڑکے چھوٹے ہیں، لڑکا چار برس کا اور لڑکی دو برس کی، سو اس وقت میں وارث کون ہیں؟ لڑکے کی دادی کہتی ہے کہ میرا حق ہے کہ میرے لڑکے کے

(۱) سنن أبی داؤد، أبواب تفریع الطلاق، باب من أحق بالولد، رقم: ۲۲۷۶، دار

السلام الریاض۔ سنن الدارمی، باب المهر، رقم: ۲۱۸، ۲۱۹، سنن الدارقطنی،

کتاب النکاح، باب المهر، رقم: ۳۸۰۸، ۳۸۱۰

لڑکے ہیں، اور زید کے بھائی کہتے ہیں کہ میرا حق ہے، اور زینب کہتی ہے کہ میرا حق ہے کہ میں نے پرورش کیا ہے، تو کس کی طرف ورثہ (پرورش کا حق) پہنچتا ہے؟

هو الموفق

جواب: حق حضانت یعنی پرورش کا حق ماں کا ہے، (اور) جبکہ ماں نے اپنے عقد ثانی کر لینے سے حق پرورش کو ساقط کیا، تو ام الام [نانی] ہے، (اور) بر تقدیر عدم حیات ام الام یعنی جدہ، ام الاب ہے یعنی دادی ہے، (اور) حق ولدیت بعد اب و جد کے عم ہے یعنی باپ دادا کے پیچھے جو بھائی حقیقی باپ کا ہے، حق ولدیت اس کا [ہے]۔
واللہ أعلم بالصواب، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد امین
حسني الحسيني النصير آبا دي عفا الله عنه ذنوبه وعن والديه. فقط



کتاب المیراث

ماں، زوجہ، تین لڑکے، دو لڑکیاں اور بہن میں تقسیم میراث سوال: چھی فرمانید علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی فقیر محمد ابن غلام محمد جاسی روبروئے مادر خود مسماۃ ہندہ مذہب شیعہ، و مسماۃ زینب [اخت] و مسماۃ خانیہ زوجہ فقیر محمد مذہب شیعہ، و مستون میر محمد و عمرو زید بنون حنفی المذہب، و مسمیان جہانیہ و شہانیہ بنات خود فوت شد۔ و بعدہ مسماۃ ہندہ روبروئے دختر خود مسماۃ زینب مذکورہ و بنون و بنات فقیر محمد محبوب الارث را گذارشتہ فوت شد، حالا از ترکہ فقیر محمد و مسماۃ ہندہ، بہر کس از ورثائے شرعی چہ قدر شرعاً میراث خواہد رسید۔ بیوہ بالکتاب [والسنتہ] و تو جروایوم الحساب، فقط.

[کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی فقیر محمد بن غلام محمد جاسی نے اپنی ماں مسماۃ ہندہ جو شیعہ مذہب رکھتی ہے، اور مسماۃ زینب اور مسماۃ خانیہ زوجہ فقیر محمد جو کہ شیعہ مذہب کو ماننے والی ہیں، اور فرزندان مسمیان میر محمد، عمرو، اور زید حنفی مسلک کے پابند ہیں، اور دختران خود مسمیان جہانیہ اور شہانیہ کے روبرو انتقال کیا۔

اور اس کے بعد مسماۃ ہندہ نے اپنی بیٹی مسماۃ زینب مذکورہ، اور فرزندان و دختران فقیر محمد محبوب الارث کو چھوڑ کر فوت ہو گئی، اب مسمی فقیر محمد اور مسماۃ ہندہ کے ترکہ سے ورثائے شرعی میں سے کس کو شرعاً میراث میں کتنا حصہ ملے گا۔ کتاب و سنت کی روشنی میں

وضاحت فرمائیں اور روز قیامت مستحق اجر ہوں۔ فقط]

هو المصوب

جواب: بعد تقدیم مایہ تقدم علی الارث ترکہ متروکہ فقیر محمد، حصہ ششم مادر موی الیہ مسماة ہندہ (۱) و حصہ ہشتم زوجہ (۲) مورث، باقی "لِلَّذَکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِیْنِ" در میان پسران و دختران (۳) تقسیم خواہد یافت۔ [اخت او مسماة زینب محروم شود]۔ (۴)

(۱) وأما للأُم فأحوال ثلاث: (۱) السدس مع الولد أو ولد الولد وإن سفل، أو مع الاثنين من الأخوة والأخوات فصاعداً من أي جهة كانوا، (۲) وثالث الكل عند عدم هؤلاء المذكورين، (۳) وثالث ما بقي بعد فرض أحد الزوجين.

(السراجی فی المیراث مع دلیل الوراثة للکیرانوی: ۲۷، مكتبة الاتحاد بدیوبند)

الأصل فی أحوال الأم قوله تعالى:

﴿وَلَا يُوْثِرُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثَّلَاثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ (النساء: ۱۱)

(۲) أما للزوجات فحالتان: (الحالة الثانية) والثلث مع الولد وولد الابن وإن سفل. (السراجی فی المیراث: ۱۹، مع دلیل الوراثة).

والأصل فی میراث الزوجة قوله تعالى:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (النساء: ۱۲)

(۳) وأما بنات الصلب فأحوال ثلاث: (۱) النصف للواحدة (۲) والثلاث للثنتين فصاعداً (۳) مع الابن ﴿لِلَّذَکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِیْنِ﴾ وهو یعصبهن.

(السراجی فی المیراث: ۲۰)

والأصل فی ذلك قوله تعالى:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِیْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (النساء: ۱۱)

(۴) بنو الأعیان والعلات أى الأخوة والأخوات لأب وأم، وبنو العلات أى الأخوة والأخوات لأب کلهم یسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل.

(الشریفة شرح السراجیة: ۲۰، المكتبة الأسعدیة سهارن فور، الهند)

دور تر کہ مسماۃ گہاسی یعنی ہندہ بجز دختر حسن باندی یعنی زینب دیگر سچ نخواستہ
یافت و نخواستہ رسید، بلکہ حصہ کہ از تر کہ فقیر محمد بہادرش او ہم بعد وفاتش بدخترش مسماۃ
زینب خواہد رسید۔ (۱)

[صورت مسئلہ میں ان امور کو انجام دینے کے بعد جو تقسیم میراث پر
مقدم ہوتے ہیں (یعنی تجہیز و تکفین کا خرچ نکالا جائے، اور قرض ادا
کیا جائے، اور وصیت نافذ کی جائے) فقیر محمد کے ترکہ متروکہ میں
سے ماں مشار الیہا مسماۃ ہندہ کو چھٹا حصہ، اور زوجہ کو آٹھواں حصہ
ملے گا۔ باقی کو بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔] اس
کی بہن مسماۃ زینب محروم ہوگی۔

ترکہ مسماۃ ہندہ میں سوائے بیٹی مسماۃ زینب کے کوئی کچھ نہیں پائے گا اور
نہ ہی ملے گا، بلکہ فقیر محمد کے ترکہ سے اس کی ماں کو اس (فقیر محمد) کی
وفات کے بعد جو حصہ ملا تھا وہ اس کی بیٹی مسماۃ زینب کو ملے گا۔]

واللہ أعلم بالصواب، حرره الراجی محمد أمين حسني الحسيني
النصير آبادي عفا الله عنه.

(۱) حقیقت مسئلہ یہ ہے کہ جب بیٹی اکیلی ہو تو اس کو نصف حصہ ملتا ہے، اور پوتے پوتیاں عصب
ہوں گے، اور ان کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ قاعدہ کے لحاظ سے وراثت تقسیم کی
جائے گی۔

أما لبنات الصلب فأحوال ثلاث: (۱) النصف للواحدة (۲) والثلاثان للثنتين
فصاعدة (۳) مع الابن للذكر مثل حظ الانثيين وهو يعصبهن.

(السراجی فی المیراث: ۲۰، مع دلیل الوراث، مکتبۃ الاتحاد بدیوبند، الہند)
وبنات الابن کبنات الصلب، ولهن أحوال ست: (۱) النصف للواحدة (۲)
والثلاثان للثنتين فصاعدة عند عدم بنات الصلب (۳) ولهن السدس مع الواحدة
الصلبیة تکملۃ للثلاثین، (۴) ولا یرثن مع الصلبیتین (۵) الا أن یکون بحذائهن أو أسفل
منهن غلام فیعصبهن والباقی بینہم للذكر مثل حظ الانثیین (۶) ویسقطن بالابن.
(السراجی فی المیراث مع دلیل الوراث: ۲۰-۲۱، مکتبۃ الاتحاد بدیوبند، الہند)

ابن ۲، بنات اور زوجہ میں وراثت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمیٰ زید کی دو بی بی مسماۃ ہندہ و مسماۃ زینب ہیں، مسماۃ ہندہ زوجہ اولیٰ کی ایک دختر مسماۃ کلثوم [ہے، اور] مسماۃ زینب زوجہ ثانیہ کے ایک پسر مسمیٰ عبدالرحمن (اور) ایک دختر مسماۃ آمنہ ہیں، بعد چند روز مقتضی ہونے کے زید نے زوجہ اولیٰ مسماۃ ہندہ کو طلاق دے دیا، اور اس وقت میں دختر مذکورہ دو برس کی تھی، بعد ازاں اس کی پرورش والدہ کے پاس ہوئی بلکہ شادی بھی ہندہ نے اپنی طرف سے اپنی دختر مسماۃ کلثوم کی کیا، حالت حیات میں کئی بار مسماۃ کلثوم نے اپنے والد مسمیٰ زید سے حصہ کے بارے میں کہا، انہوں نے جواب دیا کہ تو کیوں متردد ہے، تیرا حصہ میں دوں گا حتیٰ کی اس اثناء میں زید کا انتقال ہو گیا۔ الحال حصہ کلثوم کا از روئے شرع شریف کیا ہو چکا ہے۔ بیٹواتو جروا۔

هو المصوب

جواب: بعد تقدیم مایہ تقدم علی الارث ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ (۱) میان عبدالرحمن و آمنہ و کلثوم (۲) تقسیم ترکہ متروکہ زید ہوگا، (اور) زوجہ کو شرن (۳) ملے گا۔

(۱) النساء: ۱۱ [میراث کے مقدمات اور ابتدائیات کی کارروائی کے بعد ترکہ کو مرد کے لیے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے] والی آیت قرآنی کو سامنے رکھ کر آمنہ و کلثوم اور عبدالرحمن کے درمیان بانٹ دیا جائے گا، اور بیوہ کو آٹھواں حصہ ملے گا]

(۲) واما بنات الصلب فأحوال ثلاث: (الحالة الثالثة) مع الابن ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ وهو يعصبهن. (السراجی فی المیراث: ۲۰)

والأصل في ذلك قوله تعالى:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ (النساء: ۱۱)

(۳) أما للزوجات فحالتان: (الحالة الثانية) والتمن مع الولد وولد الابن وان سفل.

(السراجی فی المیراث: ۱۹)

والأصل في ميراث الزوجة قوله تعالى:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (النساء: ۱۲)

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم، كتبه محمد أمين حسني الحسيني
غفر الله ذنوبه ولوالديه.

والد، زوجہ میں وراثت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسکئی شرف الدین خان نے وفات پائی، ایک والد مسکئی احمد خان، ایک زوجہ نابالغہ مسماۃ زینب کو چھوڑا، اس کی زوجہ کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ایک تو نابالغہ ہے، اس پر اس کا نکاح بلا اطلاع اہل برادری و اہل قصبہ و اعزاء و اقرباء کے ہوا ہے حتیٰ کہ باپ مسکئی احمد خان مذکور کو بھی اب تک جائداد متوفی ولی منجانب سرکار مقرر ہے، اطلاع و خبر نہیں ہے، اس کا خسر یعنی شرف الدین خان مرحوم کا باپ بطمع استحصال جائداد اس نکاح میں مہتمم ہوا، اور بطور خود شہرت نکاح کی دی اور شرف الدین خان مرحوم کے ترکہ سے اس کی زوجہ مشہور شدہ کو کچھ ملنا چاہیے یا نہیں؟ اگر کچھ ملنا چاہیے تو کس قدر زوجہ معلومہ کو اور کس قدر اس کے باپ احمد خان کو ملنا چاہیے، شرف الدین خان مرحوم کو اپنی زوجہ سے خلوت صحیحہ کا اتفاق نہیں ہوا۔

هو المصوب

جواب: بعد تقدیم مایہ تقدیم علی الارث و رفع موانع و صورت صحیحہ، ربع زوجہ کو (اور) تین ربع باپ کو تعصیب مطلق کے رو سے۔

مسئلہ من: ۴۰

میت — شرف الدین خان

زوجہ اب

۳

۱

كما في الدر المختار:

فللزوجات حالتان: [۱] الربع بلا ولد [۲] والثلث مع الولد.
ولالأب والجد ثلاث أحوال: [۱] الفرض المطلق وهو

السدس وذلك مع ولد أو ولد ابن. [۲] والتعصیب المطلق عند عدمهما. [۳] والفرض والتعصیب مع البنت أو بنت الابن. انتهى ملخصاً. (۱)

وفیه عند الانفراد یحرز جمیع المال. انتهى. (۲)
وفی السراجی: والتعصیب المحض، وذلك عند عدم الولد أو ولد الابن وان سفل. (۳)

وفی شرحه الشریفیة: وذلك لقوله تعالى: ﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَةُ أَبَوَاهُ فَلَا مِيرَاثَ لَهُ﴾ (۴) اذ يفهم منه أن الباقي للأب فيكون عصبه. انتهى (۵)

[”در مختار“ میں ہے کہ زوجہ کے دو احوال ہیں:

(۱) ریح جبکہ کوئی اولاد نہ ہو (۲) ثمن یعنی آٹھواں حصہ جبکہ اولاد ہو۔
باپ اور دادا کے تین احوال ہیں:

(۱) فرض مطلق اور یہ چھٹا حصہ ہے، اور یہ بیٹے یا پوتے کے ساتھ ہے۔
(۲) بیٹے اور پوتے کی عدم موجودگی میں عصبہ محض۔
(۳) فرض مع تعصیب بیٹی یا پوتی کے ساتھ۔ اور اسی میں ہے کہ
اکیلے ہونے کے وقت کل مال حاصل کرے گا۔

”سراجی“ میں ہے کہ عصبہ محض ہے اور یہ اولاد یا بیٹے کی اولاد نیچے تک

(۱) الدر المختار مع الرد، کتاب الفرائض: ۵۱۲/۱۰، دار الکتب العلمیة بیروت،

۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م، الطبعة الثانية۔ السراجی فی المیراث: ۱۶-۱۷، مکتبة الاتحاد دیوبند

(۲) نفس المصدر السابق آنفاً، فصل فی العصبات: ۵۱۷/۱۰

(۳) السراجی فی المیراث مع دلیل الوارث: ۱۷، مکتبة الاتحاد دیوبند۔ الہند

(۴) النساء: ۱۱ (۵) الشریفیة شرح السراجی: ۱۸، مع حل الحواشی للعلامة

الفقہ عبد الحی بن عبد الحلیم الکنائوی، المکتبة الأسعدیة سہارن فور، دیوبند

موجود نہ ہونے میں ہے۔ ”شری فیہ شرح سراجیہ“ میں ہے: اللہ تعالیٰ کے نے فرمایا: ”اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو اس کے وارث اس کے ماں باپ ہیں، اس کی ماں کے لیے ثلث یعنی تہائی حصہ ہے۔“ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باقی سب باپ کے لیے ہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے۔]

واللہ أعلم بالصواب وعنده حسن الثواب، حرره الراجی محمد أمين حسنی الحسینی عفا اللہ المتین وتجاوز اللہ عن ذنبه الخفی والمبین.

زندگی میں باپ سے الگ رہنے والے لڑکے کو میراث

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی حیات میں اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ اپنے تین لڑکوں کو تقسیم کر دی، اور قدرے جائداد منقولہ اپنے لیے قائم رکھی، بعد چند روز یا اسی وقت دونوں بڑے لڑکے والدین سے علاحدہ، زندگی میں ہو گئے، اور چھوٹا بھائی اپنے والدین کا شریک رہ کر ان کے تمام اخراجات کا متکفل رہا، بعد انتقال والدین جو حقوق متعلقہ بعد وفات ہے وہ بھی سب چھوٹے لڑکے نے ادا کیا، اب جائداد منقولہ جو کہ والدین اپنے واسطے رکھے ہیں اس میں سے ان دونوں لڑکوں بڑوں کا شرعاً حصہ ملے گا یا نہیں؟ اگر حالت حیات میں والدین جائداد منقولہ اپنے چھوٹے لڑکے کو دے دیے گئے ہوں اس حالت میں بھی ان دونوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا۔

هو المصوب

جواب: حصہ ملے گا، بشرطیکہ اس چھوٹے کو ہیہ مع القبض نہ کیا گیا ہو۔ اگرچہ حالت حیات میں علاحدہ رہے ہوں، اس لیے کہ تقسیم ترکہ بعد ممات کے، کیا جاتا ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَىٰ﴾ (۱)

[اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کی وراثت کے بارے میں وصیت کرتا

ہے کہ مرد کے لیے دو عورت کے حصہ کے برابر ہے۔]
 بعد فوت ہونے مورث کے، حصہ باٹ (تقسیم کرنے) کا حکم ہے۔
 واللہ اعلم، وعلمہ اتم وأحکم، نغمہ عبده المدعو بمحمد امین
 حسنی الحسینی، تجاوز اللہ عن ذنبه الدقیق والسمین.

میراث کی تقسیم کا ایک مسئلہ

سوال: چھٹی فرمائید مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ زید مرد، ویک پسر و زوجہ و برادر گذشت، بعدہ زوجہ زید نکاح ثانی کردہ و پسر زید، نیز دریں زمان وفات یافت، و زوجہ منکوحہ بغیر خلوت صحیحہ، و مادر خود یعنی زوجہ زید پدر خود و عم یعنی برادر زید متوفی گذشت، اندریں صورت تقسیم ترکہ زید بچہ عنوان خواہد شد و خواہد رسید۔ بیوا تو جروا.

[کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید مر گیا، اور ایک لڑکا، ایک زوجہ اور ایک بھائی چھوڑ گیا، اس کے بعد زوجہ زید نے نکاح ثانی کر لیا، اور اس کے لڑکے (بکر) نے بھی شادی کر لی، نیز اس زمانہ میں اس نے وفات پائی، زوجہ منکوحہ بغیر خلوت صحیحہ ہے، اور اس کی ماں یعنی زید کی بیوی [باپ کی بیوی] اور عم یعنی زید کا بھائی اس نے چھوڑا، اس صورت میں ترکہ زید کس طرح تقسیم ہوگی؟]

هو المصوب

جواب: از ترکہ زید ثمن بزوجه اش، و باقی بہ پسر خواہد رسید۔ و از ترکہ پسر ربح بزوجه اش، و ثلث بمادرش، و باقی بہم خواہر رسید۔ (۱) بدیں صورت۔

(۱) فللزوجات حالتان: (۱) الربع بلا ولد، (۲) والثلث مع الولد.
 وللام ثلاثة أحوال: (۱) السدس مع أحدهما أو مع اثنين من الأعموة أو من الأعموات فصاعداً من أي جهة كانا، ولو مختلطتين (۲) والثلث عند عدمهم (۳) وثلث الباقي مع الأب أحد الزوجين.

[الدرا المختار مع كشف الأستار للشيخ الكيرانوي: ۲/۲۵۵، المطبع المجتبائي بلعلی، ۱۳۳۲-۱۹۱۴م، الطبعة الأولى، السراجی فی المیراث: ۱۹، ۲۷] باقی حاشیہ کے صفحہ پر

من: ۸: بصحہ: ۹۶

زید	میت	زوجہ (کریمہ)	ابن (بکر)	اخ (نعیم)
۱۲/۱	۷	۱۲/۱	۷	۴
من: ۱۲: للتباین	ما فی الید			

میت	ام (کریمہ)	زوجہ (حلیمہ)	عم (نعیم)
۲۸/۴	۲۱/۳	۳۵/۵	۳۵/۵
المبلغ: (۹۶)	الأحیاء		

کریمہ	حلیمہ	نعیم
۴۰	۲۱	۳۵

[ترکہ زید اس کی زوجہ (بیوی) کو آٹھواں اور باقی اس کے لڑکے کو ملے گا۔ اور ترکہ پسر سے ربح ملے گا اور اس کی ماں کو ثلث، اور باقی اس کے چچا کو ملے گا۔ اس کی تقسیم کی صورت متن میں ہی دیکھ لی جائے۔]

واللہ أعلم، حررہ الراجی عفو ربہ القوی أبو الحسنات محمد عبد
الحي تجاوز الله عن ذنبه الحلبي والخفي.

.....بقیہ حاشیہ.....

وللعلم راجع الی کتاب المیراث، فصل فی العصبات فی الدر المختار، والی السراجی فی المیراث، باب العصبات للامام السجاوندي مع دلیل الوراثة للشیخ الکیرانوی: ۳۲-۳۳، مکتبۃ الاتحاد بدیوبند، الہند

متفرقات

کیا جہاد بالنفس جہاد اکبر ہے؟ (۱)
سوال: فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس واسطے، کہ جہاد نفسی جہاد اکبر ہے؟ [کیا اس لیے] کہ اپنے اوپر تلوار لگانا [چلانا] بہت مشکل ہے، اور دوسرے پر چلانا سہل ہے۔

پس تحقیق، اس کی [مطلوب ہے] کہ یہ احادیث، کتب موجودہ میں سے قوی روایت کس کتاب میں ہیں؟ بنا بر سند حدیث، مرقوم ہونی چاہیے۔
هو الموفق

جواب: جہاد نفسی جہاد اکبر [ہے] اس لفظ سے روایت حدیث، نظر فقیر سے نہیں (۱) اسلام کے عباداتی نظام میں ایک اہم عبادت جہاد ہے، اس کا دائرہ اور حدود نہایت وسیع ہے، جہاد سے جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ ہی کا معنی لینا اس کے دائرہ وسعت کو تنگ کرنا ہے، آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں علمائے امت اور بزرگان دین نے جہاد کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں مثلاً جہاد بالسیف، جہاد بالقلم، اور جہاد بالنفس اور جہاد بالمال وغیرہ۔ صلحائے امت و علمائے دل نے بتایا ہے کہ سب سے بڑا جہاد اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے، اسی کو اہل تصوف جہاد اکبر سے تعبیر کرتے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جو بھی ایک غزوہ سے واپس آئے تھے، فرمایا کہ ”تمہارا آنا مبارک، تم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو، بڑا جہاد بندہ کا اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔“ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”بہترین جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرنا ہے۔“ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ المجاہد من جاهد نفسه۔ ”یعنی مجاہدہ تو وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔“

گزری۔ (اور) اگر جہاد نفسی سے یہ مراد ہے کہ تمامی خواہشوں سے (اگرچہ طیبات و محلات سے کیوں نہ ہوں) نفس کو روکنا (اور) جی کو ترسانا جس کو مسلک، فقیری و درویشی کا سمجھتے ہیں، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ (۱)

[اللہ نے تمہارے لیے جو پاکیزہ چیزیں حلال کر دیں، ان کو حرام مت ٹھراؤ]

دوسرے مقام پر یوں فرماتا ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (۲)

[پوچھئے کہ کس نے اللہ کے دئے ہوئے زینت کے سامان حرام کیے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیے ہیں اور صاف ستھری کھانے کی چیزیں۔]

برخلاف حکم ربانی، فقیری و درویشی کہاں؟ رہبانیت ہماری شریعت میں نہیں۔ نفس پر جبر کرنا (اور) تکلیف مالا یطاق دینا و تکلیف بالمحل کے ساتھ خدا نے مامور نہیں فرمایا۔ چنانچہ فرمودہ باری تعالیٰ [ہے]:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۳)

[اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا]

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (۴)

[اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں

چاہتا]

اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [ہے]:

الدین یسر۔ (۱)

[ترجمہ: دین آسان ہے]

اور حدیث آخر [ہے]:

یسروا ولا تعسروا۔ (۲)

[ترجمہ: آسانی پیدا کرو اور تنگی میں نہ ڈالو۔]

پس خلاف فرمودہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کمال کجا؟ اور طرہ مزید برآں، تکلیف مالا یطاق دینے کو، جی و نفس کا مارنا (اور) قبل مرنے کے مرنا سمجھنا (اور) اس کو جہاد نفسی بوجھنا، یہ اگر مراد ہے (اور) حدیث بھی ثابت کرنا یعنی ”موتوا قبل أن تموتوا“ [کو] سند میں پیش لانا [کرنا] غیر ثابت۔ چنانچہ موضوعات کبیر میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدیث موتوا قبل أن تموتوا، قال العسقلانی: إنه غیر ثابت، قلت: هو من کلام الصوفیة والمعنی موتوا اختیاراً قبل أن تموتوا اضطراراً أو المراد بالموت الاختیاری ترک الشهوات و اللہوات وما یرتّب علیہا من الذلات و الغفلات. انتهى (۳)
[حدیث ”موتوا قبل أن تموتوا“ کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے فرمایا: یہ ثابت نہیں ہے۔ میں (ملا علی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب: الدین یسر، رقم: ۳۹، سنن النسائی،

کتاب الایمان و شرائعہ، باب: الدین یسر، رقم: ۵۰۳۷، شعب الایمان للبیہقی،

کتاب الصیام، رقم: ۳۵۹۸، ۳۸۸۱

(۲) صحیح البخاری، کتاب العلم، رقم: ۶۹۔ کتاب الأدب، باب قول النبی صلی اللہ

علیہ وسلم: یسروا ولا تعسروا، رقم: ۶۱۲۵، صحیح مسلم، باب فی الأمر بالتیسیر و

ترک التنفیر، رقم: ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۴

(۳) موضوعات کبیر للامام ملا علی القاری: ۷۵، المطبع المجتہائی بدھلی

قاری) کہتا ہوں کہ یہ اصحاب تصوف کا قول ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ اضطرابی موت سے پہلے اختیاری موت مرو۔ یا اختیاری موت سے مراد، شہوت و لغویات کو ترک کرنا ہے اور ان چیزوں کا چھوڑنا ہے جن کی وجہ سے غفلت اور لغزشیں پیدا ہوتی ہیں۔]

اور اگر جہاد نفسی سے یہ معنی مراد [لیتے] ہیں کہ ایمان باللہ والرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکبر و افضل ہے (اور) سند اس کی، مطلوب ہے! تو ثابت۔ جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اخراج کیا:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل، أي العمل أفضل؟ فقال: إيماناً بالله وبرسوله، قيل، ثم ماذا؟ قال: الجهاد في سبيل الله، قيل، ثم ماذا؟ قال: حج مبرور. (۱) انتہی۔

[حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، عرض کیا گیا پھر کون سا عمل؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: راہِ خدا میں جہاد کرنا، دریافت کیا گیا کہ پھر کون سا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقبول حج۔]

وفی البخاري: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه. (۲)

وفيه أيضاً قالوا: يا رسول الله! أي الإسلام أفضل؟ قال: من

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من قال: ان الایمان هو العمل، رقم: ۲۶، و کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، رقم: ۱۵۱۹

(۲) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، رقم: ۱۰، صحیح مسلم، باب تفاضل الاسلام، أي: أموره أفضل؟ رقم

سلم المسلمون من لسانه ویدہ. (۱) انتہی.

[بخاری شریف میں ہے کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور ہجرت کرنے والا وہ ہے جو اللہ کے منع کردہ چیزوں کو ترک کر دے۔

اسی (بخاری) میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کون سا عمل اسلام میں سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ اور سالم رہیں۔]

واللہ أعلم بالصواب، والیہ المرجع والمآب، وحرره العبد المذنب
محمد امین حسنی الحسینی عصمہ اللہ عن الشرور فی الدنیا والدین عن
تحلاف البطون والظہور، جعلہ فی الکونین بالسرور، وغفر لہ الذنوب
وستر لہ العیوب، یا علام الغیوب.

تقلید ائمہ کی شرعی حیثیت؟

سوال: تقلید ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی کرنا واجب اور درست ہے یا کہ نہیں؟ اور تقلید کرے تو کس طرح کی کرے؟ اور تقلید شخصی پر اجماع ہوا ہے کہ نہیں؟ اور اجماع ہوا تو کب ہوا؟ مع حوالہ کتب معتبرہ، سنہ و تاریخ کے [جواب تحریر فرمائیے]۔
بینوا تو جروا، فقط۔

هو المصوب

جواب: تقلید ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی نہ واجب [ہے] جیسے شیخ الاسلام [علامہ ابن تیمیہ] اس کی طرف گئے، [اور] نہ حرام جیسے قائل ہوئے [امام] ابن حزم، بلکہ محققین قائل جواز کے [ہیں] باعتبار مصلحت عظیمہ۔ چنانچہ حضرت شاہ

ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ”حجة الله البالغة“ میں لکھتے ہیں:

منها: أن هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد
اجتمعت الأمة أو من يعتد به منها، على جواز تقليدها الى
يومنا هذا، وفي ذلك من المصالح من لا يخفى، لا سيما في
هذه الأيام التي قصرت فيه الهمم جدًّا، وأشربت النفوسُ
الهُوى وأعجب كل ذي رأي برأيه. انتهى (۱)

[ترجمہ: ان میں ایک بات تو یہ ہے کہ تنقیح شدہ و مدون کردہ مسالک
اربعة کی تقلید و اتباع کے جواز پر آج تک امت کا، یا ان حضرات کا
اتفاق ہے جو کہ قابل اعتبار و اعتماد ہیں۔ تقلید کرنے میں ایسے فوائد و
مصالح پائے جاتے ہیں جو کہ مخفی و پوشیدہ نہیں ہیں، خاص طور سے
ان ایام میں جبکہ عزائم اور ہمتیں کچھ زیادہ ہی پست ہو گئی ہیں، اور
نفس میں خواہشات بھرے ہوئے ہیں، اور ہر صاحب رائے کو اپنی
رائے اچھی لگتی ہے۔]

اور تقلید شخصی پر اجماع نہیں ہوا، کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ
الرحمہ ”حجة الله البالغة“ میں فرماتے ہیں:

واعلم ان [الناس] كانوا قبل المائة الرابعة (في المائة الأولى
والثانية) غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه.
قال أبو طالب المكي: إن الكتب والمجموعات محدثة،
والقول بمقالات الناس، والفتيا بمذهب الواحد من الناس،
واتخاذ قوله، والحكاية له [من] كل شيء، والتفقه على

(۱) حجة الله البالغة، باب حكاية الناس قبل المائة الرابعة وبعدها: ۱/۲۵۰، دار

مذہبہ، لم یکن الناس قديماً علی ذلك فی القرنین الاول والثانی، (۱) انتہی۔

[ترجمہ: جان لیجیے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی متعین مسلک کی تقلید محض پر متفق نہیں تھے۔ ابوطیب مکی (محمد بن علی حارثی مکی متوفی ۳۸۶ھ) قوت القلوب نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ بیشک فقہی کتب اور فتاویٰ نئی چیزیں ہیں، لوگوں کے اقوال کا قائل ہونا، اور لوگوں (فقہاء) میں سے ایک (فقہ) کے مسلک پر فتویٰ دینا اور اسی کے قول کو اپنانا اور ہر چیز میں اس کی بات کو نقل کرنا، اور اس کے مسلک کے موافق علم فقہ حاصل کرنا، یہ وہ مسئلہ ہے جس پر پہلی اور دوسری دونوں صدیوں میں لوگ نہیں تھے۔]

اور ”حجة الله البالغة“ میں تحت تشریح، قول صاحب ”قوت القلوب“ کے، لکھتے ہیں:

أقول: وبعد القرنین حدث فیہم شیء من التخریج غیر أن أهل المائة الرابعة لم یكونوا مجتمعین علی التقليد الخالص علی مذہب واحد، والتفقہ لہ، والحکایة لقولہ كما یظهر من التبع، بل کان فیہم العلماء والعوام.

وکان من خبر العامة أنهم کانوا فی المسائل الاجماعیة التی لا اختلاف فیہا بین المسلمین وجمهور المجتہدین لا یقلدون الا صاحب الشرع، وکانوا یتعلمون صفة الوضوء والغسل والصلاة والزکاة ونحو ذلك من آباءہم أو معلمی بلدانہم، فیمشون حسب ذلك، واذا وقعت لہم

(۱) حجة الله البالغة، باب: حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها: ۳۴۶/۱، دار المعرفۃ

بیروت، تحقیق: محمد طعما حلی، ۱۵۲/۱، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، وفصل بک ڈیوڈیو بند

واقعة، استفتوا من أي مفتٍ وجدوا من غير تعيين مذهب.
وكان من خبر الخاصة أنه كان أهل الحديث منهم
يشتغلون بالحديث، فيلخص لهم من أحاديث النبي صلى
الله عليه وسلم، وآثار الصحابة ما لا يحتاجون معه إلى
شيء آخر في المسألة من حديث مستفيض أو صحيح قد
عمل به بعض الفقهاء، ولا عذر لتارك العمل به. انتهى. (۱)

[میں (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کہتا ہوں کہ پہلی دو صدیوں کے
بعد لوگوں میں تخریج کا ایک نیا سلسلہ وجود میں آیا، باوجود اس کے کہ
چوتھی صدی کے لوگ کسی ایک متعین مجتہد کی تقلید محض، اسکی فقہ کو
حاصل کرنے اور اقوال کو بیان کرنے اور نقل کرنے پر متفق و متحد نہیں
تھے جیسا کہ تتبع (غور و خوض) کرنے سے عیاں ہے، بلکہ ان میں علماء
و عوام دونوں ہوتے تھے۔

عوام کا حال یہ تھا کہ متفق علیہ مسائل پر شارع علیہ السلام کے علاوہ
کسی کی تقلید اور پیروی نہیں کرتے تھے، جن میں مسلمانوں کے بیچ یا
جمہور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، اور وہ وضو، غسل،
نماز، زکوٰۃ اور اس طرح کے مسائل میں اپنے آباء یا اپنے شہروں کے
معلم حضرات (اصحاب تعلیم) سے سیکھتے تھے، اور اس کے مطابق
چلتے (عمل کرتے) تھے، اور جب نیا مسئلہ ان کے سامنے پیش آتا تو
اس کا حکم وہ کسی بھی ایسے مفتی سے معلوم کرتے تھے جو بغیر مسلک کی
تعیین کے انہیں ملتا تھا۔

(۱) حجة الله البالغة، باب: حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة و بعدها:
۳۴۶/۱-۳۴۷، دار المعرفة بيروت، تحقيق: محمد طعمة حلبی: ۱۵۲/۱-۱۵۳، کتب
خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند

علماء کا یہ حال تھا کہ جو ان میں محدث ہوتے تھے، وہ حدیث سے اشتغال رکھتے تھے، اور ان کو احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے جو پہنچتے تھے، ان کے ساتھ کسی اور چیز کے وہ محتاج نہیں تھے، خواہ وہ حدیث مستفیض ہو یا حدیث صحیح، جس پر بعض فقہاء نے عمل کیا ہے۔ اس پر عمل نہ کرنے والے پر کوئی عذر نہیں ہے۔]

عمل کرنے کے لیے پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آثار صحابہ پھر اجماع، اور اس میں بھی نہ پاوے تو اجتہادی مسائل مجتہدین پر عمل کرے۔ (۱)
واللہ أعلم بالصواب وعنده أم [الكتاب]، والیہ المرجع والمآب،
کتبہ محمد امین حسنی والحسینی، تجاوز اللہ عن سیئاتہ الخفیة و
الحلیة فی الدنیا والدین۔

(۱) یہاں ترتیب بتانا مقصود ہے، نہ کہ از سرے نو غور و فکر اور تدوین کی دعوت ہے کیونکہ فقہ کامل کو پھر سے قرآن و حدیث اور اجماع و اجتہاد سے استنباط کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی کسی ایک مسلک کے سارے فقہی مسائل و احکام پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، یہ تنقیح شدہ مسائل و احکام ہیں، اور مسائل اربعہ مدونہ بھی محقق اور متفق ہیں۔ البتہ احناف کے یہاں ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ پہلے قرآن مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع، آثار صحابہ، اور اگر بظاہر ان میں کوئی مسئلہ حل نہ ہو رہا ہو تو اس وقت اجتہاد و قیاس کی نوبت آتی ہے، اس ترتیب کی دلیل قرآن مجید کی آیت کریمہ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء: ۵۹) [اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں ذمہ دار ہیں پھر اگر کسی چیز میں تم جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوش تر ہے]۔ اور سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مستقل ایک دلیل ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما أراد أن يبعث معاذاً إلى اليمن، قال: كيف تقضى إذا عرض لك قضاء؟ قال: أقضى بكتاب الله، قال: فان لم تجد في كتاب الله؟

آداب افتاء

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین [کہ] جو شخص بلا دلیل اولہ شرعیہ کے، (اور) بلا تحقیق کتب دینیہ کے، مسائل بیان کرتا ہو، اور اپنے بیان کے ہوئے مسائل پر مصر ہو، اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

هو الموفق وعليه التوثق

جواب: بلا دلیل، اولہ شرعیہ سے (اور) بلا تحقیق، کتب دینیہ [سے] مسائل کا بیان کرنا بنظر متحضر ہونے و تبحر فی العلم (اور) سائلین کے بھی علم نہ ہونے کے نگاہ سے، اولہ شرعیہ نہ قائم کر کے بیان کرنا، (اور) بلا تحقیق یعنی بلا تفصیل کتب دینیہ کے، مراد لے جاوے، اس خیال سے کہ عامی تفصیل اور اجمال کو کیا سمجھے گا؟ خود مفتی،

.....بقیہ حاشیہ..... قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فان لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا في كتاب الله؟ قال: أجتهد رأيي ولا آلو، فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره، وقال: الحمد لله وفق رسول الله لما يرضى رسول الله. (أبو داود: ۳۵۹۲، الترمذی: ۱۳۲۷) ایک دوسری حدیث میں ہے: حدثنا أحمد قال: حدثنا شباب الصفري قال: حدثنا نوح بن قيس عن الوليد بن صالح عن محمد بن الحنفية عن علي قال: قلت يا رسول الله! ان نزل بنا أمر ليس فيه بيان، أمر ولا نهى، فما تأمرنا؟ قال: تشاورون (أى شاوروا فيه) الفقهاء والعابدين، ولا تمشؤوا فيه رأيي خاصة. (رواه الطبراني في المعجم الأوسط: ۱۶۱۸) اس سلسلہ میں امام الکلی فی الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دور مسائل بڑی اہمیت و افادیت کے حامل ہیں، ان کا مطالعہ نہایت مفید ہے، ایک کا نام ”عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید“ اور دوسرے رسالہ کا نام ”الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف“ ہے، دونوں رسالوں کے ترجمے بھی اردو میں ہو چکے ہیں۔ اول الذکر رسالہ کا ترجمہ مسلک مروارید کے نام سے مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی نے کیا ہے، دوسرے رسالہ کے متعدد ترجمے ہوئے، (۱) کشاف ترجمہ انصاف از: ترجمہ نگار.....؟ (۲) و صاف ترجمہ انصاف از: حضرت مولانا عبدالککور فاروقی لکھنؤی، (۳) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ از: مولانا صدر الدین اصلاحی۔ اسی رسالہ کا ایک اور ترجمہ مولانا محمد احسن نانوتوی نے کیا ہے جس کا ذکر انہوں نے مسلک مروارید کے دیباچہ مترجم میں کیا ہے۔

کتاب وسنت سے سمجھ کر صحیح صحیح جواب باصواب بہ پیرایہ ”ما أنسا علیہ و
أصحابی“ کے دیتا ہے (اور) سرائل بھی اس کو متدین و شیخ سنت جان کر بنظر اتباع
کرنے کے، پوچھتا ہے۔

فذلك لعلمنا بأنه عالم بكتاب الله وسنة رسوله [صلى الله
عليه وسلم] فلا يخلو قوله: اما أن يكون صريح الكتاب
والسنة أمستنبطاً عنهما بنحو من الاستنباط أو عرف
بالقرائن أن الحكم في صورة ما منوطة بعلة كذا، واطمان
قلبه بتلك المعرفة ففاس غير المنصوص على المنصوص
فكأنه يقول: ظننت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال: كل ما وجدت هذه العلة فالحكم سمة هكذا
والمقيس مندرج في هذا العموم، فهذا أيضاً معزي الى
النبي صلى الله عليه وسلم ولكن في طريقه ظنون، ولولا
ذلك لما قلد مؤمن بمجتهد. فان بلغنا حديث من الرسول
المعصوم الذي فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل
على خلاف مذهبه، وتركنا حديثه واتبعنا ذلك التخمين،
فمن أظلم منا وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين؟؟
هكذا في حجة الله البالغة، انتهت عبارته بلفظه. (۱)

[ترجمہ: پس ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ کتاب الہی اور سنت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا جاننے والا ہے، اس لیے اس کا قول (ان تین
باتوں میں سے کسی ایک) سے خالی نہیں ہوگا، یا تو وہ کتاب وسنت
سے صریح قول سے ثابت ہوگا، یا کتاب وسنت سے استنباط کے

(۱) حجة الله البالغة، فصل في مسائل ضلت فيها الأفهام: ۱/۱۵۶، کتب خانہ رشیدیہ دہلی،
فیصل بک ڈپو دیوبند: ۳۵۳/۱-۳۵۴، دار المعرفة بیروت

طریقہ کے مطابق مستحب شدہ ہوگا، یا اس نے قرآن سے جانتا ہے کہ بلا شبہ یہ حکم ایسی صورت میں اس طرح کی علت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور اس کا دل اس علم سے مطمئن ہے۔ پس اس نے منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کیا، تو گویا کہ وہ یہ کہتا ہے: میں گمان کرتا ہوں کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بھی یہ علت پائی جائے تو اس بارے میں حکم ایسا ہوگا۔ اور مقیس نص کے عموم میں داخل ہے، تو یہ قیاس بھی اللہ کے رسول علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی، اور اس طریقہ کو (اپنانے میں) گمان ہے، اور اگر یہ نہ ہوتا تو کوئی مؤمن کسی مجتہد کی تقلید (پیروی و اتباع) نہیں کرتا۔ بس اگر ہم کو رسول معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام (جن کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے) کی کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ پہنچے، اور وہ (حدیث) امام مجتہد کے مسلک کے خلاف دلالت کرتی ہے، (ایسے میں) ہم آپ علیہ السلام کی حدیث کو چھوڑ دیں، اور تخمین اور گمان کی پیروی کریں تو ہم سے بڑھ کر ظالم اور نا انصاف کون ہوگا؟؟ اور اس دن ہمارا کیا عذر ہوگا جس میں سارے لوگ تمام جہاں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے؟؟!!

(اور) بلا وقوف اولہ شرعیہ (اور) بلا تحقیق کتب دینیہ یعنی بلا شعور و بلا تحقیق و تنقیح کتب دینیہ، [مسائل کو] بیان کرنا، مجرد عقل سے [بدعت اور گمراہی ہے] فکما قال علی القاری فی شرحہ بالفقہ الکبیر:

ان القول بالرأی والعقل المجرد فی الفقہ والشریعة بدعة وضلالة. (۱) انتہی.

[ترجمہ: ملا علی قاریؒ نے فقہ اکبر کی اپنی شرح میں فرمایا ہے کہ رائے

(۱) شرح الفقہ الکبیر للامام ملا علی بن سلطان القاری الہروی: ۷، المطبع

القیومی، کان فور، الہند

اور محض عقل کی بنیاد پر فقہ اور شریعت کے مسائل بیان کرنا بدعت اور گمراہی ہے۔]

وفی الحدیث:

من قال فی القرآن برأیه فلیتبعوا مقعده من النار وفی رواية من قال فی القرآن بغير علم فلیتبعوا مقعده فی النار، رواه الترمذی (۱) هكذا فی مشکوة المصابیح.

[ترجمہ: ”اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے بات کہی، تو بس اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے“ اور ایک روایت میں ہے: ”جس نے قرآن میں بغیر علم کے کہا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“]

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ”حجة الله البالغة“ میں فرماتے ہیں:

یحرم الخوض فی التفسیر لمن لا یعرف اللسان الذی نزل القرآن به والمأثور عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابہ والتابعین من شرح غریب وسبب نزول وناسخ منسوخ. (۲) انتہی.

[ترجمہ: تفسیر میں اس شخص کے لیے غور و خوض حرام ہے، جو اس زبان کو نہیں جانتا جو جس زبان میں قرآن کا نزول ہوا ہے، اور نہ ان روایات سے واقف ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اور صحابہ و

(۱) جامع الترمذی، أبواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه، رقم الحدیث: ۲۹۵۱

(۲) حجة الله البالغة، القسم الثانی فی بیان أسرار ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تفصیلاً، من أبواب: الاعتصام بالکتاب والسنة: ۳۸۹، دار المعرفۃ بیروت۔
۱/۷۵، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک و پو دیو بند

تالبعین سے منقول اقوال سے بے خبر ہو، چاہے وہ مشکل لفظ کی توضیح و

تشریح ہو، یا اسباب نزول سے متعلق ہو، یا نسخ اور منسوخ سے۔]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أفتي بغير علم،
كان اثمه على من أفتاه. الحديث رواه أبو داود عن أبي

هريرة. (۱) كذا في المشكوة.

[ترجمہ: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کو بغیر علم کے

فتویٰ دیا گیا، اس کا گناہ اس پر ہوگا جس نے فتویٰ دیا۔“ اس حدیث

کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے، اسی طرح مشکاة میں بھی ہے۔]

وفی عقد الجید:

وفیمن یكون عامیاً، ویقلد رجلاً من الفقهاء بعینه، یری أنه

یمتنع من مثله الخطأ، وأن ما قاله هو الصواب البتة، وأضمر

فی قلبه أن لا یترك تقلیده، وأن ظهر الدلیل علی خلافه،

وذلك ما رواه الترمذی عن عدي بن حاتم، أنه قال: سمعت

رسول الله صلى الله عليه وسلم یقرأ: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ

وَرُءْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (۲) قال: انهم لم کونوا

یعبدونهم، ولكنهم كانوا اذا أحلوا لهم شیئاً استحلوه، واذا

حرّموا علیهم شیئاً حرّموه. (۳) انتهى.

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب العلم، باب التوقی فی الفتیاء، رقم: ۳۶۵۷، تحقیق: الشیخ

(۲) التوبة: ۳۱

محمد عوامة حفظه الله ورعاه وبارک فی عمره

(۳) عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید: ۳۸، مع ترجمہ موسوم بہ سلک مروارید از مولانا مولوی

محمد احسن صدیقی ناٹوٹوی، مطبع حبیبائی دہلی باہتمام جناب مولوی حافظ محمد عبدالاحد صاحب سن

طیاعت [۱۳۳۴ھ] حجة الله البالغة، باب حکایة اهل الناس قبل المائة الرابعة

وبعلمنا: ۱/۳۵۲-۳۵۳، دار المعرفة بیروت: ۱/۱۵۵، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند

[ترجمہ: اور یہ اس آدمی کے حق میں ہے جو کہ عالمی ہے اور کسی معین فقیہ کی تقلید کرتا ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس جیسا آدمی سے خطا ہونا محال اور ناممکن ہے، اور اس نے جو کچھ کہا ہے وہی صحیح ہے، اور وہ اپنے دل میں یہ بات چھپائے رکھے کہ وہ اس کی تقلید نہیں چھوڑے گا، اگرچہ دلیل اس کے خلاف ظاہر ہو جائے، تو یہ وہی بات ہے جس کو امام ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ (۱) کو پڑھ رہے تھے، فرمایا: بیشک وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ جب علماء ان کے لیے کوئی چیز کو حلال کر دیتے تھے، تو وہ اس کو حلال جانتے تھے، اور جب کسی چیز کو وہ حرام بتاتے تھے، تو وہ اس کو حرام سمجھتے تھے]

وفى اليواقيت والجواهر انه روى عن أبى حنيفة رحمه الله أنه كان يقول: لا ينبغي لمن لم يعرف دليلى أن يفتي بكلامى، انتهى. (۲)

[ترجمہ: اليواقيت والجواهر نامی کتاب میں امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے: اس شخص کے لیے جو میری دلیل نہ جانتا ہو، میرے کلام سے فتویٰ دینا درست نہیں۔]
اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ، اتَّخَذَ النَّاسُ

(۱) التوبة: ۳۱ [انہوں نے اپنے علماء اور بزرگوں کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا]

(۲) حجة الله البالغة، باب حكاية أهل الناس قبل المائة الرابعة وبعدها: ۱/۳۵۷، دار المعرفة بیروت۔ ۱/۱۵۷، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند

رؤوساً جهالاً، فسألوا فافتوا بغير علم، فضلّوا
وأضلّوا. (۱) انتہی

[ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ علم کو یوں چھین کر نہیں سمیٹے گا کہ وہ
بندوں کے سینوں سے نکال لے، بلکہ علماء کو موت دے کے اٹھانے
کے ساتھ علم کو سمیٹ لے گا یعنی اٹھا لے گا، یہاں تک کہ کوئی اہل علم
باقی نہیں رہ جائے گا، تو لوگ جاہلوں کو مقتدیٰ و پیشوا اور سردار بنالیں
گے، تو ان سے مسائل کے احکام دریافت کئے جائیں گے، اور وہ
(بلا خوف و جھجک ان کو) بغير علم کے فتویٰ دیں گے، پس وہ خود بھی
گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“]

اور جامع ترمذی میں ہے:

اتقوا الحديث عنى الا ما علمتم، فمن قال فى القرآن برأيه
فليتبوأ مقعده من النار، ومن قال فى القرآن بغير علم فليتبوأ
مقعده فى النار. رواه الترمذی (۲)

[ترجمہ: ”مجھ سے حدیث روایت کرنے سے بچو مگر جتنا کہ تم جانتے
ہو، تو جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے بات کہی، تو بس اسے
چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے، اور جس نے قرآن میں بغير علم
کے کہا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ امام ترمذی
نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔]

اور صحیحین میں ہے:

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب: کیف یقبض العلم؟ رقم الحدیث: ۱۰۰،
صحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجہل و الفتن فی آخر
الزمان، رقم الحدیث: ۲۶۷۳

(۲) جامع الترمذی، أبواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب
ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه، رقم الحدیث: ۲۹۵۱

وعن عبد الله قال: يا أيها الناس! من علم شيئاً فليقل به،
ومن لا يعلم فليقل: الله أعلم. فان من العلم أن تقول لما لا
تعلم: الله أعلم. قال الله تعالى لنبيه: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (۱) انتهى. (۲)

[ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے لوگو! جو شخص
کوئی بات جانتا ہو، وہ اس کو بیان کرے، اور جو اگر نہیں جانتا ہو تو وہ
یہ کہے: اللہ ہی جانتا ہے، یہ بھی بے شک علم ہے کہ جس کو وہ نہیں جانتا
ہے اس کے بارے میں یہ کہے: اللہ ہی جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ [آپ کہہ دیجیے میں تم
سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں بات بنانے والا ہوں۔]

والله أعلم وعلمه أتم حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد أمين
حسني والحسيني أصلح الله حاله وأفلح باله في الدارين، فقط

(۱) سورة ص: ۸۶

(۲) ان الفاظ کے ساتھ صحیحین میں یہ حدیث منقول نہیں ہے بلکہ دوسرے کلمات کے ساتھ ہے،
مفہوم ان احادیث کا ایک ہے، صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

عن مسروق قال: دخلت على عبد الله، فقال: ان من العلم أن تقول لما لا
تعلم، الله أعلم، ان الله قال لنبيه صلى الله عليه وسلم: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ
وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (سورة ص: ۸۶)

صحیح البخاری، کتاب التفسیر، رقم الحدیث: ۴۸۲۲

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

يا أيها الناس! من علم منكم شيئاً فليقل بما يعلم، ومن لم يعلم، فليقل: الله أعلم،
فإنه أعلم لأحدكم أن يقول لما لا يعلم: الله أعلم. فان الله عز وجل قال لنبيه صلى الله
عليه وسلم: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (سورة ص: ۸۶)

صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین وأحكامهم، رقم الحدیث: ۲۷۹۸

اخوت اسلامی و موالات دینی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین جزاہم اللہ خیر الجزاء کہ ایک شخص کفار سے، کہ جو بیچ قوموں میں چھڑا یا بھٹکی وغیرہما کے، تھا، وہ اپنے افعال قبیحہ و اعمال شنیعہ سابقہ سے تائب ہو کر دین محمدی (ﷺ) کو اختیار کر کے داخل بدائرہ اسلام ہوا۔ پس ایک جماعت اہل اسلام نے تو اس کے ساتھ ماکلت و مجالست (اور) بھائی چارہ میں آپس کے، برتنازع شروع کیا، اور ایک جماعت نے مثل حالت سابق ہی اس نو مسلم کے، ساتھ اعمال سابقہ اس کے، ترک موالات و نفرت دلی (اور) لعن و طعن کو اپنا شیوہ رکھا، بلکہ جن لوگوں نے نو مسلم مذکور کے ساتھ، مثل دیگر اہل اسلام، دیا، ان سے بھی نافر۔ (اور) فقط اسی وجہ سے قطع برداری کر دیا۔

ان دونوں میں حق پر کون جماعت ہے؟ اگر اول ہے تو جماعت ثانیہ کے بارے میں (کہ جن لوگوں نے کھلم کھلا جماعت اولیٰ (اور) شخص نو مسلم پر لعن طعن (اور) قطع اخوت اسلامی و نفرت دلی کو اپنا شیوہ کر رکھا ہے) از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ (از ضلع رنگ پور)

هو المصوب

جواب: جماعت اولیٰ حق پر [ہے]۔ فرمودہ باری تعالیٰ [ہے]:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (۱)

[تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں]

دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔ جماعت ثانیہ کا نافر ہونا اسی وجہ باعث اساعت و لعن و طعن و قطع اخوت اسلامی، شیوہ ایمان نہیں۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

لا يكون المؤمن لعاناً. (۲)

(۱) الحجرات: ۱۰

(۲) جامع الترمذی، باب ماجاء فی اللعن و الطعن، رقم الحدیث: ۲۰۱۹

وفی رواية: لا يكون للمؤمن أن يكون لعاناً. (۱)

وفی رواية مسلم عن أبی الدرداء قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول: ان اللعانین لا يكونون شهداء ولا شفعاء يوم القيامة. انتهى (۲)

[ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا“۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ”مومن بندہ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ لعنت بھیجنے والا ہو“۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے، اور امام مسلم کی حضرت ابوذر راء سے ایک روایت میں ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ لعن وطن کرنے والے قیامت کے دن نہ ہی گواہ ہوں گے اور نہ شفاعت کرنے والے ہوں گے“۔]

بحسب ارشاد باری تعالیٰ: وكونوا عباد الله! اخواناً (۳) باہمی اخوت اسلامی کی راہ سے بھائی چارہ رکھنا چاہیے۔ اور الفت و رغبت [ہو]، نہ کہ نفرت و عداوت جو منہی عنہا فی الشرع ہے، علیٰ ہذا القیاس تحقیر و تذلیل کو [بھی] چاہنا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المسلم أخ المسلم، لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره، التقوى
ها هنا، ويشير إلى صدره ثلاث مرار، بحسب امرء من الشر
أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام دمه

(۱) جامع الترمذی، باب ما جاء فی اللعن واللعن، رقم الحدیث: ۲۰۲۰

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر، باب النہی عن لعن الدواب وغیرہا، رقم الحدیث: ۲۵۹۸

(۳) صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظن والتجسس والتنافس والتناحش ونحوہا، رقم الحدیث: ۲۵۶۳ [اور تم اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ]

وماله و حرمتہ۔ (۱) کذا رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ۔

[ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کی تذلیل کرتا ہے، اور نہ ہی تحقیر کرتا ہے، پرہیزگاری (تقویٰ) یہاں ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سینہ مبارک کی طرف سے بار اشارہ فرمایا، آدمی کی برائی کے واسطے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے یعنی وہ اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اس کی عزت و آبرو اور اس کا مال حرام ہے۔]

اس طرح امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

واللہ علیم بذات الصدور، والیہ النشور، کتبہ الفقیر محمد امین

حسنی الحسینی غفر اللہ ذنوبہ و لو الدیہ۔ فقط

آداب شرب

استاذنا و مکر مناجنا مولوی..... صاحب

بعد سلام مسنون التماس بچناں آنکہ کمترین بچہ ریت ہے اور آپ کی سندرستی ذات کے خواہاں، فدوی در اقدس سے محروم ہے، نہایت بد نصیبی ہے، اور بہت خطا مند ہوں، میری خطا کو معاف فرمائے، اور مدت سے حضور کے غلاموں کی کیفیت سے آگاہ نہیں باعث رنج رہتا ہے، مکرر عرض ہے آنکہ حضور [کی] خدمت میں ایک استفتاء پیش کرتا ہے کہ اس وقت یہاں کے لوگ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام سمجھتے ہیں اور جھگڑا اسی کا پھیلا ہوا اور اپنی بات کے آگے کسی کی بات نہیں مانتے اور اردو کی کتابوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں اور آپ کی خدمت میں فدوی ارسال کرتا ہے، حضور جواب با صواب حدیث سے مطلع فرماویں گے، اور فدوی کی تسکین حضور پر نور کی

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم ظلم المسلم و تعذله و احتقاره و دمہ

و عرضہ و ماله، رقم الحدیث: ۲۵۶۴

باتوں پر بخوبی ہوگی۔

لہذا آپ بغور ملاحظہ عریضہ اور استفتاء ہذا کے [جواب سے سرفرازی فرمائے کہ ضلع جون پور موضع برنگی، ڈاکخانہ مانی کلاں تھانہ خواجہ سرامکان شیخ سجاد علی رسیدہ منصب علی معلم کو ملے۔ (کشف بردار منصب علی، از برنگی)

سوال: چہ می فرمائید علمائی دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اکثر کتب فقہ دریں باب کراہت کردہ گویند کہ آب نوشیدن ایستادہ مکروہ است، و در بعض کتب فقہ ورا استدلال خویش ایں حدیث ذکر کردند کہ فرمود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام:

”لا یشرین أحدکم قائماً فمن نسي فليستقی ثم کله“

و بعضی جہلاء کہ از علم دین بے بہرہ اند حدیث صحیح گردانیدہ اندوی گویند کہ کلیتہ در حالت قیام حر [ام] است و در نظیر کتب مثل آثار محشر، قصہ کاذبہ مہتم باصحاب آورده پیش نمایند کہ وقتے رسول الشقلین محبوب رب المشرقین در می دانے گزشتہ کہ یکے از صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین را دیدند کہ ایستادہ آب نوش فرمود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ فی کن کہ آب ایستادہ نوشیدن منع است۔

پس ایں قول کہ صاحب ”آثار محشر“ مصنف قصہ اردو آورده و گفته کہ حدیث است استدلال جہدست پس ایں حدیث در کدام کتاب از احادیث صحیحہ صحاح ستہ است بیان فرمائید مع حوالہ کتب و نام راوی و قسم حدیث کہ مرفوع است یا مرسل و غریب است یا مشہور یا آحاد و یا متواتر و غیرہ لیکن در فتاویٰ عنایہ مذکور است، قال صاحب الفتاویٰ العنایہ:

”لا بأس أن یشرب قائماً“

پس قول یکے مرویگری را معارض است پس دریں ہر دو قول کرا صحیح گویند و اعتبار نمایند۔ لہذا از احادیث صحیحہ صحاح ستہ مع اسناد ارقام فرمائید کہ رفع اوہام فاسدہ عوام شود۔ بینوا تو جروا، ان اللہ لا یضیع أجر المحسنین۔

۱] کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر کتب فقہ میں باب کراہت میں فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے، اور بعض کتب فقہ میں اس کی دلیل میں اس حدیث شریف کو ذکر کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”لا یشرین أحدکم قائماً فمن نسي فليستقي ثم كله“
”تم میں سے کسی نے کھڑے ہو کر پانی پینا نہ کرے، اور اگر کوئی بھول جائے تو اسے چاہیے کہ الٹی کر دے، اور پھر کھائے۔“

اور بعض جہلاء کہ یہ لوگ علم دین سے بے بہرہ ہیں، نے صحیح حدیث مانا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کلیۃً حالت قیام میں حرام ہے، اور دلیل میں کتب اردو مثل ”آثار محشر“ جو کہ اصحاب قصہ کی طرف منسوب غلط واقعات پر مشتمل ہے، کو لا کر پیش کیا ہے کہ ایک وقت..... رسول الشکین، محبوب رب البشر قین گزرے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک صحابی کو دیکھا کہ کھڑے ہو کر پانی پیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قئی کرو کیونکہ کھڑے ہو کر پانی پینا منع ہے۔

پس یہ قول مصنف قصہ اردو، صاحب آثار محشر نے پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ہے اور استدلال محنت طلب ہے، لہذا یہ حدیث صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ میں سے کس کتاب میں ہے؟ حوالہ کتب، راوی کا نام اور قسم حدیث کہ یہ مرفوع ہے یا مرسل و غریب؟ مشہور ہے یا آحاد و متواتر وغیرہ؟ لیکن فتاویٰ عنابیہ میں مذکور ہے، صاحب فتاویٰ کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس ایک کا قول دوسرے کے قول کا مخالف ہے، تو ان دونوں قول میں کسے صحیح کہیں اور کس کا اعتبار کریں۔ لہذا صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ

سے مع اسناد جواب تحریر فرمائیں کہ عوام کے ذہن سے اوہام فاسدہ دور ہو جائے، مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور باعث اجر و ثواب ہوں، بلا شہد اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرمائے گا۔

هو المصوب

جواب: در شرب آب ایستادہ فیما بین علماء اختلاف است۔ بعضے قائل حرمت، و بعضے بکراہت، و بعضے باباحث۔ و منشاء اختلاف مختلف اقوال از آنحضرت علیہ السلام در روایت حدیث بلغظ "لا یشرین أحد منکم قائماً فمن نسی فلیستقی" مرفوع است۔ وقد أخرجه مسلم فی صحیحہ از ابی ہریرہ کہ می گویند، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

لا یشرین أحد منکم قائماً فمن نسی فلیستقی (۱)۔ انتہی۔
وقد أخرجه مسلم عن أبی سعید الخدری أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم زجر عن الشرب قائماً (۲)۔
وفیه أيضاً عن أنس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه نہی أن یشرب [الرجل] قائماً۔ قال قتادة: فقلنا: فالأكل؟ فقال: ذاك أشرو وأخبث۔ (۳) انتہی۔

[کھڑے ہو کر پینے میں علماء کے مابین اختلاف ہے، بعض حرمت کے قائل ہیں اور بعض کراہت اور کچھ لوگ جائز کہتے ہیں، اور علماء

(۱) صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب فی الشرب قائماً، رقم الحدیث: ۲۰۲۶۔
دار السلام الرياض

(۲) صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب فی الشرب قائماً، رقم الحدیث: ۲۰۲۵۔ دار السلام الرياض

(۳) صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب فی الشرب قائماً، رقم الحدیث: ۲۰۲۴۔
جامع الترمذی، أبواب الأشربة، باب ما جاء فی النهی عن الشرب قائماً، رقم الحدیث: ۱۸۷۹۔ دار السلام الرياض

کی آراء میں) اختلاف کی بنیاد وہ مختلف اقوال ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث میں منقول ہیں، ان الفاظ کے ساتھ ایک مرفوع روایت ہے ”لا یشر بن أحد منکم قائماً فمن نسی فلیستقی“ اس حدیث کی تخریج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں فرمائی، کہ فرماتے ہیں کہ ”تم میں سے کوئی کھڑے ہو کر پانی نہ پئے، اور اگر کوئی بھول جائے تو قے کر دے۔“ امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے سختی سے منع کیا، صحیح مسلم ہی کیا ایک اور روایت میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدھی کھڑے ہو کر پئے، حضرت قتادہ (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم نے پھر یہ سوال کیا (کہ کھڑے ہو کر) کھانا بھی؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو بہت برا اور نہایت غبیث ہے۔]

وفی رواية مسلم عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم شرب من زمزم من دلو منها، وهو قائم. (۱) انتہی۔
وفی رواية مسلم عن ابن عباس [قال]، سقیت رسول الله صلى الله عليه وسلم من زمزم فشرب وهو قائم. (۲) انتہی۔
وقد روى الترمذي وغيره عن كبشة بنت ثابت وهي أخت

(۱) صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب فی الشرب من زمزم قائماً، رقم الحدیث: ۲۰۲۷۔ جامع الترمذی، أبواب الأشربة، باب ما جاء فی الرخصة فی الشرب قائماً، رقم الحدیث: ۱۸۸۲۔ دار السلام الرياض

(۲) صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب فی الشرب من زمزم قائماً، رقم الحدیث: ۲۰۲۷۔ دار السلام الرياض

حسان بن ثابت، قالت: دخل عليّ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم فشرب من [فِي] قربة معلقة قائماً، فقمْتُ الى [فيها] فقطعته. قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح [غريب] (۱).
وفى صحيح البخاري: أتى عليّ بن أبي طالب باب الرحبة [بماء] فشرب قائماً، فقال: انّ ناساً يكره أحدّهم أن يشرب وهو قائم، واني رأيت النبي صلى الله عليه وسلم فعل كما رأيتموني فعلت. (۲) انتهى.

[مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ زمر ہمارے ڈول سے نوش فرمایا اس حال میں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑے تھے۔“ مسلم شریف ہی میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ”میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زمر کا پانی پلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمر نوش فرمایا۔“

امام ترمذیؒ اور دیگر محدثین حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا (یہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خواہر ہیں) سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے، آپ نے کھڑے ہو کر لٹکے ہوئے مشکیزہ کے منہ سے پانی پیا، میں اس مشکیزہ کی طرف گئی اور اس کا اس کو کاٹ دیا۔“
امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حدیث صحیح حسن کہا ہے۔

(۱) جامع الترمذی، أبواب الأشرية، باب ما جاء في الرخصة في ذلك، رقم الحديث:

۱۸۹۲۔ دار السلام الرياض

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأشرية، باب الشرب قائماً، رقم الحديث: ۵۶۱۵۔

سنن أبي داود، كتاب الأشرية، باب في الشرب قائماً، رقم الحديث: ۳۷۱۸۔ دار

السلام الرياض

صحیح البخاری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں باب الرحمہ پر پانی لایا گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر ہی پیا، اور آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر پینے کو ناپسند کر رہے ہیں جبکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح دیکھا ہے جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا۔ [

قال النووي شارح صحيح مسلم: [وأما] قوله صلى الله عليه وسلم "فمن نسي فليستقي" فمحمول على الاستحباب والندب، فليستحب لمن شرب قائماً أن يتقيأ لهذا الحديث الصحيح الصريح. وفيه أيضاً والصواب فيها أن النهي فيها فمحمول على كراهة التنزيهية وأما شربه صلى الله عليه وسلم قائماً للجواز، فلا اشكال ولا تعارض. (۲) انتهى.

[شارح مسلم امام نوویؒ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "فمن نسي فليستقي" استحباب اور ندب پر محمول ہے، چنانچہ اس شخص کے لیے مستحب ہے جس نے کھڑے ہو کر پیا کہ وہ اس صریح صحیح حدیث کی بنیاد پر اس کی قے کر دے۔ اسی کتاب میں ہے کہ اس مسئلہ میں بہتر یہ ہے کہ نبی کو کراہت تنزیہ پر محمول کیا جائے، اور جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر پینے کی بات ہے تو یہ جواز کے لیے ہے، لہذا کوئی تعارض اور اشکال نہیں ہے۔]

والله أعلم بالصواب وعنده أم الكتاب، حرره الراجی عفو ربہ المتین

محمد أمين حسني الحسيني، تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين. فقط

(۱) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب الأشرية، باب كراهة الشرب قائماً، ۱۱۳/۷، دار احیاء التراث الاسلامی بیروت، تحقیق: الشیخ عرفان حسونة، الطبعة

الأولى ۱۴۲۰ھ - ۲۰۰۰م

اہل فسق کے یہاں کھانا پینا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین [کہ] سود خوار و راشی (رشوت کھانے والا، اور) غاصب کے یہاں اکل و شرب کسی حالت میں بھی جائز ہے یا نہیں؟ یمنوا و افتوا بسند الكتاب [و السنة] توجروا عند الله بحسن المآب، فقط

هو الموفق والمعین وهو الرزاق ذو القوة المتین
جواب: سود خوار و راشی و غاصب کے ظالم ہونے میں کلام نہیں، (اور) مرتکب کبائر بلکہ مصر کبائر لا کلام مالم یتوبوا، بے لجام و بے نظام ہیں۔ (اور) ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ﴾ (۱) نبی علیہ السلام کو ہے، (اور) جب شریعت میں موالات و محبت باہمی کو بطریق اس کے رکھا جس کی خبر دی گئی:

”الحب فی الله والبغض فی الله“ (۲)

(اور) اعلیٰ درجہ مراسم رغبت والفت سے ہم نوالہ وہم پیالہ ہونا، (اور) مخالفین شریعت غراء و طریقت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے گریز و پرہیز پر ضروری ہے۔ [چنانچہ کلام پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (۳)

(۱) الأنعام: ۶۸ [تو یاد آنے کے بعد پھر ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھیں]

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب السنة، باب محاربة أكل الأهواء وبغضهم، رقم: ۴۵۹۹

(۳) المجادلة: ۲۲

[جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستیاں کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قبیلہ کے لوگ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا اور اپنی خاص رحمت سے ان کی تائید فرمائی ہے اور وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان ہی میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ہیں اللہ کے لوگ، یاد رکھو! اللہ کے لوگ ہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔]

(اور) ہر گاہ مخالف خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باوجود قرابت قریبہ، منہی عنہا بلکہ مخالفت کرنے والے پر تشدید شدید و وعید مزید ہے، چنانچہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (۱)

[اور جو صحیح راستہ سامنے آجائے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور اہل ایمان کے راستے سے ہٹ کر چلے گا تو وہ جہنم بھی رخ کرے گا اسی رخ پر ہم اس کو ڈال دیں گے، اور اس کو جہنم رسید کریں گے، اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔]

پس ربوا اور رشوت و غصب حرام قطعی [ہے] (اور) ارتکاب، محرمات قطعہ کا (اور) اصرار ان امور کا، کس درجہ نافرمانی و طغیانی (اور) عدول حکمی ہے؟! پھر ایسوں سے نفرت نہ ہونا (اور) رغبت کرنا بلکہ ہم نوالہ وہم پیالہ ہونا کیا قوت ایمانی و حرارت اسلامی ہے؟! (اور) طرہ مزید برآں چندیں شکل برائے اکل [و شرب] حیلہ جوئی کے لیے، حیلہ شرعی ڈھونڈنا (اور) افتاء و استفتاء ہونا و کرنا بحرب من اللہ و رسولہ کے لیے [ہے] اور

”الربوا سبعون جزءاً أيسرها أن ينكح الرجل أمه“۔ انتهى (۱)
 بطونهم كالبيوت فيها الحيات ترى من خارجهم۔ انتهى (۲)
 لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشئ والمرتشئ۔ انتهى (۳)
 من أخذ شبراً من الأرض ظلماً فإنه يطوقه يوم القيامة من
 سبع أرضين۔ انتهى (۴)

لا يدخل الجنة لحم نبت من السحت، وكل لحم نبت من
 السحت كانت النار أولى به۔ انتهى (۵)

[”ربا (سود) کے ستر حصے ہیں، اس کا سب سے کم درجہ آدمی کا اپنی
 ماں سے زنا کرنا ہے۔“ ”ان کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں، جس

(۱) سنن ابن ماجہ میں الفاظ اس طرح ہیں:

”الربا سبعون حوباً۔ أيسرها أن ينكح الرجل أمه“

سنن ابن ماجہ، باب التغلیط فی الربا، رقم: ۲۲۷۴

اور قدرے فرق کے ساتھ حدیث شریف کی دیگر کتب میں یہ روایت موجود ہے۔

”الحوب الأثم، والمراد أنها سبعون نوعاً من الأثم، والمراد التکثیر دون
 التحديد، أيسرها أى أخف تلك الأيام أثم نكاح الرجل أمه، والمراد به العقد أو
 الجماع، فالحدیث يدل على أن الربا أشد من الزنا“

(۲) سنن ابن ماجہ، باب التغلیط فی الربا، ۲۲۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب

المغازی، حدیث المعراج حین أسري بالنبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ۳۶۵۷۴،

۳۷۷۲۹، مسند احمد بن حنبل، رقم: ۸۶۲۵، ۸۶۴۰، ۸۷۴۲، ۸۷۵۷

(۳) جامع الترمذی، أبواب الأحکام، باب ما جاء فی الراشئ والمرتشئ، تحقیق: علامہ

شاکر، رقم: ۱۳۳۷، سنن أبی کتاب الأقضية، باب فی کراهية الرشوة، رقم: ۳۵۸۰

(۴) صحيح البخاري، کتاب الغصب، باب ما جاء فی سبع أرضين.....، رقم: ۲۴۵۲،

۳۰۲۶، ۳۱۹۵، ۳۱۹۸۔ صحيح مسلم، باب تحريم الظلم وغصب الأرض.....، الخ،

رقم: ۴۲۱۹، ۴۲۲۰۔ سنن الدارمي، باب من أخذ شبراً من الأرض، رقم: ۲۶۶۱

(۵) مرقلة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للإمام علي بن سلطان الهروي، باب

الكسب وطلب الحلال، رقم: ۲۷۷۱، ۱۷۷۲

میں سائب ہیں جو باہر سے دکھائی دیتے ہیں۔“ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دیئے اور لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔“ جس نے ظلم و تشدد سے کسی کی زمین میں سے ایک بالشت بھی حاصل کی تو اس کو قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔“ جنت میں کوئی گوشت (انسان) نہیں جائے گا، جو سود سے پروان چڑھا ہو، اور ہر وہ گوشت جو سود سے پروان چڑھا ہے دوزخ اس کے لیے نہایت ہی بہتر ہے۔“]

ایسے تشدیدوں کے شایان (اور) وعید کی ان حدیثوں کے، لوگوں کے لیے یہ رنجیت، ہم نوالہ وہم پیالہ کی ہو، عجب کل العجب!!؟؟ بلکہ نفرت کر کے (اور) پرہیز رکھ کر اسے چھوڑاویں منکرات و محرمات قطعہ کو، نہ کہ ماکلت و مشاربت رکھیں، جس کے باب [بارے] میں حدیث کیسی تخویف و وعید وارہ [ہے]

”ولما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نہتہم علمائہم فلم یتہوا مجالسواہم فی مجالسہم واکلوہم وشاربوہم فضرَب اللہ قلوب بعضہم ببعض فلعنہم علی لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم، ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون، قال: فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان متکاً، فقال: لا، والذی نفسی بیدہ تأطرونہم أطراً. رواہ الترمذی. (۱) وفی روایۃ قال: کلاً! واللہ لتأمرنّ بالمعروف ولتنہونّ عن المنکر، ولتأخذنّ علی یدی الظالم، ولتأطرنّہ علی الحق أطراً ولتقصرنّہ علی الحق قصراً أو لیضربنّ اللہ لقلوب بعضکم علی بعض، ثم لیلعننکم کما لعنہم. انتہی. (۲)

(۱) جامع الترمذی، أبواب تفسیر القرآن، تفسیر سورة المائدة، رقم: ۴۷، ۳۰
(۲) سنن أبی داؤد، کتاب الملاحم، باب الأمر والنہی، رقم: ۴۳۳۶، ۴۳۳۷۔ دار السلام الریاض۔ باقی اگلے صفحہ پر.....

[جب بنی اسرائیل معاصی اور گناہوں میں واقع ہوئے تو ان کے علماء نے روکا، وہ باز نہ آئے، وہ ان کے پاس بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے اور پینے لگے تو ان کے دلوں کا اثر ان کے دلوں پر پڑ گیا، پس داؤد اور عیسیٰ کی زبانی ان پر لعنت بھیجی گئی یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھے تھے، راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے بیٹھے تشریف فرما تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: تم کو کبھی نجات نہیں ملے گی جب تک معاصی والوں کو مجبور کر دو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں، قسم ہے اللہ کی جب تک کہ تم بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو، ظالم کے ہاتھوں کو پکڑو، اور حق پر مجبور کرو، اور حق پر قائم ہو جاؤ، یا اللہ تعالیٰ تم کو ایک دوسرے سے بھڑانہ دے پھر وہ تم پر لعنت بھیجے گا جیسا کہ ان لوگوں پر لعنت بھیجی تھی]۔

اور حیلہ جوئی اور گرسنہ خو کے لیے اشباہ میں ہے:

”اذا كان غالب مال المهدى حلالاً، فلا بأس لقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه حرام، وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل الا اذا قال: انه حلال ورثه أو استقرضه. انتهى. (۱)“

[جب ہدیہ کرنے والے کا اکثر مال حلال ہے تو اس کے ہدیہ کو قبول کرنے، اور اس کی چیز کو کھانے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ ظاہر

..... بقیہ حاشیہ..... شرح مشکل الآثار للامام الطحاوی، باب بیان مشکل ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم فيما ينبغي بمن رأى منكراً وبقوله في ذلك ”ولتأطرنه على الحق أطراً“ رقم: ۱۱۶۳، ۱۱۶۴

(۱) الأشباہ والنظائر لابن نجيم المصري، القائدة الثانية، المسئلة الثامنة، تحقيق: عبد الكريم الفضيلي: ۱۳۸۔ المكتبة العصرية، صيدا بيروت، الطبعة الأولى، ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۸م

نہ ہو جائے کہ وہ مال حرام ہے۔ اور اگر اس کی کمائی کا اکثر حصہ حرام ہے تو نہ اس کا ہدیہ قبول کرے اور نہ کھائے الا یہ کہ وہ کہہ دے کہ وہ حلال ہے اسے وراثت میں پایا ہے یا اس نے قرض پر اسے حاصل کیا ہے۔ [وفی العالمگیریۃ: فلا یجیب دعوة الفاسق المعلن لیعلم أنه غیر راض لفسقه و کذا [دعوة] من [کان] غالب ماله من حرام ما لا یخبر أنه حلال. کذا فی التمر تاشی. انتھی. (۱)]

[فتاویٰ عالمگیری میں ہے: فاسق معلن کی دعوت قبول نہ کرے، تاکہ اس کو معلوم ہو کہ اس کے فسق اور گناہ سے وہ راضی نہیں، اور اسی طرح سے اس شخص کی دعوت کا حکم ہے جس کے مال کا اکثر حصہ حرام ہو، جب تک وہ یہ بتا دے کہ وہ حلال ہے۔ اسی طرح علامہ ترمذی کی کتاب میں ہے۔]

واللہ أعلم وعلمہ اتم وأحکم، رقمہ محمد أمين حسني الحسيني
تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين، فقط

مصافحہ کا طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد اسلام علیکم کے مصافحہ کرنا ایک ہاتھ سے سنت اور جائز یا کہ دونوں ہاتھ سے؟ یعنی ہر ایک شخص کے ایک ایک ہاتھ مصافحہ میں دیوے یا کہ ہر ایک شخص اپنا دونوں ہاتھ دیوے؟ اس مسئلہ کی صحت جیسی حدیث صحیح سے اور فقہ سے، خاکسار [کو] مطلع کیا جاوے۔

هو الموفق (۱)

(۱) الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضيافات ۳۴۳/۵، مکتبۃ زکریا دیوبند، الہند

(۲) یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ فقہائے اسلام نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو مسنون قرار دیا ہے، مجالس الامرار کی عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، بقیہ اگلے صفحہ پر.....

جواب: بہرہ و دوست تعلیق بخاری سے ثبوت پہنچتا ہے۔

کما قالہ: [باب] الأخذ بالیدین، وصافحہ حماد بن زید ابن

المبارک بیدہ (۱) انتہی۔

اور ایک ہاتھ سے، روایت ترمذی شریف سے [ثابت ہے]۔

قال: أفيأخذ بیدہ ویصافحہ؟ قال: نعم (۲) انتہی۔

[جیسا کہ امام بخاریؒ نے فرمایا: یہ دو ہاتھوں سے مصافحہ کا بیان ہے،

اور حضرت حماد بن زیدؒ نے حضرت ابن المبارکؒ سے اپنے دونوں

ہاتھوں سے ان سے مصافحہ کیا۔

اس آدمی نے کہا کہ پس وہ اس کے ہاتھ کو پکڑے گا اور مصافحہ کرے

..... بقیہ حاشیہ..... اس میں ہے: ”والسنة أن تكون بکلنا یدہ“ یعنی سنت طریقہ یہ ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔ حماد بن زید بن الثابت والی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہونا چاہیے، حضرت حماد کی روایت یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ تابعین کے عہد میں بھی یہی طریقہ رائج رہا ہوگا۔

روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بظاہر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا ایک ہاتھ سے مصافحہ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھ تھے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ ہونا یقینی نہیں ہے، البتہ اس روایت میں دونوں ہاتھوں کے ہونے کا امکان لغوی اعتبار سے موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر لفظ ”کف / ید“ بطور جنس ہے، تو اس کے اندر ایک سے زائد معنی لیا جاسکتا ہے، اور اگر جنس مراد نہ ہو تو ایک ہاتھ کا معنی ہے۔ یعنی دونوں تشریح کا امکان ہے، راقم کی نظر میں اس کی آسان توجیہ یہ ہے کہ لفظ کف / ید جنس ہونے کی وجہ سے دونوں معنی لینے کا امکان ہے گو کہ ایک مبہم کلمہ ہے اور اس کی وضاحت روایت حماد سے ہوتی ہے، اس کے ہوتے ہوئے دوسرا معنی لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، اس لیے فقہائے کرام کی تشریح کو ترجیح دیتے ہوئے کرتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے، یہی اقرب الی السنہ معلوم ہوتا ہے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب الأخذ بالیدین، رقم الباب: ۲۸، دار

السلام، الرياض (۲) جامع الترمذی، کتاب الاستئذان، باب

ما جاء فی المصافحة، رقم: ۲۷۲۸، دار السلام، الرياض

گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں۔]

باقی تصریح و صراحت اس بات کی کہ ایک ہاتھ سے ہونا چاہیے، سنت مرفوع سے روایت قویہ سے نظر فقیر سے نہیں گذرا۔ روایت ابن مسعود کی درباب تعلیم:

[عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ] التَّشَهُّدَ، وَكَفَى

بَيْنَ كَفَيْهِ. (۱)

[رسول اللہ ﷺ نے دعائے تشہد مجھے سکھائی، اس حال میں کہ میرا

ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔]

آپ کے دونوں ہاتھ ابن مسعود کا ایک ہاتھ ثابت ہوتا ہے، وہ طریقہ تعلیمیہ بھی

ثابت ہوتا ہے۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ. حرره الراجی عفو ربہ

المتین محمد امین حسنی الحسینی تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين.

درہم کی وضاحت (۲)

سوال: چہ می فرمائید علمائے دین اندریں معنی کہ ہر دس درم شرعی خواہ پانصد درم

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التَّشَهُّدُ فِي الصَّلاَةِ، رقم: ۴۰۲، صحیح

البخاری، کتاب الاستئذان، باب المصافحة، رقم الباب: ۲۷، باب الْأَخْذُ بِالْيَدَيْنِ، رقم:

۶۲۶۵، وقال ابن مسعود: عَلَّمَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ، وَكَفَى بَيْنَ كَفَيْهِ.

(۲) درہم کی تحقیق اور اس کی وضاحت میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے، علمائے ہندوپاک کی

تحقیقات بھی اس سلسلے میں الگ الگ ہیں، علامۃ الہند مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی لکھنؤی،

مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی (ہانی دارالعلوم کراچی) مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی حضرات

کے یہاں بھی اختلاف ہے، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی نے درہم کے بارے میں لکھا ہے کہ

ایک درہم چودہ قیراط کا، اور ایک قیراط پانچ جو کا، تو ایک شرعی درہم ستر جو تین ماشہ ایک رتی، اور ایک

رتی کے پانچوں حصہ کا، جیسا کہ گزرا کہ ایک ماشہ ۹۷ رتی گرام کا ہوتا ہے۔ ایک درہم، ۸۸۰۶۱۳۔

تین گرام اکٹھ ٹی گرام، اور آٹھ میکرو ٹی گرام کا ہوتا ہے۔ جبکہ مولانا رشید احمد لدھیانوی کی تحقیق

ایک درہم کے بارے میں یہ ہے کہ..... بقیہ اگلے صفحہ پر.....

شرعی در مذہب حنفی علیہ الرحمہ چہ قدر روپیہ بحساب یہاں کے ہوتا ہے؟ صاف صاف حکم دس درم کا علاحدہ (اور) پانصد درم کا علاحدہ [تحریر] فرمایا جاوے، مگر ار یہ ہے کہ درہم و درم یہ بھی فرمودہ شرع ہے کہ یہ دونوں الگ ہے یا فرق؟ بینوا بالکتاب [والسنة] توجروا بیوم الحساب، فقط۔

هو المصوب

جواب: درم و درہم یک ہست، و وہ درم شرعی قریب سہ روپیہ رائج الوقت یعنی کلدار می شود۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز [محدث دہلوی] قدس سرہ العزیز در تفسیر عزیزی آورده اند ”وزن وہ درم شرعی سہ روپیہ رائج یعنی دیا راست“ و درم از سکہ دہلی کلدار نیم ماشہ بوزن زائد است، و پانصد درم بحساب روپیہ لکھنؤ و دہلی مبلغ یکصد روپیہ و سہ و چہل روپیہ و سہ آنہ و پاؤ آنہ یعنی ۳۴۳، ۳ روہ بحساب کلدار قریب مبلغ یکصد و سی و ہفت روپیہ می شود، بکمی نیم ماشہ لفظ قریب افزوده کرده شد، چنانا بذریعہ کتب فقہیہ تحقیق گردید۔
واللہ أعلم بالصواب۔ حررہ الراجی عفو ربہ المتین محمد امین حسنی الحسینی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین۔

سووی بیچ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے کوئی شئی مقبوضہ کو، عمرو کے ہاتھ اس شرط پر بیع یا معاومعینہ یا غیر معینہ بیچ کیا کہ جب ہمارے پاس اس قدر روپیہ ہوگا، یا اتنی مدت کے بعد جس قدر جمع پر بیچ کیا ہے اسی قدر پر ہم دونوں صورتوں میں تم سے شئی معینہ مسترد کر لیں گے، اور مشتری اس پر راضی ہوا، اور اس کو بیچ خیار کہتے ہیں۔

.....بقیہ حاشیہ..... ایک درہم کا وزن ۳ گرام، ۴۰۲ ملی گرام ہے۔ لمبی بحث و تحقیق کے لیے رسالہ ”اوزان شرعیہ“ اور ”بسط الباع لتحقیق الصاع“ کا مطالعہ کیا جائے، اول الذکر ”جواهر الفقہ“ جلد اول میں اور ثانی الذکر ”احسن الفتاویٰ“ میں شامل ہے۔ اوزان کی تحقیقات کے لیے الاوزان المحمودہ اور امداد الاوزان سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اس صورت میں تا ایام، مسترد کرنے بائع کے، منافع شیء مبیعہ، مشتری کو لینا اور اس طرح کی شرط کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ سود ہے یا خارج یا داخل؟ بینوا بالکتاب [والسنة] توجروا بیوم الحساب.

هو المصوب

جواب: اس طرح کی بیع شرعاً درست ہے، اور منافع اس کا مشتری کو لینا درست ہے، سود نہیں۔

هكذا في الدر المختار ذكر بيع الوفاء، عبارته هذا:

[صورته] أن يبيعه العين بألف على أنه إذا ردَّ عليه الثمن ردَّ عليه العين. فقط.

وقال: [وقيل بيع يفيد الانتفاع به، وفي اقالة شرح المجمع عن النهاية] وعليه الفتوى. (۱)

[اسی طرح در مختار میں بیع الوفاء کا ذکر ہے، اس کی عبارت یہ ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کو بیع ایک ہزار پر اس بات پر فروخت کرے کہ جب وہ اس کو قیمت واپس کرے گا تو مشتری اس کو وہ بیع لوٹا دے گا۔

اور کہا: کہا گیا کہ یہ ایک ایسی بیع ہے جس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اور النہایہ سے منقول ہو کر شرح الجمع میں باب الاقالة میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔]

والله أعلم بالصواب حرره هادی حسن النصير آبادي عفي عنه.

و المصوب والمبين والموفق للصواب

(۱) الدر المختار مع كشف الأستار للشيخ نظام الدين الكيرانوي، كتاب الصرف، تذييل في بيع العينة وبيع التلحة: ۵۷/۲، [من طباعت ۱۳۳۲ھ-۱۹۱۲ء] مطبع مجبائی دہلی۔
الدر مع الرد: ۵۴۶/۷، الطبعة الثانية، [۲۰۰۳ء-۱۴۲۴ھ] دار الكتب العلمية بيروت

درست نہیں، بلکہ فی الحقیقت صورت رہن ہے، (اور) دراصل ربوا و سود ہے، کیونکہ جوشی بیع ہوئی، پس اختیار ساقط ہوا۔ کما فی الہدایہ:

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. انتهى. ولا خيار
بواحد الا من عيب وعدم رؤيته. (۱)

[ہدایہ میں ہے: اور جب ایجاب و قبول ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے۔ اور کسی ایک کو اختیار حاصل نہیں ہے سوائے اس کے کہ عیب ہو، یا عدم رؤیت یعنی بیع کو نہ دیکھا ہو۔]

بلکہ بیع میں اختیار انتقال ملک و ہبہ و صدقہ وغیرہ کا باسرا و تمام ہا درست ہے، اور صورت مسئلہ میں کبھی اختیار نہیں، مزید برآں زرخشن کا بائع سے دعویٰ مشتری کو نفع لینا مبیعہ مرہونہ سے مخالف قرآن و حدیث و فقہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (۲)
حتی کہ صورت مسئلہ میں عموم قولہ تعالیٰ:

﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (۳)

وارد ہے۔ پھر بھی لوگوں کی ایسی جرأت ہے! العیاذ باللہ من ذلك.

ورد فی الحدیث: "کل قرض جر نفعاً فهو ربوا" (۴)

یعنی جو قرض کہ کھینچے فائدہ کو پس [وہ] سود ہے۔ وفی الكنز و شرحہ:

لا، یعنی لا یتنفع المرتهن بالرهن..... الی آخرہ. (۵)

(۱) بدایۃ المبتدی بالہدایۃ، مع حواشی الامام الکنز: ۲/۲۵، مطبع یوسفی فرنگی محل
لکھنؤ، [سن طباعت ۱۳۳۲ھ] باہتمام ابوالفیض محمد یوسف انصاری

(۲) البقرہ: ۲۷۵ [اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال یعنی جائز کیا اور سود کو حرام قرار دیا]۔

(۳) البقرہ: ۱۸۸ [تم اپنے مائین اپنے مال کو باطل طریقہ پر نہ کھاؤ]

(۴) نصب الرایۃ تخریج احادیث الہدایۃ، کتراب الحوالۃ: ۴/۱۳۰، تحقیق: أحمد شمس

الدین، الطبعة الأولى [۱۴۲۷ھ-۲۰۰۶م] مکتبۃ دار الایمان، سہارن فور، دیوبند، الہند
(۵) کنز الدقائق مع حواشی مولانا اعجاز العلی امروہی، کتاب الرهن: ۳۸۰، مطبع قاسمی ۱۳۳۵ھ

باہتمام مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندی

هكذا وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن. (۱)

وفی جامع لمجد الأئمة عبد الله ابن محمد ابن أسلم: أنه

لا يحل أن ينتفع بشئ منه، وان أذن له الراهن لأنه أذن في

الربوا، لأنه يستوفى دينه فيكون المنفعة ربواً. (۲)

یعنی [نفع اٹھانا] نہیں حلال ہے مرتہن کو رہن سے، اگرچہ اجازت دیوے

راہن، اس لیے کہ اجازت سود میں ہے۔

قال صاحب تنوير الأبصار في شرح منهج الغفار: لا

الانتفاع به أين بالراهن مطلقاً. (۳) انتہی۔

(۱) ملتقى الابحار مع مجمع لانهر وعليه سكب الانهر ۴/ ۲۷۳، الطبعة الأولى

۱۹۴۱-۱۹۹۸ء، دار الكتب العلمية بيروت

(۲) نقل عبارت میں ناقل سے سہو ہو گیا ہے، شیخ زادہ داماد آفندی نے ”ملتقى الانهر“ کی اپنی شرح

”مجمع الانهر“ میں نقل کیا ہے، اصل عبارت یوں ہے جو کہ حاشیہ ابن عابدین میں منقول

ہے تو قال فی المنع وعن عبد الله بن محمد بن أسلم السمرقندي وكان من كبار

علماء سمرقند، أنه لا يحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه، وان أذن له الراهن

لأنه أذن له في الربا، لأنه يستوفى دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً فيكون رباً. هذا أمر

عظيم، كذا رأيت منقولاً بهذا اللفظ وعزاه الى الجامع لمجد الأئمة السرخسي. حاشية

ابن عابدین، باب المربحة والتولية، مطلب كل قرض جراً نفعاً حرام

۷/ ۳۹۵، ۸۳/ ۱۰، الطبعة الثانية ۱۹۴۲-۲۰۰۳ء، دار الكتب العلمية بيروت،

مجمع الأنهر: ۴/ ۲۷۴، الطبعة الأولى ۱۹۴۱-۱۰۰۹ء، دار الكتب العلمية بيروت

(۳) علامہ ترمذی کی کوئی کتاب منج الغفار کے نام سے نہیں، البتہ منج الغفار کے نام سے موسوم

کر کے خود علامہ نے تنویر الابصار کی شرح لکھی، اور یہاں اسی کے حوالہ سے منقول ہے، اس لیے

”فی شرح منج الغفار“ ہونا چاہیے۔ تنویر کی عبارت یہ ہے: لا انتفاع به مطلقاً الا باذن۔ اور در

مختار میں عبارت اس طرح ہے: لا انتفاع به مطلقاً لاستخدام ولا سكنی ولا لبس ولا

اجارة ولا اعارة سواء كان من مرتهن أو راهن الا باذن، راجع: کتاب

الرهن: ۸۳/ ۱۰، الطبعة الثانية، دار الكتب العلمية بيروت

ولا يخفى من له الممارسة في العلوم في هذا الباب (١)
 [و]الذي نقله (٢) الناقل في فتواه: فتوبى للراغبين له، وطوبى
 للنافرين له منه. وهذه عبارته ببيع الوفاء وذكرته هنا تبعاً
 للدرر، صورته: أن يبيعه العين بألف على أنه إذا ردّ عليه
 الثمن ردّ عليه العين، وسماه الشافعية بالرهن المعاد،
 ويسمى بمصر بيع الأمانة وبلاشام بيع الاطاعة، قيل: هو
 رهن فتضمن زوائده، وقيل: بيع يفيد الانتفاع به، وفي اقاله
 شرح المجمع عن النهاية، وعليه الفتوى. وقيل: ان بلفظ
 البيع لم يكن رهناً، ثم ان ذكر الفسخ فيه أوقبله أوزعماه
 غير لازم كان بيعاً فاسداً. (٣) انتهى. فانظر هذا فاحفظ.

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، حرره الراجي عفوره المتين محمد
 أمين حسني الحسيني النصير آبادي تجاوز الله عن ذنبه الخفي والحلي.

(١) وقيل في الدر المختار، هكذا في الدر المختار عبارته في آخر باب الصرف في
 صفحة: ٣٦٣، في سطر أحد عشر منه

(٢) وفي النقل إيهام واقتراء لأن ما نقله الناقل من الدر المختار فهو بين تنبيه، وصورة
 بيع الوفاء هكذا يكون والحكم بعد هذا من الأحكام من الأقوال، فقيل: قيل فتركه
 وأخذ صورته على حسب ارتكابه وسند أعلى فعله، نعوذ بالله من هؤلاء الناس
 يتبعون أهوائهم، ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس، يفعلون
 ما لا يؤمرون فلا يغرنكم الحياة الدنيا ولا يغرنكم بالله الغرور. هما قول الزور ولا
 صورة لبيع الموقت ولا ينبغي أن يجوز بيع الأمة بهذه الصورة وانتفاء عليه بها
 بالوطى وكذا النكاح الموقت، وما قاله أحد. لكتبه عفى عنه

(٣) الدر المختار مع كشف الأستار للشيخ نظام الدين الكيرانوي، كتاب الصرف
 تذييل في بيع العينة وبيع التلجنة ٥٧/٢، [من طباعت ١٣٣٢هـ - ١٩١٢م] مطبع حبيبي دلي،
 بإتمام مولوي عبد الاحد حوم، الدر مع الرد: ٥٤٥/٧ - ٥٤٧، الطبعة الثانية ٢٠٠٣هـ -

هو المصوب

نہیں جائز [ہے]، اور سود میں داخل ہے۔ ہذا ما اشتهر من علماء
الانام، کرمہم اللہ تعالیٰ۔
واللہ اعلم بالصواب، علی حسن جائسی

مضاربت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شریعت و مقتیان طریقت و حقیقت بیچ اس
مسئلہ کے کہ ایک شخص نے بہ نیت تجارت حلال کسی اپنے رفیق معتمد کو کسی قدر روپیہ نقد
دے کر یہ شرط کر لیا کہ تم اس روپیہ کا بیوپار کرو، جو کچھ اس میں منافع دستیاب ہو، اس
میں نصف یا ثلث تمہارا باقی ہمارا، اور جو کچھ گھانٹا یا ٹوٹا پیش آوے تو تاوان بھی منافع
حصہ مذکور بالا، ذمہ دونوں آدمیوں کے ہوگا۔

پس ایسی تجارت میں نفع کشی شرعاً درست یا نادرست؟ اور یہ بھی واضح رہے کہ
صاحب مال کسی کام (خرید و فروخت اور آمد و رفت اطراف و جوانب) میں شریک نہ
ہوگا۔ بینوا توجروا۔

هو المصوب

جواب: درست ہے۔ اس کو شریعت میں مضاربت کہتے ہیں مال ایک کا اور عمل
دوسرے کا۔ کما فی الہدایۃ:

المضاربة عقد يقع على الشركة بمال من أحد الجانبين،
ومرادہ الشركة فی الربح وهو يستحق بالمال من أحد
الجانبين والعمل من الجانب الآخر۔ (۱) انتہی۔

[مضاربت ایک ایسا عقد ہے جو چابٹین میں سے ایک کی طرف سے

(۱) الہدایۃ، کتاب المضاربة: ۶/۱۶۸۔ مکتبۃ البشری، کراچی پاکستان، الطبعة

شرکت کی بنیاد پر مبنی ہے، اور اس سے مراد ربح اور نفع میں شرکت ہے، اور یہ استحقاق جانین میں ایک کا بذریعہ مال ہوتا ہے اور دوسرے کی طرف سے بذریعہ عمل ہوتا ہے۔]

واللہ أعلم وعلمہ أتم، حرره الراجی عفو ربہ المتین محمد امین
حسنی والحسینی، تجاوز اللہ عنہ ذنبہ الخفی والمبین۔

نماز میں عمامہ اور اس کا حکم و درجہ؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ نماز عمامہ کے ساتھ بغیر عمامہ کے نماز سے یعنی ساتھ ٹوپی کے نماز سے مزیت و فضیلت رکھتی ہے پچیس نماز و ستر نماز و ستر درجہ کر کے؟ آیا از روئے حدیث صحیح ثابت ہے یا نہیں؟ اور حدیث ”صلوٰۃ تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمساً وعشرين صلوٰۃ بلا عمامة، و جمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة“ یہ روایت ضعیفہ یا صحیحہ یا موضوعہ؟ اور جامع رموز میں ہے:

”ينبغي أن يصلي مع العمامة، في الحديث؛ الصلوٰۃ مع

العمامة خير من سبعين صلوٰۃ من غير عمامة“

یہ حدیث صحیح کہ ضعیف یا موضوع و یا بائیں حدیث صحیح ثواب نفس نماز ساتھ عمامہ و بے عمامہ تساوی و برابر؟ پس عمامہ سے نفس نماز میں از دیا و ثواب و انتفاص ہوتا ہے یا نہیں یعنی کمی بیشی ثواب میں عمامہ کو مداخلت ہے یا نہیں؟ (اور) جو شخص اصرار کرے فضیلت نماز عمامہ کو بلا عمامہ سے ستر رکعت و ستر درجہ و ستر نماز کر کے، وعظ اور غیر وعظ میں (اور) رسالہ تصنیف کر کے اشاعت دیوے، حدیث موضوع کو وہ صحیح سمجھے (اور) سمجھائے لوگوں کو وہٹ کرے اس پر باوجود اطلاع دینے و پانے موضوعیت کے مزیت فضیلت پچیس و ستر میں کتب معتبرہ و مستندہ محدثین سے حوالہ نہ تسلیم کرے، وٹن پروری کرے، وروایت رسالہ غیر معتبرہ و روایت فقہیہ غیر مستندہ سند

گردانے، وحجت میں سند پیش کرے از روئے شرع شریف ایسا شخص آثم ہوگا یا نہیں؟
وقابل الزام شرعی ہوگا یا نہیں؟ بینوا بالسنة توجروا يوم الساعة يوم يقوم الناس
لرب العالمين.

هو المصوب والملهم بالحق والصواب

جواب: حدیث صحیح کی رو سے عمامہ والی نماز کو بے عمامہ والی سے کچھ فضیلت
وحریت یکپس وستر نماز وستر درجہ نہیں ثابت ہے، (اور) حدیث ”صلوٰۃ تطوع أو
فريضة بعمامة تعدل خمساً وعشرين صلوة بلا عمامة، وجمعة بعمامة
تعدل سبعين جمعة بلا عمامة“ یہ حدیث موضوع ہے اور باطل۔ چنانچہ ملا علی
قاری حنفی ہروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ اپنے ”المصنوع فی الحدیث
الموضوع“ میں فرماتے ہیں:

”حدیث صلوٰۃ بخاتم تعدل سبعين بغير خاتم موضوع
كما قال العسقلاني، وكذا صلوٰۃ بعمامة تعدل خمساً
وعشرين صلوة بلا عمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعين
جمعة بلا عمامة، والصلوة في العمامة بعشرة آلاف حسنة،
قال المنوفي فذلك كله باطل، انتهى.“

(ترجمہ: حدیث نماز انگوٹھی کے ساتھ برابر ہوتی ہے ستر نماز بغیر انگوٹھی
کے موضوع ہے یعنی بنی وگڑھی ہوئی بات جیسا کہ کہا (علامہ ابن
حجر) عسقلانی نے اس کو ایسا ہی موضوع ہے، نماز عمامہ کے ساتھ
برابر یکپس نماز بے عمامہ کے وایک جمعہ عمامہ کے ساتھ برابر ستر جمعہ
بے عمامہ کے اور نماز عمامہ میں ساتھ دس ہزار نیکی کے برابر، منوفی نے
کہا پس سب کا سب یہ باطل ہے)

اور قاضی شوکانی نے فوائد المجموعۃ فی بیان أحادیث الموضوعۃ میں کہا:

”حديث صلوة بعمامة تعدل بخمس وعشرين حجة،
وجمعة بعمامة تعدل سبعين حجة، ذكره في المقاصد
وقال: موضوع، حديث العمائم تيجان العرب والاحتباء
حيطائي وجلوس المؤمنين في المسجد رباطاً، قال في
المقاصد: ضعيف، وأخرج البيهقي معناه من قول الزهري
حديث عليكن بالعمائم، فانما سيما الملائكة فارخوها
خلف ظهوركم أخرجه ابن عدي والبيهقي في الخلاصة
موضوع، وقال في اللآلئ لا يصح، وقال له طريق آخر عن
ابن عباس أخرجه الحاكم في المستدرک.

وقد أخرج أبو داود من حديث ركانة فرق ما بيننا وبين
المشركين العمائم على القلائس، وأخرج البيهقي من
مرسل خالد بن معدان أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم
قال: اعتصموا بحالفوا الأمم قبلكم، قول ابن عمر يا بني
أحب العمامة يا بني اعتم تجل وتكرم وتوقر ولا يراك
الشيطان إلا وليّ هارباً سمعت رسول الله صلى الله عليه
وآله وسلم يقول: إنّ الصلوة بعمامة وجمعة بعمامة تعدل
سبعين جمعة بغير عمامة، إنّ الملائكة تشهدون الجمعة
متعظمين ولا يزالون يصلون على أصحاب العمائم حتى
تغرب الشمس، قال ابن حجر: موضوع حديث صلوة على
كور العمامة يعدل ثوابها عند الله غزوة في سبيل الله وهو
موضوع الصلوة في العمامة عشرة آلاف، في إسناده مبهم،
وقال في المقاصد: موضوع، انتهى عبارة.

اور جامع رموز کتب غیر معتبرہ سے ہے، پس کیا اعتبار اس کی روایت میں سند کا جیسا کہ صاحب کشف الظنون نے لکھا:

”والمولى شمس الدين محمد الخراساني القهستاني نزال بخاررو مرجع الفتوى بها وجميع ما وراء النهر المتوفى سنة اثنين وستين وتسع مائة وهو أعظم الشروح نفعا وأدقها إشارة ورمزاً كثير النفع عظيم الوقع، سماه جامع الرموز فرغ من تأليفه سنة احدى وأربعين وتسع مائة وقيل انه مات في حدود سنة خمسين وتسع مائة ببخارا، وقال المولى عصام الدين في حق القهستاني: انه لم يكن من تلامذة شيخ الاسلام الهروي ولا من أعاليهم ولا أدانيهم وإنما كان دلال الكتب في زمانه ولا كان يعرف الفقه ولا غيره بين أقرانه، ويؤيده أنه يجمع في شرحه هذا بين الغث والسمين والصحيح والضعيف من غير تصحيح ولا تدقيق فهو كحاطب الليل جامع بين الرطب واليابس في الليل وهو العوارض في ذم الروافض، انتهى.“

(اور) حضرت استاذنا مولوی ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی غفر اللہ لہ واور

مرقدہ اپنی کتاب ”النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير“ میں فرماتے ہیں:

”ومنها عدم الاطلاع على حال مؤلفه، هل كان فقيهاً معتمداً، أم كان جامعاً بين الغث والسمين وان عرف اسمه واشتهر رسمه كجامع الرموز للقهستاني فانه وان تداوله الناس لكنه لما لم يعرف حاله أنزله من درجة الكتب المعتمدة الى حيز الكتب الغير المعتمدة انتهى.“ قال ابن

عابدین فی رد المحتار فی شرح الاشباہ لشیخنا المحقق
 ہبہ اللہ البعلی قال شیخنا العلامة صالح الجینی: انه لا
 یجوز الاقتاء من الكتب المختصرة كالنهر وشرح الكنز
 للعینی والدر المختار شرح تنویر الأبصار ولعدم الاطلاع
 علی حال مؤلفیہا کشرح الكنز لملا مسکین وشرح النقایۃ
 للقهستانی، انتهى۔“

(اور) عمامہ وکلاہ ہر دو مسنون سنت زوائد سے جو من قبیل عادت نبی علیہ السلام
 سے، نہ من قسم عبادت جو سنت ہدیٰ سے۔

”کما فی شرح الوقایۃ: فانما كانت المواظبة المذكورة
 علی سبیل العادة فسنن الهدی وان كانت علی سبیل
 العادة، فسنن الزوائد کلبس الثیاب..... الخ، انتهى۔ وفي
 المنار وشرحه نور الأنوار لملا جیون: وهي نوعان أي
 مطلق السنة سنة الهدی كالجماعة والأذان والاقامة،
 والثانی: الزوائد کسیر النبی علیہ السلام فی لباسه الی آخره
 وربما یلبس عمامة سوداء وحمراً، انتهى ملخصاً۔ وفي
 التوضیح من كتب أصول الفقهیة: والسنة نوعان، سنة
 الهدی وترکها یوجب إساءة وکراهة كالجماعة والاقامة
 ونحوها، وسنة الزوائد وترکها لا یوجب ذالک کسنن
 النبی علیہ السلام فی لباسه وقيامه وقعوده، انتهى۔“

پس مسنونیت دونوں امر کے باب میں صاحب قاموس وسفر السعادت یعنی مجدد
 الدین فیروز آبادی اپنی کتاب سفر السعادت میں فرماتے ہیں: گاہ عمامہ بے کلاہ می
 پوشیدہ گاہ با کلاہ وگاہ کلاہ بے عمامہ انتہی۔

(اور) نفس ثواب نماز میں کوئی مداخلت عمامہ و کلاہ کو از دیاد و انتقاص ثواب نماز میں از روئے حدیث صحیحہ ثابت نہیں بلکہ ایک کپڑے میں نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی جیسا کہ روایت جامع ترمذی میں منقول ہے:

”عن عمر بن أبی سلمة أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى بيت أم سلمة مشتملاً فى ثوب واحد، انتهى. قال أبو عيسى: حديث عمر بن أبی سلمة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم من بعدهم من التابعين وغيرهم، قالوا: لا بأس بالصلوة فى الثوب الواحد، وقال بعض أهل العلم: يصلى الرجل فى ثوبين، انتهى.“

وفى صحيح المسلم عن أبی هريرة أن سائلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلوة فى الثوب الواحد، فقال: أولكلکم ثوبان، انتهى.“

وفى المسلم أن أبا الزبير المكي حدثه أنه رأى جابر بن عبد الله يصلى فى ثوب متوحشاً به، وعندة ثيابه، وقال جابر: انه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع ذلك، انتهى.“

وفى النووي شرح صحيح المسلم: وأجمعوا أن الصلوة فى ثوبين أفضل ومعنى الحديث أن لثوبين لا يقدر عليهما كل واحد، فلو وجبا لعجز من لا يقدر عليهما من الصلوة، وفى ذلك حرج، وقد قال الله تعالى ﴿لما جعل عليكم فى الدين من حرج﴾ وأما صلوة النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضى الله عنهم فى ثوب واحد ففى وقت كان لعدم ثوب

آخر وفي وقت كان مع وجوده بيان الجواز كما قال جابر رضي الله عنه ليراني الجاهل والا فالثوبان افضل كما سبق،
انتهی۔“

جب کہ جواز و فضیلت نماز ثوب واحد و دو ثوب کے بروئے حدیث صحیح ثابت و متحقق، پس ایسی روایت جس کو محدثین ان موضوعات و مصنوعات سے شمار کیا، اس کے افتاء دینا اور مجلس و عظ میں (اور) رسالہ میں اشاعت دینا بڑی جرأت و مرتکب کبیرہ و حرام ہونا ہے، نعوذ باللہ منہا۔

چنانچہ امام نووی شرح صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۸، مطبوعہ نول کشور میں تحریر فرماتے ہیں:

”تحريم رواية الموضوع على من عرف كونه موضوعاً أو غلب على ظنه وضعة فمن روى حديثاً علم أو ظن وضعة ولم يبين حال رواية وضعه فهو داخل في هذا الوعيد مندرج في جملة الكاذبين على رسول الله صلى الله عليه وسلم،
انتهی۔“

اور صحیح بخاری میں صفحہ ۲۱، میں سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے، انھوں نے کہا:

”سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من يقل علي ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار، انتهی۔“

اور روایات اس حدیث کے بکثرت ہیں بلکہ عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں اور شرح

نخبۃ الفکر میں ہے کہ:

”واتفقوا على تحريم رواية الموضوع مع العلم بحاله بسند أو غيره في أي معنى كان من الأحكام والقصص والترغيب والترهيب وغيرها الا مقروناً بيانه أي بيان أنه موضوع..... الخ، انتهی۔“

وفی النوروی شرح صحیح المسلم: وقال الشيخ أبو محمد الجويني والد امام الحرمين أبي المعالي من أئمة أصحابنا يكفر بتعمد الكذب عليه صلى الله عليه وسلم، حكى امام الحرمين عن والده هذا المذهب وانه كان يقول في دروسه كثيراً: من كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم عمداً كفر وأريق دمه، انتهى.

اور مجمع البحار جلد سوم میں (ہے) کہ:

”قال زيد بن أسلم: من عمل بخبر صح أنه موضوع فهو من خدم الشيطان، انتهى.“

اور ”فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث“ میں ہے:

”و كيف كان الموضوع أى فى أى معنى كان من الأحكام أو القصص أو الفضائل أو الترغيب والترهيب أو غيرها لم يختبروا..... الخ، وفيه أيضاً وكذا قال الخطيب: يجب على المحدث أن لا يروى شيئاً من الأخبار المصنوعة والأحاديث الباطلة الموضوعة فمن فعل ذلك بآء بالاثم المبين ودخل فى جملة الكاذبين وكتب البخاري على حديث الموضوع: من حدث بهذا استوجب الضرب الشديد والحبس الطويل، انتهى.“

(اور) علامت وضع سے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

رسالہ ”عجالت نافعہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”کہ منجملہ شناخت وضعیت حدیث علامت ہشتم آنست کہ افراط در وعید شدید بر گناہ صغیر یا افراط

وعد عظیم بر فعل قليل، چنانچہ ”من صلی رکعتین فله سبعون ألف دار، فی کل دار سبعون الف بیت، وفی کل بیت سبعون ألف سریر، وعلی کل سریر ألف جارّیة“ بلکہ احادیث این نسق را نخواہ در ثواب باشند خواہ در عذاب، موضوع باید شناخت، انتہی۔“

پس ہزار نیکی نماز عمامہ والے کو (اور) پچیس نماز وستر جمعہ کا ثواب عمامہ پر (اور) انگوٹھی پہن کر نماز ستر نماز کے برابر ہونا سراسر ثبوت علامت وضعیت ہے۔ علاوہ اس کے تصریح کیا ملا علی قاری حنفی ہروی نے اپنی کتاب ”موضوعات کبیر“ میں، فرماتے ہیں:

”حدیث صلوٰۃ بخاتم تعدل سبعین بغیر خاتم موضوع
کما قاله العسقلانی وکذا صلوٰۃ بعمامة تعدل بنخمس
وعشرین صلوٰۃ وجمعة بعمامة تعدل سبعین جمعة
والصلوٰۃ بعمامة بعشرة آلاف حسنة، قال المنوفي: فذلك
کله باطل، وقال السخاوي: حدیث صلوٰۃ بخاتم تعدل
بسبعین بغیر خاتم هو موضوع کما قال شيخنا عن شيخه.
وکذا ما أورده الديلمي من حدیث ابن عمر مرفوعاً صلوٰۃ
بعمامة تعدل بنخمس وعشرین وجمعة بعمامة تعدل سبعین
جمعة، ومن حدیث أنس مرفوعاً الصلوٰۃ فی العمامة بعشرة
آلاف حسنة، قلت: روی ابن عمر، نقله السيوطي عن ابن
عساكر فی جامعہ الصغير مع التزامه بأنه لم يذكر فيه
الموضوع.“

(ترجمہ: ایک نماز انگوٹھی سے ستر نمازوں کے برابر ہے جو بغیر انگوٹھی

کے پڑھی گئیں ہوں موضوع ہے یعنی بنائی ہوئی بات ہے جیسا کہ
عسقلانی نے کہا ہے، اور ایسا ہی ہے ایک نماز پگڑی سے پچیس
نمازوں کے برابر ہے، اور ایک جمعہ پگڑی سے ستر جمعوں کے برابر
ہے، اور ایک نماز پگڑی میں ہزار نیکی کے برابر ہے، کہا متوفی نے: یہ
سب باطل ہیں، کہا سخاوی نے: یہ حدیث ایک نماز انگوٹھی سے ستر
نمازوں کے برابر ہے جو بغیر انگوٹھی کے ہوں موضوع ہے جیسا کہ
ہمارے شیخ نے اپنے شیخ سے نقل کیا ہے، اور ایسا ہی ہے جس کو دیلیمی
ابن عمر سے مرفوع روایت لایا ہے ایک پگڑی سے پچیس نماز کے
برابر ہے، اور ایک جمعہ پگڑی سے ستر جمعوں کے برابر ہے۔ اور اس
سے مرفوع روایت لایا ہے (کہ) ایک نماز پگڑی سے دس ہزار نیکی
کے برابر ہے، میں کہتا ہوں اس کو سیوطی نے جامع صغیر میں ابن
عسا کر سے، اس نے ابن عمر سے نقل کیا ہے، باوجودیکہ اس نے
التزام کیا ہے کہ میں اس میں کوئی موضوع ذکر نہیں کروں گا۔ اتنی)

اور شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی اپنی کتاب "المقاصد الحسنة فی

بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی الألسنة" میں فرماتے ہیں:

"حدیث العمائم تیجان العرب، الدیلیمی من جهة أبی نعیم

ثم من جهة ابن عباس به مرفوعاً بزيادة الاحتباء حیطانها

وجلس المؤمن فی المسجد رباطه.

وهو كذلك عند القضاعی من حدیث علی مرفوعاً أيضاً

لكن قد أخرجه البيهقي عن الزهري من قوله ولفظ العمائم

تیجان العرب ولا حیوة حیطان العرب والاضطجاع فی

المسجد رباط المؤمنین، وللدیلیمی لفظ الترجمة من

حديث ابن عباس أيضاً بزيادة فاذا وضعوها وضعوا عنهم
وفي لفظ عنده العائم وقار المؤمن وعز العرب فاذا وضعت
العرب عمائمها وقد خلعت عزها، وكذا للبيهقي بلفظ
الترجمة بزيادة اعتموا تزايدوا حلماً.

وفي الباب مما يشبه بلفظ تعمموا تزايدوا حلماً والعمائم
تيجان العرب سوى ما ذكر فكله ضعيف.

ومنه للبيهقي في الشعب عن ابن عباس مرفوعاً عليكن
بالعمائم فانها سيماء الملائكة فارخوها خلف ظهوركم
وقد استظرد بعض الحفاظ ممن جمع في العذبة وسدل
العمائم بخصوصها لما استحضره من هذا المعنى.

وأيضاً هو عند الطبراني ثم الديلمي عن ابن عمر ومما لا
يثبت فيما أورده الديلمي في مسنده عن ابن عمر رفعه
صلوة بعمامة تعدل بخمس وعشرين صلوة وجمعة بعمامة
تعدل سبعين جمعة، وفيه أن الملائكة يشهدون الجمعة
متعممين ويصلون على أهل العمائم حتى تغيب الشمس.
وفي لفظ عنه أيضاً جمعة بعمامة أفضل من سبعين بلا
عمامة.

وعنه وعن أبي هريرة معاً أن لله عز وجل ملائكة وقوف
بباب المسجد يستغفرون لأصحاب العمائم البيض يوم
الجمعة.

وعن جابر ركعتان بعمامة أفضل من سبعين غيرها.
وعن أبي الدرداء أن الله وملائكته يصلون على أصحاب

العمائم يوم الجمعة.

وعن علي العمامة حاجز بين المسلمين والمشركين.
وعن ركانة فرق بيننا وبين المشركين العمائم على
القلانس وبعضه أو هي من بعض، انتهى كلامه.
(اور) ایسا آدمی قابل الزام شرعی ہوگا (اور) مرکب کبیرہ۔

كما عن النبي صلى الله عليه وآله وأصحابه وسلم: من
حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين،
رواه مسلم في صحيحه عن سمرة بن جندب وعن المغيرة
بن شعبة قالاً: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك،
انتهى. وفي مختصر الجرجاني ولا يحل رواية الموضوع
للعالم بحاله في أي معنى كان الا مقروناً ببيان الوضع،
انتهى.

والله أعلم، وعنده أم الكتاب واليه المرجع والمآب، اللهم أرنا الحق
حقاً وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه، حرره الراجي عفو
ربه المتين محمد أمين حسنى الحسينى تجاوز الله عن ذنبه الخفي
والمبين والدقيق والسمين، فقط [مہر، محمد امین حسنى الحسينى]

الجواب صحيح والرأى نجیح وخلافه قبیح [مہر، سید محمد نذیر حسین]
الجواب صحیح [مہر، سید محمد عبدالسلام غفرلہ] الجواب صحیح [مہر، سید
محمد ابوالحسن]

ما حبر ونضد في هذا القرطاس حفي وحري بأن يقبل بالعين
والرأس، والله أعلم وعمله أحكم، محمد شبلى فاروقى جو نفورى [مہر، محمد
شبلى عمرى جو نفورى]

ما حرر فيه، لا ريب فيه فهو حق حقيق، المجيب نجیح لثیق، کتبہ فقیر ابو الخیر محمد مکی مولداً فاروقی نسباً محمدی دیناً حنفی مذهباً نقشبندی مشرباً جونپوری وطناً عفی عنه [مہر، محمد ابوالخیر مکی]

ما قال المجيب الییب فهو حقیق بأن یقبل بالعين والرأس لأنه مصیب، واللہ أعلم وعنده علم الأتم والأحکم، فقیر ابو الحسنات محمد عبد الغفور الدانا فوری العظیم آبادی عفی اللہ عنه [مہر، ابوالحسنات محمد عبد الغفور]

اس میں کچھ شک نہیں کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھانے کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، لیکن عمامہ باندھنا نماز میں ہو یا غیر نماز میں، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کما ورد فی بعض الأحایث اعتموا تزاودوا حلماً، قد نقله المحقق جلال الدین السیوطی فی اللآلی بأسانید مختلفة بعضها صحيحة وبعضها ضعاف، من شاء فليرجع اليه، واللہ أعلم بالصواب وعلمه أتم، أنا العاجز الراجی الی رحمة اللہ المجید، محمد سعید عفا اللہ عنه البنارسی [مہر، بفضل خدا محمد سعید شد]

الجواب صحیح والمجيب نجیح، محمد بن سعید عفی عنه [مہر،

محمد]

الجواب صحیح، فقیر محمد معروف فاروقی ابن مولانا محمد جنید مرحوم ابن مولانا سخاوت علی صاحب قدس سرہ [مہر، محمد معروف بن محمد جنید]

التعمم بالعمائم لا سیما حین الصلوات سنة متوارثة والتعامل بالسنة أمثل والمستدلون بالأحادیث الموضوعة كالأنعام بل هم أضل، ابوالبشر وقی الشر، ۳۰/محرم ۱۳۱۸ھ۔

لا شك أن التعمم سنة النبي صلى الله عليه وسلم لكن سنة من سنن الزوائد، لا من الهدى، لا دخل له في ازدياد ثواب الصلوة والانتقاص، احقر محمد ابو بكر محمد شيث فاروقى جوفنقورى [مهر، ابو بكر محمد شيث فاروقى]

الجواب صحيح وصواب والمجيب مصيب وثياب، كتبه احقر المخلوق أبو الفضل محمد فاروق عفي عنه [مهر، ابو الفضل محمد فاروقى]

أصاب من أجاب، عمله الأتم عند الله الوهاب، حرره محمد رياست على اعظم گڑھی جھانوی عفي عنه [مهر، محمد رياست علی]

ملاحظہ برائے فتویٰ

نماز میں عمامہ اور اس کا شرعی حکم و درجہ سے متعلق منج علوم ظاہری و باطنی، قانع شرک و بدعت، سالک مسالک طریقت و شریعت، قدوة الفقہاء خاتم الحدیث ہادی دین متین سید السادات حضرت مولانا سید ابوالحسن محمد امین حسنی الحسینی نصیر آبادی کا ایک فتویٰ خوش قسمتی سے دستیاب ہو گیا جو "الأسوة الحسنة فیما ثبت بالسنة" میں شامل اور اس گیارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، مجموعۃ الفتاویٰ پریس کے حوالہ کرنے سے پہلے مذکورہ کتاب ہاتھ لگ گئی، اسی سے اس فتویٰ کو لے کر افادہ کی غرض سے شامل کر لیا گیا ہے۔ (مرتب)

